الرسائل والمسائل

جلد دوم

تصنیف

شیخ المشائخ پیر محمد چشتی

جامعہ غوثیہ معینیہ بیرون یکہ توت پشاور

گلف پبلشرز محلہ جنگی قصہ خوانی پشاور
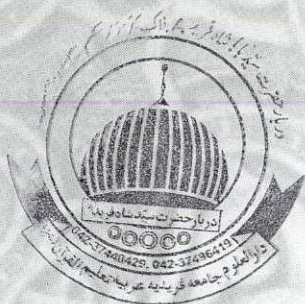
اَلرَسَائِل وَالمَسَائِل

جلد دوم

از

شیخ الحدیث مولانا پیر محمد چشتی

دارالعلوم جامعہ غوثیہ معینیہ بیرون یکہ توت پشاور

نام کتاب: .... الرسائل والمسائل

مصنف: .... شیخ الحدیث مولانا پیر محمد چشتی

باہتمام: .... فضل الرحمن

کمپوزر: .... عاطف شہزاد چشتی

پروف ریڈنگ: .... ظاہر علی شاہ

ڈیزائنر: .... ندیم خان

تعداد: 1100

جلد: .... دوم

سال اشاعت: 2015ء

التماس

اس کتاب کی تدوین و اشاعت میں قرآن کریم کی آیات اور احادیث نبوی ﷺ کے حوالہ جات میں ہر ممکن احتیاط برتی گئی ہے تاہم ادارہ کسی بھی نادانستہ غلطی کے لئے معذرت خواہ ہے اور اس کی نشان دہی کیلیے قارئین کا ممنون ہوگا۔

کتاب میں موجود مقالہ جات کے حوالے سے قاری کے ذہن میں کوئی اشتباہ ہو تو اس کو دور کرنے کیلیے بھی ادارہ ہذا سے رابطہ کیا جاسکتا ہے تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اُن اشتباہات کا ازالہ کیا جاسکے۔

ادارہ ہذا اپنے قارئین کی آراء اور مفید مشوروں پر سنجیدگی سے غور کرنے کے ساتھ تہہ دل سے اُن کا شکر گزار رہوگا۔

منجانب:

ادارہ

حلّ الاشکالات اربعہ

مہربانی کر کے مندرجہ ذیل مسائل کا جواب عنایت فرمائیں۔ جن سے متعلق ہمارے ماحول میں ہمیشہ جھگڑا رہتا ہے؛

پہلا مسئلہ:۔ کیا علی علیہ السلام، امام حسین علیہ السلام، جعفر علیہ السلام یا فاطمۃ الزہرئ علیہا السلام کہنا اہل سنت مذہب میں جائز ہے یا ناجائز، بعض علماء اِسے شیعہ مذہب کہہ کر منع کرتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ:۔ حدیث ''تَرَکْتُ فِیْکُمْ کِتٰبَ اللّٰہِ وَسُنَّتِی ''میں اور ''تَرَکْتُ فِیْکُمْ کِتٰبَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِی ''میں اگر تطبیق ممکن ہو اُسے واضح کیا جائے۔ نیز یہ بھی بتایا جائے کہ سنتِ رسول اور عترۃ الرسول کو بھاری کیوں کہا گیا ہے؟

تیسرا مسئلہ:۔ کیا اِمامانِ اہل بیت کو معصوم کہنا جائز ہے بعض علماء پیغمبروں کے سوا کسی اور کے لیے معصوم کہنے سے منع کرتے ہیں اور ایسا کہنے والوں کو شیعہ کہتے ہیں کیا اہل سنت مذہب میں اِس کا جواز ممکن ہے؟

چوتھا مسئلہ:۔ بعض حضرات اہل سنت چہاردہ معصوموں کو وسیلہ بنا کر خدا سے سوال کرتے ہیں، یہ چہاردہ معصوم کون ہیں اور یہ بھی بتایا جائے کہ کیا اہل سنت میں مذہب میں ایسا کہنا جائز ہے؟

السائل:۔ صوفی فرمان اللہ قادری، مکان نمبر C/4-9 محلّہ امین آباد اٹک شہر شمالی پنجاب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پہلے مسئلہ کا جواب:۔ سوال نامہ میں حضرت علی اور دوسرے آئمہ اہل بیت نبوت کو علیہ السلام کہنے کو ناجائز قرار دینے والے حضرات کا یہ کردار نہ صرف ناجائز، قرآن وسنت اور بزرگان دین پر افتراء ہے بلکہ غلط محض ہونے کے ساتھ تعجب خیز اور افسوس ناک بھی ہے، تعجب خیز اس لیے ہے کہ فرقہ ضالہ خوارج

کے ماسوا پورے اہل اسلام میں کوئی فرقہ آج تک ایسا دیکھنے میں نہیں آیا ہے۔ جس نے اہل بیت نبوت کی ان مقدس ہستیوں کو علیہ السلام کہنے سے منع کیا ہو یا اس کو ناجائز کہا ہو۔ تمام اہل قبلہ کا اُس سرے لے کر اِس سر تک متفقہ طور پر اس کو جائز سمجھنے کے باوجود ان حضرات کا اسے ناجائز قرار دینا باعث تعجب نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا۔ باعث افسوس اس لیے ہے کہ اِس کو مذہب شیعہ کے ساتھ خاص قرار دینا نہ صرف چاروں مذاہب اہلسنت کے خلاف ہے بلکہ مذہب اہل سنت سے مکمل غفلت کے ساتھ جملہ بزرگان دین کو مذہب اہل سنت سے نکالنے کے مترادف ہے۔

اِس اِجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ نور اللّٰہُ وَجْهَهُ الْاَنْوَر وَاَفَاضَ عَلَيْنَا مِنْ فُيُوْضَاتِهٖ وَحَشَرَنَا يَوْمَ الْحَشْرِ فِى زُمْرَتِهٖ تَحْتَ لِوَاءِ سَيِّدِالْمُرْسَلِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلٰى جَمِيْعِ اَهْلِ بَيْتِ نُبُوَّتِهٖ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ سمیت اہل بیت نبوت کے ہر امام کو علیہ السلام کہنے کا جواز تمام اہل اسلام کے مابین متفقہ مسئلہ ہے۔ جس میں شیعہ سنی کی قطعاً کوئی تفریق نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں چاروں مذاہب اہل سنت کے مجتہدین، فقہاء کرام مفسرین ومحدثین عظام اور صوفیاء کرام نے اپنی اپنی کتابوں میں علی علیہ السلام، فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا، امام حسین علیہ السلام جس عقیدت ومحبت کے ساتھ کہا ہوا ہے اُن کا اگر تفصیلاً ذکر کیا جائے تو ان حوالہ جات سے ہی ہزاروں صفحات بھر جائیں گے۔ اس کو ناجائز کہہ کر لوگوں کو منع کرنے والے حضرات اگر اپنے مکتبہ فکر کے بڑوں کی کتابوں کو دیکھتے تب بھی ایسی جرات نہ کرتے۔ مثلاً دیوبندی مکتب فکر کے اشرف علی تھانوی متوفی 1362ھ نے لکھا ہے؛

”جب تک حضرت امام عالی مقام حسین علیہ السلام کی طرح مجاہدہ وبلا وصبر وتحمل جفا میں واقع نہ ہو چکو اور نفس کو ریاضت کا خوگر نہ بنالو اُس وقت تک کربلا مقام عشق میں ناعاقبت اندیشی کے ساتھ قدم مت دھرو البتہ جس طرح حضرت امام علیہ السلام نے اپنی ہمت کو قوی کر لیا تھا اور سب بلاؤں کو برداشت کرنے کے لیے مستعد ہو گئے تھے اور اُس وقت میدان کربلا میں تشریف لے گئے تھے“۔(1)

(1) امداد الفتاوىٰ، ج4، ص26، مطبوعہ مجتبائی، دھلی۔

آئمہ اہل بیت نبوت کی ان مقدس ہستیوں پر سلام بھیجنے کو ناجائز کہنے والے حضرات کو اللہ تعالٰی سمجھ کی توفیق نصیب فرمائے۔ یہ حضرات اپنے اس رویہ سے اپنے گھر کے بڑوں کو ہی لاشعوری میں اہل سنت سے خارج کررہے ہیں جس کے لیے شعور وآگاہی کی دنیا میں شاید تیار نہ ہوں۔ آئمہ اطہار اہل بیت نبوت کی تو بڑی شان ہے جبکہ ہمارے اسلاف اہل سنت نے خاندان نبوت کی ان عظیم ہستیوں کے علاوہ دوسرے علماءِ حق پر سلام بھیجنے کو بھی جائز قرار دیا ہے اور یہ مسئلہ اتنا مشہور ہے کہ درسی کتابوں میں بھی لکھا ہوا موجود ہے۔ جیسے اُصولِ شاشی میں حضرت امام ابوحنیفہ اور اُن کے شاگردوں پر سلام پڑھتے ہوئے لکھا ہے "وَالسَّلَامُ عَلٰی اَبِی حَنِیفَةَ وَاَحْبَابِہٖ" جب حضرت امام ابوحنیفہ نوراللہ مرقدہ اور اُن کے شاگردوں پر سلام پڑھنے کے جواز کا یہ عالم ہے کہ درسی کتابوں کی حد تک مشہور ہے تو پھر آئمہ اطہار اہل بیت نبوت پر سلام پڑھنے سے منع کرنا کسی مسلمان کو ہرگز مناسب نہیں ہے کیوں کہ حضرت امام ابوحنیفہ مسلمانوں کی طرف سے اپنے اوپر سلام پڑھنے کا استحقاق محض اس وجہ سے پارہے ہیں کہ انہوں نے اسلام کی خدمت کی ہے، باطل کے مقابلہ میں اسلام کو تحفظ دیا ہے اور علوم ومعارف کی روشنی پھیلائی ہے اور اہل علم جانتے ہیں کہ یہ سب کچھ اُنہوں نے حضرت امام جعفر الصادق، امام محمد باقر العلوم والمعارف سَلَامُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْن کی صحبت سے حاصل کی ہیں جیسے فرمایا؛

"لَوْلَا السَّنَتَانِ لَھَلَکَ نُعْمَانُ"

نعمان نے دوسال حضرت جعفر الصادق کی صحبت میں نہ گزارے ہوتے تو جہالت کی ہلاکت میں ہلاک ہوجاتا۔

ہمارے اہل سنت کے چاروں مذاہب میں وہ کون سا امام، مجتہد ومحدث مفسر اور اہل عرفان ہوسکتا ہے جس کو آئمہ اطہار اہل بیت نبوت کے کمالات علمیہ وعملیہ کا اعتراف نہ ہو۔ اس اعتراف و احسان شناسی کا نتیجہ ہے کہ تمام قابل ذکر آئمہ اہل سنت نے ان مقدس حضرات کو اپنا پیشوا تسلیم کیا۔ اُن کی امامت پر فخر کیا اور اُن کے قرب وصحبت کو سعادت جان کر اُن پر سلام پڑھا ایک اور درسی کتاب میں

ہمارے اہل سنت کے عظیم امام سعد الدین التفتازانی المتوفی 791ھ نے ان مقدس و مطہر ہستیوں پر سلام پڑھتے ہوئے "المطول" کے خطبہ کے اختتامی صفحہ پر لکھا ہے؛

"بِالنَّبِی وَآلِهٖ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ السَّلَام"

ہمارے علماء کو چاہئے کہ کسی مسئلہ کے جواز و عدم جواز پر گفتگو کرنے سے قبل کم از کم اپنے اسلاف کی کتابوں اور اُن کے کردار پر غور کریں جس کے بغیر انجانے میں اپنے ہی گھر کے بزرگوں کو اسلام سے نکالنے کا جرم کیا جاسکتا ہے جو کسی بھی اعتبار سے قابل قبول نہیں ہے۔ اس موضوع سے متعلق ان حضرات کا یہ کہنا کہ علی علیہ السلام یا فاطمۃ الزہراء علیہا السلام اور امام حسین علیہ السلام کہنا صرف شیعہ مذہب کے ساتھ خاص اور اہل سنت مذہب میں ناجائز و ممنوع ہے۔ کذب محض کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ کیا شیخ المحدثین امام بخاری متوفی 256ھ شیعہ تھا کہ اُنہوں نے سورۃ الذاریات کی تفسیر میں فرمایا ہے۔

"قَالَ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَلذَّارِيَاتُ الرِّيَاحُ"(1)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ علی علیہ السلام نے الذاریات کی تفسیر ریاح سے کی ہے۔

حنفی امام بدر الدین عینی نے امام بخاری کے اس قول "قَالَ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ الذَّارِيَاتُ الرِّيَاحُ" کو نقل کرنے کے بعد اُس کی توثیق کرتے ہوئے لکھا ہے؛

"كَذَا وَقَعَ فِي رِوَايَتِ الْأَكْثَرِيْنَ"(2)

یعنی بخاری شریف کی روایت کرنے والے اکثر محدثین کے نسخوں میں قال علی علیہ السلام ہی واقع ہوا ہے۔

اسی طرح شارح کرمانی الشافعی المتوفی 786ھ نے کرمانی شرح بخاری، جلد 17، صفحہ 107 کے اس مقام پر اور امام المحدثین حافظ ابن حجر العسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ نے امام بخاری کے اس قول کو

---

(1) بخاری شریف، کتاب التفسير، ج2، ص 717۔

(2) عمدة القاری شرح بخاری، جلد19، صفحہ190۔

جز نا نقل کرتے ہوئے لکھا ہے؛

''قَالَ عَلِیٌّ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَلذّٰرِیٰتُ اَلرِّیَاحُ''(1)

اسی طرح حضرت امام المحدثین والفقہاء فی الھند الشاہ عبدالعزیز الدہلوی الحنفی المتوفی 1239ھ اہل بیت نبوت کی ان مقدس ہستیوں کا نام اُن پر سلام پڑھے بغیر ہرگز نہیں لیتے۔ حضرت موصوف کی جملہ تصنیفات اس سے مزین ہیں۔ مثال کے طور پر فتاویٰ عزیزی میں لکھا ہے؛

''حضرت امام حسین علیہ السلام وقتیکہ در کربلا تشریف آوردند''(2)

سوال نامہ ہٰذا کے مطابق آئمہ اطہار اہل بیت نبوت پر سلام پڑھنے کو ناجائز کہنے والے نیم خواندہ حضرات سے زیادہ قابل افسوس اُن دینی مدارس کے دارالافتاء والے حضرات ہیں جو خلاف حقیقت فتویٰ صادر کر کے التباس الحق بالباطل کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کے مابین تفرقہ ڈال رہے ہیں اور انجانے میں چاروں مذاہب اہل سنت کے بزرگان دین کو مذہب سے خارج کر رہے ہیں۔ جہاں تک اِن حضرات کا قرآن شریف کے اُن مقامات سے استدلال کرنے کا تعلق ہے جہاں ذوات قدسیہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم پر سلام پڑھا گیا ہے۔ جیسے ''سَلٰمٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ، سَلٰمٌ عَلٰٓی اِلْ یَاسِیْنَ، سَلٰمٌ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ'' وغیرہ آیات میں تو اُس سے آئمہ اطہار اہل بیت نبوت اور مقدس ہستیوں پر سلام پڑھنے کی ممانعت ہرگز ثابت نہیں ہوتی کیوں کہ ہر مستحق سلام کے لیے کوئی خصوصی وجہ استحقاق ضرور ہوتی ہے پھر یہ بھی ہے کہ قرآن شریف میں مذکور یہ مقامات خبر کے قبیل سے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ظالم جابر قوموں کی ہلاکت و بدانجامی کے مقابلہ میں ان ذوات قدسیہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی سلامتی انجام سے دنیا کو آگاہ فرمایا ہے جبکہ علی علیہ السلام، فاطمۃ الزہراء علیہا

---

(1) فتح الباری شرح بخاری، جلد8، صفحہ598۔

(2) فتاویٰ عزیزی، ج1، ص88۔

السلام، امام حسین علیہ السلام کہنے کے مواقع پر کلام خبری نہیں بلکہ دعائیہ ہوتا ہے کہ ان حضرات نے د
اسلام کی خاطر اپنی جانوں پر جو تکلیفیں برداشت کیں، ظالم وجابر کی بے اعتدالیوں، بدعت کاریوں ا
ناانصافیوں سے دنیا کو آگاہ کر کے دین اسلام کو تحفظ فراہم کیا اُس پر دُعائیہ کلمات کے طور پر ایسا کہا ج
ہے جو اللہ کے فرمان "هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ" (1) کے مطابق ہونیکی وجہ سے نہ قرآ
وسنت کے منافی ہے نہ تقاضاء عقل کے، یہی وجہ ہے کہ قرون اولیٰ سے لے کر آج تک کسی بھی مسلما
جماعت وفرقہ نے اِس کے عدم جواز کا قول نہیں کیا ہے۔ ایسے میں جو حضرات عدم جواز سے متعلق
فتوؤں سے اگر مطمئن نہیں ہوتے تو یہ اُن کے ایماندار ہونے کی علامت ہے کہ فتویٰ کے نام سے خلاف
حقیقت باتوں کو تسلیم نہیں کرتے ہیں۔ اللہ کے رسول سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "دَعْ مَا يَرِيْبُكَ
اِلٰى مَا لَا يَرِيْبُكَ" حقیقی مومن مسلمان کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ اُس کی فراستِ ایمان جائز
ناجائز کے حوالہ سے حقائق کا ادراک کر لیتی ہے جسکے متعلق اللہ کے حبیب رحمت عالم ﷺ نے فرمایا؛

"اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله" (2)

مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

اِس پُرفتن دور میں ایسے حضرات کا وجود اسلام کی حقانیت کے دلائل میں سے ایک دلیل ہے
ورنہ باطل کا ریلہ سب کچھ بہا کر لے جا سکتا ہے۔ جس سے حق کو بچانے کے لیے تاریخ کے ہر دور میں
اللہ تعالیٰ نے حق شناسوں کا وجود مسعود قائم ودائم رکھا ہوا ہے جو قیامت تک باقی ہے۔ جن کے لیے اُن
کا دل ہی مفتی ہوتا ہے۔ ایسوں کے متعلق اللہ کے حبیب سید عالم ﷺ نے فرمایا؛

"وَاسْتَفْتِ نفسک وان افتاک المفتون" (3)

اپنے دل سے پوچھ اگرچہ غیر معیاری مفتیوں نے تجھے فتویٰ دیا ہو۔

---

(1) الرحمٰن، 60 (2) ترمذی شریف، ج2، ابواب التفسیر، ص140
(3) جامع الصغیر مع فیض القدیر، ج1، حدیث نمبر 991، ص 495۔

اِس سلسلہ میں نیم خواندہ مفتیان کرام کے غیر معیاری فتوؤں سے بھی زیادہ قابل افسوس اِس سوال نامہ کو ترتیب دینے والے حضرات کا آئمہ اطہار اہل بیت نبوت کو مذہب شیعہ کے ساتھ خاص قرار دینا ہے جس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ اہل سنت کے امام نہیں ہیں (العیاذ باللہ)۔ میں سمجھتا ہوں کہ سوال نامہ ہٰذا کو ترتیب دینے والے حضرات کا یہ تاثر، یہ عقیدہ اور یہ انداز بیان جاہلانہ ماحول کا اثر ہے کہ جملہ عالم اسلام کے متفقہ اماموں کو صرف شیعہ مذہب کے ساتھ خاص قرار دے رہے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اہل سنت و جماعت عقیدہ کے مطابق یہ مقدس ومطہر ذوات قدسیہ شیعہ کی طرح اہل سنت کے بھی متفقہ امام وپیشوا ہیں بلکہ ان کی محبت اور ان کو اپنا امام وپیشوا جاننا اہل سنت ہونے کے لیے شرط اور جزو ایمان ہے۔ جیسے امام ربانی مجدد الف ثانی نے فرمایا ہے کہ:

"آن محبت نزد این بزرگواران جزو ایمان وسلامتی خاتمہ رابر سوخ آن محبت مربوط ساختہ اند"(1)

اُن کے نقش قدم پر چلنا مدار نجات ہے اور ان کے ساتھ محبت کرنا علامت ایمان ہے۔

جیسے اللہ کے حبیب رحمت عالم ﷺ نے فرمایا "مَثَلُ اَهْلِ بَيْتِى كَسَفِيْنَةِ نُوحٍ مَنْ رَكِبَهَا فَقَدْ نَجَا وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْهَا غَرِقَ " اور قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے ان کی محبت کو تبلیغ کے احسان کا شکرانہ قرار دیا "قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى "(2) ایسے میں عالم اسلام کے بلاتفریق شیعہ وسنی ان مشترکہ اماموں کو اہل سنت کی امامت سے نکال کر شیعہ کے ساتھ خاص کرنا المیہ سے کم نہیں ہے جس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔ (فَاِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى)

قرآن وسنت کی روشنی میں جب کسی بھی مسلمان پر سلام پڑھنا اور اُس کی سلامتی کے لیے دُعا دینا جائز ہے چاہے حیات ہو یا وفات تو پھر حضرات اہل بیت نبوت پر سلام پڑھنے سے منع کرنا کسی مسلمان کا شیوہ نہیں ہو سکتا۔ نماز سے فارغ ہوتے ہوئے ہر نمازی "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ " کہتا ہے جس میں

(1) نور الخلائق، ص36۔ (2) الشوریٰ، 23۔

فرشتے بھی شامل ہوتے ہیں اور نمازی کے دائیں بائیں موجود مسلمان بھی اور مسلم اہل قبور پر ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْقُبُوْرِ '' کہنے کی اللہ کے رسول سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے. جس سے کتب حدیث بھری پڑی ہیں نہ صرف دنیا میں بلکہ جنت میں بھی اور جنت میں داخل ہوتے وقت بھی مسلمانوں پر سلام پڑھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ''(1)

نیز فرمایا؛ ''سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ''(2)

جب کسی بھی مسلمان، حیات، وفات پر دنیا میں آخرت میں ہر جگہ جائز ہے اور قرآن وسنت میں اس سے منع کہیں نہیں آیا تو پھر اہل بیت نبوت کے اِن نفوس قدسیہ پر سلام پڑھنے کو منع کرنے کی جرات وہی کرسکتا ہے جو گستاخ اہل بیت اور ناصبی وخارجی ہو یا قرآن وسنت کی تعلیمات سے ناآشنا ہونے کے ساتھ اکابرین اہل سنت کے عمل سے بے خبر وجاہل ہو یہاں پر اگر ہم اہل سنت اسلاف کے حوالہ جات نقل کریں تو یہ سطور جواب بقدر جواب سے نکل کر سینکڑوں صفحات کی شکل اختیار کریں گی۔ مشتے نمونہ ازخروارے صحابی رسول انس ابن مالک رضی اللہ عنہ نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کو علیہ السلام کہا ہے. جو بخاری شریف کے الفاظ میں اِس طرح ہے کہ؛

''حَدَّثَنَا الْحَسَنُ ابْنُ عَبْدِالْعَزِيْزِ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى ابْنُ حَسَّانَ قَالَ حَدَّثَنَا قُرَيْشٌ هُوَابْنُ حَيَّانَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسِ ابْنَ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ دَخَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلٰى اَبِىْ سَيْفِ الْقَيْنِ وَكَانَ ظِئْرًالِاِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ ''(3)

ہمیں حسن ابن عبدالعزیز نے حدث بیان کی اُنہوں نے کہا کہ ہمیں یحیٰی ابن حسان نے حدیث بیان کی اُنہوں نے کہا کہ ہمیں قریش نے حدیث بیان کی وہ حیان کا بیٹا ہے ثابت سے

---

(1) یٰس،58۔ (2) الزمر،73۔

(3) بخاری شریف، کتاب الجنائز مع شرح عینی ،ج8،ص101،مطبوعہ بیروت۔

اُنہوں نے انس ابن مالک ﷺ سے بیان کی ہے اُنہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں ابوسیف لوہار کے پاس گئے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا رضاعی باپ تھا۔

اہل علم جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ اہل بیت رسول تھے نبی اور رسول نہ تھے اِس کے باوجود صحابی رسول حضرت انس ابن مالک سے لے کر امام بخاری تک اِن تمام محدثین ورواۃ نے اِسے جائز سمجھ کر ایک دوسرے کو پہنچاتے رہے یہاں تک کہ امام بخاری نے بھی اِسے جوں کا توں اپنی کتاب میں لکھ دیا اگر ذواتِ قدسیہ انبیاء ومرسلین کے سوا کسی اور قابل احترام ہستی پر سلام پڑھنے کے جواز میں انہیں ذرہ برابر شک ہوتا تب بھی وہ اِسے ایک دوسرے کو نہ پہنچاتے اور خاص کر امام بخاری جیسے محتاط محدث کبھی اسے اپنی کتاب کی زینت نہ بناتے۔

اِسی طرح حضرت امام بخاری نے سورۃ الذاریات کی ابتدائی آیت کریمہ ''والذاریات ذروا'' کی تفسیر حضرت علی المرتضیٰ نور اللہ وجہہ الانور سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے؛

''قَالَ عَلِیٌّ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَلذَّارِيَاتُ الرِّيَاحُ''(1)

یعنی علی علیہ السلام نے کہا ہے کہ الذاریات سے مراد ہوائیں ہیں۔

اِسی طرح بخاری شریف میں ہے؛

''حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ اَخْبَرَنَا يُوْنُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ اَخْبَرَنَا عَلِيُّ ابْنُ الْحُسِيْنِ اَنَّ حُسِيْنَ ابْنَ عَلِيٍّ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ''(2)

امام بخاری نے کہا کہ ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی اُنہوں نے کہا کہ ہمیں عبداللہ ابن مبارک نے خبر دی ہے اُنہوں نے کہا کہ ہمیں یونس ابن یزید نے خبر دی زہری سے اُنہوں نے کہا ہمیں خبر دی ہے حضرت امام زین العابدین علی ابن حسین نے کہ بے شک امام حسین ابن

---

(1) بخاری شریف، کتاب التفسیر مع شرح فتح الباری، ج8، صفحہ598، مطبوعہ بیروت۔

(2) بخاری شریف مع شرح العینی، کتاب الخمس، ج15، ص17۔

علی علیہما السلام نے اُنہیں خبر دی ہے۔

صرف اِس حد تک محدود نہیں ہے بلکہ بخاری شریف مع العینی، جلد 16 کے مندرجہ ذیل صفحات میں بھی اہل بیت نبوت کے حضرت علی سے لے کر حسنین کریمین تک اور حضرت فاطمہ الزہرٰی سے لے کر حضرت امام زین العابدین تک سب پر سلام پڑھنے کا ثبوت امام بخاری سے لے کر اُن کے شیوخ حدیث اور شارحین بخاری سے بھی ثابت ہے۔ اِس کے لیے عینی علی البخاری جلد 16، صفحہ 217، 221، 222، 249، 305 کو دیکھا جائے۔ محدثین اور شارحین حدیث کی طرح مفسرین کرام سے بھی کثرت کے ساتھ اہل بیت نبوت پر سلام پڑھنے کا ثبوت موجود ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے تفسیر امام المتکلمین فخر الدین الرازی کے صفحات اِس سے بھرے پڑے ہیں بلکہ آیت کریمہ ''اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا ''(1) کے تحت ج 11، ص 30 کے دو مقام پر علی علیہ السلام لکھا ہوا موجود ہے۔ الغرض ذوات قدسیہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے بغیر بھی دوسرے مسلمانوں پر سلام پڑھنے کے عدم جواز کا تصور اسلام میں نہیں ہے چہ جائیکہ اہل بیت نبوت پر سلام پڑھنے کو ناجائز کہا جائے۔

یہاں پر بھی امام بخاری سے لے کر اُن کے سلسلہ سند کے پانچویں شیوخ حدیث نے حسین ابن علی علیہما السلام کہنے کے جواز کو ایک دوسرے تک پہنچاتے اور ایک دوسرے سے لیتے رہے ہیں جس کے بعد اب تک مختلف مکاتب فکر کے علماء اسلام بخاری شریف میں اِسے پڑھتے، پڑھاتے اور باعث صواب ثواب سمجھتے آئے ہیں۔ کسی نے یہ نہیں سوچا کہ امام بخاری اور اُن کے شیوخ حدیث نے یہ کیا ناجائز کیا ہے، اہل بیت نبوت پر سلام پڑھ کر شیعہ ہو گیا اور شیعہ کی علامت کو اپنایا ہے۔

اِسی طرح بخاری شریف میں ہے؛

''حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِیْزِ ابْنُ عَبْدِاللّٰہِ قَالَ حَدَّثَنَا اِبْرَاھِیْمُ ابْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ

(1) المائدہ، 55۔

شَهَابٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ عُرْوَةُ ابْنُ الزُّبَیْرِ اَنَّ عَائِشَه اُمَّ الْمُؤْمِنِیْنَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا اَخْبَرَتْهُ اَنَّ فَاطِمَةَ عَلَیْهَا السَّلَام اِبْنَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَتَتْ"(1)

حضرت امام بخاری کہتے ہیں کہ ہمیں عبدالعزیز ابن عبداللہ نے حدیث بیان کی اُنہوں نے کہا کہ ہمیں ابراہیم ابن سعد نے صالح سے اُنہوں نے ابن شہاب سے حدیث بیان کی اُنہوں نے کہا کہ مجھے حضرت عروہ ابن زبیر نے خبر دی ہے کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اُنہیں خبر دی ہے کہ بے شک حضرت فاطمہ علیہا السلام آ گئیں"۔

خلاصۃ الکلام:۔

اہل سنت بزرگانِ دین اور سلف صالحین میں کوئی قابل ذکر ہستی ایسی نہیں گزری جس نے اہل بیت نبوت پر سلام پڑھنے سے منع کیا ہو تو پھر ایسے منکرین کو نہ صرف منکر بلکہ معاند کہا جائے بہتر ہوگا جو شیعہ کی مخالفت میں اندھے ہو کر اسلام کے مسلمات سے ہی انکار کر رہے ہیں اس کے باوجود خود کو اہل سنت بھی کہتے ہیں حالانکہ اہل سنت اکابرین کے نزدیک نہ صرف اہل سنت ہونے کے لیے بلکہ صحیح مومن مسلمان ہونے کے لیے بھی حب اہل بیت نبوت شرط ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولادِ پیغمبر کی محبت کو بطور معاوضہ تبلیغ سب پر لازم قرار دیا ہے۔ فرمایا؛

"قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی"(2)

یعنی تم فرماؤ کہ میں تم سے اِس پر کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت۔

آیت کریمہ کے عین مطابق ہمارے اہل سنت کے متفقہ امام اور الف ثانی کے مجدد شیخ احمد سرہندی (نَوَّرَاللّٰهُ مَرْقَدَهُ الشَّرِیْف) نے بھی لکھا ہے؛

"بنص قطعی محبت اہل قرابت آن سرور علیه و علیهم الصلوات

---

(1) بخاری کتاب الجنائز مع شرح العینی، ج15، ص19۔

(2) الشوریٰ، 23۔

والتسلیمات ثابت شدہ واجرت دعوت دامحبت ایشان ساختہ"(1)

لیکن افسوس اور صد افسوس کہ خود کو اہل سنت کہنے والے کچھ علماء سوء اور ناقص مشائخ انجانے میں اپنے ان بزرگوں سے برعکس روش اختیار کر رہے ہیں، قرآن وسنت کی تعلیمات کو پامال کر رہے ہیں اور فرمان نبوی ﷺ "مَثَلُ اَهْلِ بَيْتِى كَسَفِينَةِ نُوحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا هَلَكَ"(2) یعنی میرے اہل بیت کی مثال کشتی نوح کی طرح ہے جو اس پر سوار ہو نجات پائے اور جو اُس سے پیچھے ہٹے ہلاک ہو جائے۔ کو پس پشت ڈال رہے ہیں۔

حدیث نبوی ﷺ "فَاطِمَةُ بُضْعَةٌ مِنِّى فَمَنْ اَغْضَبَهَا اَغْضَبَنِى"(3) یعنی فاطمہ میرے بدن کا ٹکڑا ہے جس نے اُسے ناراض کیا اُس نے مجھے ناراض کیا۔ سے روگردانی کر رہے ہیں۔

اورارشاد نبوی ﷺ "اَنْتَ مِنِّى بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوسٰى"(4) یعنی تیرا مرتبہ مجھ سے ایسا ہے جیسا ہارون کا موسیٰ سے تھا، کو بھی ذہن سے نکال رہے ہیں۔ نیز حدیث رسول اللہ ﷺ "مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ" سے بھی انحراف کر رہے ہیں۔ نیز حدیثِ رسول اللہ ﷺ "مَنْ اَحَبَّ عَلِيًّا فَقَدْ اَحَبَّنِى وَمَنْ اَبْغَضَ عَلِيًّا فَقَدْ اَبْغَضَنِى"(5) جس نے علی کو مغوب جانا اُس نے مجھے مغوض جانا"۔ سے بھی روگردانی کر رہے ہیں۔ جبکہ اہل سنت اکابرین کے مطابق اہل بیت کے اِن نفوس قدسیہ کے ساتھ محبت کرنا شرط ایمان ہے، مدارِ نجات ہے اور اہل سنت ہونے کا حقیقی معیار ہے۔ ایسے

(1) مکتوبات امام ربانی، حصه چهارم، دفتر اول، مکتوب 266، بنام خواجه عبيدالله و خواجه عبدالله برخوردران خواجه باقى بالله رحمهم الله اجمعين۔

(2) جامع الصغير شريف، حدث نمبر 8162۔

(3) بخاری شریف، ج2، کتاب المناقب۔

(4) مسلم شریف، ج2، باب فضائل علی۔

(5) جامع الصغير، ج6، ص32، حديث نمبر 8319۔

میں جو علماء و مشائخ شیعہ کی مخالفت میں اِن حضرات کی تعظیم سے لوگوں کو روک رہے ہیں، انہیں شیعہ کے ساتھ خاص بتارہے ہیں اور اِن پر سلام پڑھنے کو ناجائز قرار دے رہے ہیں وہ خود قابل اصلاح ہیں۔ حقیقی اہل سنت والے علماء و مشائخ کو چاہئے کہ ان کی اصلاح کریں۔

اہل سنت اکابرین کی تعلیمات اِن کے سامنے رکھ کر محراب و منبر کے ذریعہ انہیں تنبیہ کریں کہ اہل بیت نبوت کے یہ حضرات صرف شیعہ کے ہی نہیں بلکہ کسی تخصیص کے بغیر تمام مسلمانوں کے لیے قابل احترام، سب کے محسن اور سب کے لیے قابل تعظیم ہیں اور اُن پر سلام پڑھنا سب کے لیے باعث ثواب ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اہل بیت نبوی ﷺ کی یہ مقدس و متبرک حضرات خصوصیت مسلک سے قطع نظر تمام مسلمانوں کے لیے قابلِ تعظیم ہیں، اُن کی محبت سب پر لازم ہے اور اِن کی عداوت اور اِن سے دوری اور اِن کے فضائل سے انکار کرنا ایمان کے لیے نقصان ہے بلکہ اکابرین اہل سنت کے مطابق اِن کی محبت کو خاتمہ بالخیر ہونے میں بڑا دخل ہے اِس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ بنو اُمیہ اور بنو عباسیہ کے کج کلاہوں کی بے اعتدالیوں سے بچا کر دینِ اسلام کی حقیقی تعلیمات کو ہم تک پہنچانے میں اِن حضرات کی قربانیوں کو بڑا دخل ہے۔ جس وجہ سے حضرت امام ابوحنیفہ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَيْهِ نے فرمایا؛

”لَوْلَا السَّنَتَانِ لَهَلَكَ نُعْمَانُ“(1)

یعنی اگر دو سال حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں نہ رہتا تو جہالت کی ہلاکت میں ہلاک ہو جاتا۔

حضرت امام شافعی نے فرمایا؛

لَوْ كَانَ رِفْضًا حُبُّ آلِ مُحَمَّدٍ   فَلْيَشْهَدِ الثَّقَلَانِ عَلَىَّ بِأَنِّي رَافِضٌ

(دیوان امام الشافعی)

---

(1) برخوردار علی النبراس، ص519۔

حضرت امام مصلح الدین سعدی شیرازی نے اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے ہوئے فرمایا؛

گر دعوتم رد کنی ور قبول　　　من و دست دامان آلِ رسول

(بوستان شیخ سعدی)

الغرض اہل سنت و جماعت کا وہ کون سا قابلِ ذکر امام و مجتہد ہوگا جس نے اہل بیت نبوت کے اِن عظیم اماموں کے قرب اور اِن کی محبت کو سعادتِ ابدی کا سامان نہ سمجھا ہو لیکن اہل سنت کو بدنام کرنے والے کچھ ناقص مشائخ اور علماء سُو کی وجہ سے دینِ اسلام کے دیگر شعبوں میں اشتباہ پیدا کرنے کی طرح اہل بیت نبوت کی اِن عظیم ہستیوں کو بھی صرف شیعہ کے ساتھ خاص ہونے کی بے مصرف بدگمانی پیدا کی جارہی ہے جو تعصب و جہل کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو تعصب کی لعنت سے بچنے اور حق کو سمجھ کر اُس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔

دوسرے مسئلہ کا جواب:۔ جہاں تک حدیث ثقلین میں تطبیق کا مسئلہ ہے وہ اِس طرح ہے کہ اِن میں تعارض قطعاً نہیں ہے بلکہ سنتِ رسول اور عترۃ الرسول، یہ دونوں تقاضائے ایمان میں شامل ہیں جس کے مطابق ایک میں ایمان کے ایک مقتضاء کو اپنانے کا حکم دیا گیا ہے اور دوسرے میں ایمان کے دوسرے مقتضاء کو اپنانے کا حکم دیا گیا ہے۔ جس کی تفصیل اِس طرح ہے کہ شریعت مقدسہ کی زبان میں ایمان جو اِقرار باللسان وتصدیق بالقلب سے عبارت ہے کتاب اللہ کے بغیر متصور نہیں ہے جو جامع ہے اسلام کے اُن تمام احکام کو جن کا نظام مصطفیٰ ﷺ کا حصہ ہونا سب کو بداہۃً معلوم ہے جیسا کتاب اللہ کے بغیر ایمان کا تصور نہیں ہے ویسا ہی تقاضائے ایمان کے بغیر تکمیل ایمان نہیں ہے۔ مقتضیاتِ ایمان کی طویل فہرست میں سنتِ رسول اور عترت رسول ﷺ کو اولیت حاصل ہے۔ جس کی بنا پر مسلم و بخاری کی حدیثوں میں مذکور "تَرَکْتُ فِیْکُمْ" امرین میں اِن دونوں چیزوں کے ثبوت کے وسائل و ذرائع کو بیان کیا گیا ہے۔ جس کے بعد دونوں روایتوں کی روشنی میں "کِتٰبُ اللّٰہِ وَسُنَّتِی" بھی اور "کِتٰبُ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ" بھی ان دونوں کی تفصیل ہیں جس کے مطابق لفظ "کِتٰبُ اللّٰہِ" میں مابہ

الایمان کے ثبوت کے لیے بنیادی وسیلہ کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ قرآن شریف ہے اور لفظ "سُنَّتِی، عِتْرَتِی" دونوں میں تقاضائے ایمان کی بنیادی مثالیں بتائی گئی ہیں کہ اِنکے ساتھ محبت اور وابستگی اور اِن سے روشنی لینا جملہ مقتضیات ایمان کی تکمیل کی ضمانت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وَلَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" (1) جس میں سنت رسول اللہ ﷺ کیساتھ وابستگی کو مقتضائے ایمان بتایا گیا ہے۔

اِسی طرح عترت نبوی ﷺ کے ساتھ وابستگی اور اُن کے ساتھ محبت کو مقتضائے ایمان قرار دیتے ہوئے فرمایا "قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى" (2) مفسرین کرام کے ایک طبقہ کے مطابق اِس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم سیدِ عالم ﷺ کو حکم دیا ہے کہ اپنے ذوی القرباء کے ساتھ محبت کو تبلیغ نبوت کا اجر ہونے کا اعلان فرمادے۔ جس کا لازمی نتیجہ اِس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ جس نیک بخت نے بھی خاندانِ نبوت کے ذوی القرباء کے ساتھ محبت کی گویا اُس نے تبلیغ نبوت کا اجر ادا کیا، احسان شناسی کی اور تقاضائے ایمان کی تکمیل کی اِسی فلسفہ کی روشنی میں مفسرین کرام نے بھی لکھا ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے روح المعانی میں ہے؛

"وَالْحَقُّ وُجُوْبُ مَحَبَّةِ قَرَابَتِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مِنْ حَيْثُ اَنَّهُمْ قَرَابَتُهٗ ﷺ" (3)

یعنی حق یہ ہے کہ اہل بیت نبوت کے ساتھ اِس حیثیت سے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ذوی القرباء ہیں محبت کرنا واجب ہے، جس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔

حضرت امام شافعی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ نے فرمایا؛

يَآ اٰلَ بَيْتِ رَسُوْلِ اللهِ حبكمُ	فَرْضٌ مِنَ اللهِ فِي الْقُرْاٰنِ اَنْزَلَهٗ
يُكْفِيْكُمْ مِنْ عَظِيْمِ الْفَخْرِ انكم	مَنْ لَمْ يُصَلِّ عَلَيْكُمْ لَا صَلٰوةَ لَهٗ

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اے اہل بیت رسالت تمہاری محبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُمت پر فرض

(1) الاحزاب، 21۔ (2) الشوریٰ، 23۔

(3) تفسیر روح المعانی، ج25، ص32۔

ہے جسے قرآن میں نازل کیا ہے عظمتِ فخر کے حوالہ سے تمہارے لیے یہی کافی ہے کہ جس نے تم پر درود نہ پڑھا اُس کی نماز ہی نہیں ہے۔(1)

مُقتضیاتِ ایمان کی فہرست اگرچہ طویل ہے، اس کے مندرجات کثیر ہیں اور حسب مراتب سب کی اہمیت کو کسی نہ کسی انداز سے قرآن وسنت میں بیان کیا گیا ہے تاہم سنتِ نبوی ﷺ اور عترت نبوی ﷺ کو سب سے زیادہ اہمیت بلکہ اولیت کا درجہ حاصل ہے کیوں کہ کتاب اللہ کی تفسیر وشارح ہونے کی حیثیت سے جو امتیازی اہمیت ان کو حاصل ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ مثال کے طور پر سنتِ نبوی ﷺ کی امتیازی اہمیت سے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَيهِمْ''(2)

حدیث شریف میں فرمایا؛

''اَلااِنِّی اُوتِيتُ الْقُرآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ''(3)

بے شک مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اُس جتنا اُس کے ساتھ دیا گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ اللہ کے رسول سید عالم ﷺ کو قرآن شریف کے ساتھ اُس جتنا جو کچھ دیا گیا ہے اُس کی حیثیت قرآن شریف کی تفسیر وتشریح اور اُس کے الفاظ کے رُموز میں چھپے ہوئے احکام ومعارف کے انکشاف کے سوا اور کچھ نہیں ہے جو بجائے خود ناپیدا کنار سمندر ہے۔ جس کی اہمیت بتانے کے لیے کلمہ تنبیہ ''الا'' استعمال کرکے قرآن شریف کے ساتھ اُس کے تلازم، عدم انفکاک اور اُس کے بغیر قرآن فہمی کے ناممکن ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو بعض روایتوں میں صراحتاً بھی آیا ہے۔ جیسا حدیث ''لَنْ يَّفْتَرِقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَىَّ الْحَوْض'' کے الفاظ سے معلوم ہو رہا ہے یعنی یہ دونوں ایک دوسرے سے کبھی جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ آخرت میں حوض کوثر کے نزدیک میرے پاس

(1) دیوان امام محمد ابن ادریس الشافعی، ص142۔ (2) النحل،44۔

(3) مسند احمد بن حنبل، ج4، ص130۔

آ پہنچیں گے۔حدیث رسول اللہ ﷺ کے بغیر قرآن فہمی ناممکن ہونے کی اِن دلائل کی طرح عترت رسول علیہ ﷺ کے بغیر قرآن فہمی ناممکن ہونے کے سلسلہ میں اللہ کے رسول سید عالم ﷺ نے فرمایا؛

"مَثَلُ اَھلِ بَیْتِی مَثَلِ سَفِینَۃِ نُوحٍ مَنْ رَکِبَھَا نَجا، وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْھَا غَرِقَ"(1)

اہل علم جانتے ہیں کہ یہاں پر جس بات میں اہل بیت نبوت کو کشتی نوح کی مثل قرار دیا گیا ہے وہ ذریعہ نجات ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہے جیسا طوفانِ نوح کے عذاب سے نجات پانے کے لیے کشتی نوح واحد ذریعہ تھی اسی طرح جملہ مسائل ومصائب سے خلاصی پانے کے لیے اہل بیت نبوت کا واحد ذریعہ ہے۔یعنی فہم قرآن، فہم ایمان اور تشریح وتعبیر اسلام کے حوالہ سے اِن کا سہارا لینا اور ان کو پیشوا بنانا اور ان کی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنا عذاب سے نجات پانے کی ضمانت ہے جبکہ اِن سے بے اعتنائی ودوری ہلاکت ہے۔یہی وجہ ہے کہ پیشروانِ اسلام کے ہر طبقہ نے ان کی اہمیت کو محسوس کیا ہے، سب نے اِن کے قرب اور ان کے ساتھ حسنِ عقیدت رکھنے کو مقتضائے ایمان سمجھا ہے۔مشتے نمونہ از خروارے امام شافعی نے اپنے دیوان، صفحہ 55 پر فرمایا؛

آلِ النَّبِی ذُرِیعَتِی — وَھُمْ اِلَیْہِ وَسِیلَتِی
اَرْجُو بِھِم اُعطی غَدًا — بیدی الیَمِینَ صَحِیفَتِی

حضرت مصلح الدین السعدی الشیرازی نے بوستان سعدی کے دیباچہ میں فرمایا؛

خدایا بحق بنی فاطمہ — کہ بر قول ایمان کنم خاتمہ
گر دعوتم رد کنی ور قبول — من ودست ودامان آل رسول

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد الفاروقی السرہندی نے فرمایا؛

"پیشوائے واصلان این راہ وسر کردہ اینہا ومنبع فیض این بزرگواران حضرت علی مرتضی است کرم اللہ تعالی وجہہ

(1) جامع الصغیر مع فیض القدیر، ج5، ص517، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت۔

الکریم واین منصب عظیم الشان بایشان تعلق دارد درین مقام گوئیا هر دو قدم مبارک آن سرور علیه وعلی اله الصلوٰۃ والسلام بر فرق مبارک اوست کرم اللہ تعالیٰ وجهہ حضرت فاطمہ و حضرات حسنین درین مقام باایشان شریک اند انگارم کہ حضرت امیر قبل از نشاء عنصری نیز ملاذ وملجاء این مقام بودہ اند چنانچہ بعد از نشاء عنصری وهر کرا فیض وهدایت ازین راہ می رسید بتوسط ایشان می رسید چہ ایشان نزد نقطہ منتهائے این راہ اند ومرکز این مقام باایشان تعلق دارد وچون دورہ حضرت امیر تمام شد این منصب عظیم القدر بحضرات حسنین ترتیباً مفوّض ومسلّم گشت وبعد ازایشان همان منصب بهریکی از ائمہ اثنا عشر علی الترتیب والتفصیل قرار گرفت ودر اعصار این بزرگواران وهمچنین بعد از ارتحال ایشان هر کرا فیض وهدایت میرسید بتوسّط این بزرگواران بودہ "(1)

اِس کا مفہوم یہ ہے کہ راہِ حق تک پہنچنے والے اہلِ حق کا پیشوا وسرکردہ اور اِن بزرگوں کے فیض کا منبع حضرت علی مرتضیٰ کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہُ الْکَرِیْم ہیں اور روحانیت کے مرکز ہونے کا یہ عظیم الشان منصب اِن کے ساتھ متعلق ہے گویا روحانیت کے اِس مقام پر سرورِ کائنات ﷺ کے دونوں قدم مبارک حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہُ الْکَرِیْم کے سر پر ہیں اور اِس مقامِ عظمت میں حضرت فاطمہ اور حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہم بھی اِن کے ساتھ شریک ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ حضرت امیر المومنین (علی) اپنے جسدِ عنصری کی پیدائش سے پہلے بھی مقامِ روحانیت کے اِس رُتبے

(1) مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی، حصہ نہم، دفتر سوم، مکتوب نمبر 123۔

پر ایسے ہی فائز تھے جیسے جسد عنصری میں آنے کے بعد تھے اور جس کو روحانیت کا فیض ملتا ہے ان ہی کے واسطہ سے ملتا ہے کیوں کہ یہ دنیائے روحانیت کے نقطہ منتہا ہیں اور مقام روحانیت کے مرکز کا تعلق ان کے ساتھ ہے اور حضرت امیر المومنین کی ظاہری حیات کا دورانیہ ختم ہونے کے بعد روحانیت کا یہ عظیم القدر منصب بالترتیب حضرات حسنین کریمین کو سپرد ہوا اور اُن کے بعد ائمہ اہل بیت نبوت کے بارہ اماموں کو بالترتیب سپرد ہوتا رہا اور ان حضرات کی حیات ظاہری میں بھی اور وفات کے بعد بھی جس کو بھی کوئی روحانیت و فیض ملا ہے وہ سب کچھ اِن مقدس حضرات کے واسطہ سے ہے۔

خاندانِ نبوت کے اِن مقدس حضرات کی اہمیت کے سلسلہ میں یہ کیا کم ہے کہ اہل سنت و جماعت کی چاردیواری کے بانی و مبانی ائمہ اربعہ سے لے کر امام بخاری تک عظماءِ اسلام نے بھی کسی نہ کسی طریقے سے اِن حضرات سے فیض پانے کو ضروری سمجھا ہے، مسائل فقہ کی اُن سے تصحیح کی ہے، روایات حدیث کی تمیز و توثیق کی ہے اور راہِ سلوک کی رہنمائی لی ہے۔ حضرت عمرِ ثانی (عمر بن عبد العزیز) کا امام باقر سے رہنمائی لینے اور اُن سے نیازمندی رکھنے کا کس کو علم نہیں ہے یا حضرت بایزید بسطامی اور فضیل ابن عیاض جیسے پاکان اُمت کا حضرت امام جعفر صادق سے سلوک کی تربیت لینا کس سے پوشیدہ ہے یا حضرت سفیان ثوری، امام اوزاعی، امام ابن جریج، یحیٰ ابن معین، امام احمد بن حنبل اور امام ابن اسحاق جیسے آئمہ وقت کی اُن کی طرف محتاجی کس سے مخفی ہے۔ الغرض پوری اُمت مسلمہ میں کوئی قابل ذکر مسلک یا کوئی قابلِ فخر ہستی ایسی نہیں گزری ہے جس نے عترتِ رسول ﷺ کے اِن مقدس اماموں کی اہمیت سے بے اعتنائی کی ہو یا انہیں سنت رسول ﷺ سے جدا سمجھا ہو۔

اِن حقائق کی روشنی میں مسلم و بخاری کی مذکورہ حدیثوں میں تطبیق کے سلسلہ میں یہ کہے بغیر چارہ نہیں ہے کہ سنتِ رسول اور عترتِ رسول ﷺ ایک دوسرے کی ضد نہیں ہیں، ایک دوسرے سے خلاف نہیں ہیں اور ایک دوسرے سے جدا نہیں ہے بلکہ دونوں اولین مقتضائے ایمان ہیں اور آپس

میں ظاہر ومظہر ہیں کیوں کہ اِن حضرات کا وجودِ مسعود زندگی کے کسی بھی شعبہ میں موجود سنت رسول علیہ السلام کی دلیل اور اُس کا مظہر ہے آپس میں ایک دوسرے کے لیے ظاہر ومظہر اور لازم وملزوم ہونے کے ساتھ قرآن شریف سے بھی جدا نہیں ہیں۔ جیسا حدیث شریف کے الفاظ "لَنْ یَفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ "(1) سے معلوم ہورہا ہے۔

اِسی طرح حدیث شریف کے دوسرے الفاظ "اَحَدُهُمَا اَكْبَرُ مِنَ الْآخَرِ "(2) سے بھی یہی کچھ مفہوم ہورہا ہے کہ سنتِ رسول اور عترت رسول علیہ السلام آپس میں لازم وملزوم اور ظاہر ومظہر ہوتے ہوئے بھی کتاب اللہ سے جدا نہیں ہیں اور کتاب اللہ کا اِن دونوں سے اعظم واکبر ہونے کا فلسفہ بھی اِن میں قدرِ مشترک ہے کہ یہ دونوں اُس کی تفسیر وتشریح ہیں اور ظاہر ہے کہ تفسیر وتشریح اصل کی فرع اور اُس کی تابع ہوتی ہے جبکہ تابع کے مقابلہ میں اصل اور متبوع ہمیشہ رُتبۃً اعظم واکبر ہوتا ہے۔

الغرض کتاب اللہ کی عملی تفسیر ہونا، اُس سے جدانہ ہونا، اُس کا تابع ہونا اُس کے احکام و معارف اور رُموز واسرار کی فہم میں اُمت کا اِن کی طرف محتاج ہونا اور ان کی تعظیم ومحبت کا اولین مقتضائے ایمان ہونا اِن دونوں میں ایسے مشترک اقدار ہیں کہ اِس حوالہ سے اِن میں ذرہ برابر تفریق نہیں کی جاسکتی۔ ایسے میں حدیث مبارک "اِنِّی تَارِكٌ فِیْكُمْ ثَقَلَیْنِ "اور حدیث مبارک "اِنِّی تَارِكٌ فِیْكُمْ اَمْرَیْن "کو ایک دوسرے کے خلاف کہا جاسکتا ہے نہ اِس کے دوسرے حصے "كِتٰبُ اللّٰهِ وَعِتْرَتِیْ "اور "كِتٰبُ اللّٰهِ وَسُنَّتِیْ "کو ایک دوسرے کے منافی کہا جاسکتا ہے بلکہ اول حصے کے دونوں الفاظ ایمان کے اصل الاصول یعنی قرآن شریف کی مختلف تعبیر ہیں۔

اِسی طرح دوسرے حصے کے یہ دونوں الفاظ بھی اولین مقتضائے ایمان کی مختلف شکلیں ہیں۔ نیز قرآن شریف کے بغیر ما بہ الایمان یعنی مؤمَن بہ کا تصور ممکن نہیں ہے جبکہ سنتِ رسول اور عترت رسول علیہ السلام کے بغیر قرآن کی پہچان ممکن نہیں ہے حالاں کہ ایمان کے لیے یہ دونوں ضروری

(1) جامع الصغیر، ج3، ص15۔ (2) جامع الصغیر، ج3، ص15۔

ہیں۔اِسی فلسفہ کے مطابق اللہ کے رسول سیدِ عالم ﷺ نے اپنی حیات ظاہری کے آخری حصہ ''حجۃ الوداع'' کے موقع پر بالخصوص اِن دونوں کو پیشِ نظر رکھنے کی تاکید فرمائی ہے۔جیسا حضرت جابر ابن عبداللہ ؓ کی مندرجہ ذیل روایت سے معلوم ہو رہا ہے؛

''اِنِی تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَااِنْ اَخَذْتُمْ بِہٖ لَنْ تَضِلُّوْا کِتٰبَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ اَھْلِ بَیْتِیْ''(1)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ میں تم میں ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ جب تک اُنکے مطابق زندگی گزارو گے کبھی گمراہ نہیں ہوگے۔

پیغمبری وصیت کے یہ الفاظ جتنے مختصر ہیں اتنے جامع اور اہم ہیں خرابیِ بسیار کے بعد آج بھی اگر اُمت مسلمہ اپنی عملی زندگی کو اِس کے مطابق بنائے تو بالیقین جملہ اقوام عالَم پر انہیں بالادستی میسر آ سکتی ہے گویا حدیث نبوی ﷺ کے یہ الفاظ ضابطہ حیات کی حیثیت رکھتے ہیں جبکہ اُسوۂ حسنہ سید الانام ﷺ کی جملہ قسمیں بشمول حدیث نبوی ﷺ ''مَثَلُ اَھْلِ بَیْتِی کَمَثَلِ سَفِیْنَۃِ نُوحٍ مَنْ رَکِبَھَا نَجا، وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْھَا ھَلَکَ'' اِس کی تشریح و تفسیر ہیں۔

حقائق کی اِس روشنی میں مسلم و بخاری کی پیشِ نظر حدیثوں کو ایک دوسرے سے متضاد کہنا یا سنتِ رسول ﷺ اور عترتِ رسول ﷺ کو ایک دوسرے سے جُدا قرار دینا کج فہمی کے سوا اور کچھ نہیں ہے جو مسلم استعمار کی پیداوار ہے چاہے شیعہ استعمار ہو یا سُنی استعمار حقیقت یہ ہے کہ اُمتِ مسلمہ کے فقہی مسالک کے مابین کوئی اختلاف ایسا نہیں ہے جو لاینحل ہو بشرطیکہ تعصب سے پاک ذہن سے سوچا جائے، حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کی جائے اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے گناہ سے اجتناب کیا جائے لیکن اے کاش بسا آرزو کہ خاک شدہ کیوں کہ دوطرفہ استعمار اِس راہ کی وہ چٹان ہے جسے ہٹانے کی استطاعت ہمارے پاس نہیں ہے۔(فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی)

---

(1) ترمذی شریف، فضائل اھل بیت، ج2، ص219، مطبوعہ مرکز علم وادب کراچی۔

باقی رہا یہ سوال کہ اس حوالہ سے بعض روایات کے مطابق ''قرآن وسنت اور آئمہ اطہار کو ثقیل کہنے کا کیا مطلب ہے؟'' جبکہ ثقیل لفظ خفیف کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے جن کے مفہوم بالترتیب بھاری پن اور ہلکا پن کے ہیں حالانکہ کتاب اللہ کلمات طیبات سے عبارت ہے اور طیب و پاکیزہ کلمات اپنی لطافت کی بناء پر کثافت و بھاری پن اور ثقل سے متضاد ہوتے ہیں جس وجہ سے اُن کی حرکت بھی سفل اور زمین کی طرف نہیں بلکہ اُوپر آسمان کی طرف ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

یعنی طیب و پاک کلمات کی حرکت اُوپر اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے۔

یہی حال سنتِ رسول اور عترتِ رسول کے نفوسِ قدسیہ کا بھی ہے کہ سنتِ رسول ﷺ اعمال صالحہ سے عبارت ہے اور عترتِ رسول ﷺ کی عملی زندگی بھی اعمال صالحہ کے سوا اور کچھ نہیں ہے کیوں کہ اِس سے مراد جمہور اسلاف کے مطابق حضرت فاطمۃ الزہرا کی اولاد میں حسنین کریمین سے لے کر حضرت امام المہدی المنتظر تک وہ تمام ائمہ اطہار ہیں جو بزرگانِ دین کی تصریحات کے مطابق نہ صرف محفوظ عن المعاصی والسیآت ہیں بلکہ ولایت کے اعلیٰ مقام پر بھی فائز ہیں۔ ایسے میں لفظ ثقیل یعنی بھاری کا اطلاق قرآن شریف پر درست ہے نہ سنتِ رسول پر اور نہ عترتِ رسول پر کیوں کہ یہ پاکیزہ کلمات طیبات اور اعمال صالحہ و روحانیت سے عبارت ہونے کی بناء پر حرکت صعودی یعنی اُوپر بارگاہ قدسی کی طرف حرکت کرتے ہیں۔ جبکہ بھاری چیز کی حرکت ہبوطی ہوتی ہے یعنی سفل اور زمین کی طرف ہوتی ہے جن کی بالترتیب مثالیں مندرجہ ذیل آیات قرآنیہ سے واضح ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

اُسی کی طرف چڑھتا ہے پاکیزہ کلام اور جو صالح عمل ہے وہ اُسے بلند کرتا ہے۔

فاطر،10۔ فاطر،10۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَا لَـكُمۡ اِذَا قِيۡلَ لَـكُمُ انْفِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اثَّاقَلۡتُمۡ اِلَى الۡاَرۡضِ ''(1)

اے ایمان والو! تمھیں کیا ہوا جب تم سے کہا جائے کہ خدا کی راہ میں کوچ کرو تم بوجھ کے مارے زمین پر بیٹھ جاتے ہو۔

اِس کا جواب یہ ہے کہ یہ اشتباہ لفظ ''ثقیل'' کو بھاری پن اور بوجھل کے مفہوم میں لینے سے لازم آ رہا ہے جو غلط ہے کیوں کہ اُردو محاورہ کے مطابق اِس کا ترجمہ بوجھل اور بھاری پن ہرگز نہیں بلکہ بھاری کے مفہوم میں ہے جو کبھی مدحت و مذمّت دونوں سے خالی بلکہ صرف بھاری کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''فَلَمَّاۤ اَثۡقَلَتۡ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَـئِنۡ اٰتَيۡتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوۡنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيۡنَ ''(2)

پھر جب وہ بوجھل ہوگئی دونوں نے اپنے رب سے دُعا کی اگر تو نے ہمیں ولد صالح عطا فرمایا تو ہم ضرور تیرے شکرگزار ہو جائیں گے۔

اور کبھی مذمّت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَا لَـكُمۡ اِذَا قِيۡلَ لَـكُمُ انْفِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اثَّاقَلۡتُمۡ اِلَى الۡاَرۡضِ ''(3)

اے ایمان والو! تمھیں کیا ہوا جب تم سے کہا جائے کہ خدا کی راہ میں کوچ کرو تم بوجھ کے مارے زمین پر بیٹھ جاتے ہو۔

اور کبھی مدحت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''فَمَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِيۡنُهٗ فَاُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ''(4)

پھر جن کے (نیکی کے) پلڑے بھاری ہوئے تو وہی کامیاب ہیں۔

---

(1) التوبہ، 38۔ (2) الاعراف، 189۔

(3) التوبہ، 38۔ (4) الاعراف، 8۔

اور کبھی اِس انداز سے استعمال ہوتا ہے کہ مدحت و مذمت دونوں کو شامل ہو سکے اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ''(1)

ہم بھی قصد فرماتے ہیں تمہارے (حساب کے) لیے اے دو بھاری گروہ۔

یہاں پر جمہور مفسرین کرام کے مطابق ''ثقلین'' سے مراد جن وانس ہیں اور انہیں ''ثقیل'' کہنے سے مقصد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ اپنی بے اعتدالیوں کی وجہ سے زمین پر بوجھ ہیں جس کے مطابق اِس کا استعمال یہاں پر اِن کی مذمت کے لیے ہوا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ثواب کے مستحق ہونے کے اعتبار سے اِن کی تعریف کی جا رہی ہو کہ جملہ خلائق میں ثواب کے مستحق تم ہی ہوسکتے ہو کیوں کہ ثواب ہمیشہ اختیاری عبادات پر ہی ملتا ہے جبکہ اختیاری عبادت جن وانس کے نام سے موجود اِن دو صنفوں کے سوا کسی اور میں نہیں پائی جاتی۔

یہی وجہ ہے کہ اِن کے سوا تمام خلائق زمین و آسمان اور پہاڑ و سمندر اور معصوم ملائکہ ہر وقت اور ہر لحظہ راکع و ساجد اور مطیع و عابد ہونے کے باوجود استحقاق ثواب نہیں رکھتے کیوں کہ اُن کی یہ جاری و ساری اور دائم و مستمر عبادت اختیاری نہیں ہے یعنی ایسی نہیں ہے کہ چاہے کریں اور چاہے نہ کریں یعنی نہ کرنیکی طاقت کے باوجود کرنے کو ترجیح دیں اور نہ کرنے سے قصداً و ارادۃً اجتناب کریں جیسا انسانوں کی عبادت میں ہوتا ہے۔ اِس صورت میں پیشِ نظر آیت کریمہ میں جن و اِنس کو ''ثقیل'' کہنے سے مقصد اُنہیں قابل ستائش بتانا ہوسکتا ہے کہ اختیار کے مالک ہونے کی بناء پر افضل مخلوق ہیں اِسی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے اِن کے احکام کو بھی دوسرے خلائق کے احکام سے جدا رکھا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ اللہ کے حبیب سیدِ عالم ﷺ نے منافق اور کافر کو قبر میں ہونیوالے عذاب کے بارے میں فرمایا؛

''يَسْمَعُهَا مَابَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اِلَّا الثَّقَلَيْنِ ''(2)

یعنی جن و اِنس سے اللہ تعالیٰ نے اُسے پوشیدہ رکھا ہوا ہے کہ مشرق سے لے کر مغرب تک تمام

---

(1) الرحمن، 31۔ (2) مشکوٰۃ شریف، باب عذاب القبر، ص 24۔

خلائق اُسے سن سکتے ہیں لیکن یہ دونوں نہیں سن سکتے ہیں۔

الغرض جن وانس کی تحسین کے لیے آیت کریمہ میں انہیں ثقلین کہنے کی ایسی مثال ہے جیسا اُردو محاورہ میں کسی کو بھاری بھرکم شخصیت کہا جاتا ہے۔ قرآن شریف سے اِس کے مواقع استعمال او سورۃ الرحمٰن کی اِس آیت کریمہ میں دو احتمالوں کے علاوہ لسانِ قرآنی کی لغت میں بھی مدحت و مذمت دونوں کے لیے اِس کے مستعمل ہونے کی مثالیں موجود ہیں۔ مفردات القرآن امام الراغب الاصفہانی میں ہے؛

''اَلثِّقَلُ وَالْخِفَةُ مُتَقَابِلَانِ فَكُلّ مَايترجح عَلَى مَايُوْزَنَ بِهِ اَوْيَقْدرِبِهِ يُقَالَ هُوَ ثَقِيلٌ وَاَصْله فِى الْاَجْسَامِ ثُمَّ يُقَالَ فِى الْمَعَانِىْ''

اِس کے بعد لکھا ہے؛

''وَالثَّقِيلُ فِى الْاِنْسَانِ يُسْتَعْمَلُ تَارَةً فِى الذمِ وَهُوَاَكْثَرُفِى التَّعَارُفِ وَتَارَةً فِى الْمَدْحِ''

لسان العرب میں ہے؛

''وَاَصْلُ الثقلِ انّ الْعَرَب تَقُوْلُ لِكُلِّ شَىْءٍ نَفِيْسٍ خَطِيْرٍ مصون ثَقَل فَسَمَّاهُمَا ثَقَلَيْنِ اِعْظَامًالِقَدْرِهِمَاوَتفخيمَالِشَأنهمَا''(1)

اِسکا مفہوم یہ ہے کہ عرب والے ہر نفیس وعظیم اور محفوظ چیز کو ثقیل کہتے ہیں اِس محاورہ کے مطابق حدیث ثقلین میں کتاب اللہ کو اور عترتِ رسول ﷺ کو ثقلین کے نام سے موسوم کیا گیا ہے جس سے مقصد اِن کی قدر ومنزلت کی عظمت بتانا ہے اوران کی شان کی تعظیم کا اظہار کرنا ہے۔

حقائق کی اِس روشنی میں حدیث ''ثَقَلَيْنِ يَعْنِى اِنِّى تَارِكٌ فِيْكُمْ ثَقَلَيْن كِتٰبُ اللّٰهِ وَسُنَّتِىْ'' اور ''كِتٰبُ اللّٰهِ وَعِتْرَتِىْ''، جیسی روایات کے مطابق قرآن شریف اور سنتِ رسول ﷺ کے ساتھ

(1) لسان العرب، ج11، ص88۔

عترت رسول ﷺ کو بھی ثقیل کہنے کا فلسفہ آپ ہی واضح ہو رہا ہے کہ یہاں پر لفظ ''ثقیل'' مدحت و تعظیم کے مفہوم میں مستعمل ہوا ہے، جس کی تعبیر اُردو محاورہ کے مطابق بھاری بھرکم میں کی جاسکتی ہے جو لسانِ قرآنی کے بھی مطابق ہے اور عقل و محاورہ کے بھی اس لیے کہ قرآن شریف کو جملہ ایمانیات کے ثبوت کے لیے اصل الاصول ہونے کی بنا پر ثقیل یعنی بھاری بھرکم کہا گیا ہے جبکہ سنت رسول ﷺ اور عترت رسول ﷺ کو قرآن شریف کی تفسیر و تشریح اور اولین مقتضائے ایمان ہونے کی بنا پر بھاری بھرکم کہا گیا ہے جو ان کی مدحت اور قابل تعظیم ہونے کی سند ہے۔

باقی رہا یہ تصور کہ ہر بھاری چیز کا جھکاؤ اور اُس کی حرکت جانب سفل اور زمین کی طرف ہوتی ہے؟

تو اِس کا جواب یہ ہے کہ یہ اُصول ہر اُس بھاری چیز کے لیے ہے جو کثیف ہو یعنی دنیائے اجسام کے لیے ہے اور روحانیت و لطافت کے لیے نہیں۔ یا کم از کم اُن چیزوں میں جاری و ساری ہو سکتا ہے، جن کی روحانیت پر جسمانیت اور لطافت پر کثافت غالب ہو جیسا دُنیوی اجسام کے وزن میں ہوتا ہے کہ جو بھاری ہوتا ہے اُس کی کشش زمین کی طرف ہوتی ہے جبکہ حدیث شریف ''تَرَكْتُ فِيكُمْ ثَقَلَيْنِ'' کا مسئلہ دُنیائے اجسام سے برعکس ہے کیوں کہ قرآن و سنت کی حقیقت ہی روحانیت ہے جبکہ عترت رسول ﷺ کے آئمہ اطہار ولایت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کی بنا پر اُن کی روحانیت جسمانیت پر غالب اور لطافت بشری کمزوریوں کی کثافت پر بھاری ہے اور روحانیت و لطافت کے اعتبار سے جو جتنا بھاری ہوتا ہے اتنا اُوپر کی طرف متحرک ہوتا ہے۔ جس پر اللہ کا فرمان ''اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ''(1) کافی و شافی دلیل ہے۔

مختصر یہ کہ سوال کرنے والے کو اشتباہ محض اِس وجہ سے ہوا کہ اُس نے لطافت و روحانیت میں بھاری چیزوں کو دُنیائے کثافت و اجسام کی بھاری چیزوں پر قیاس کیا ہے، جو قیاس مع الفارق و غلط ہے۔

حاشیتی افادہ:۔ تبلیغی جماعت رئیونڈ کے ساتھ مربوط علماء و اُمراء کلمہ طیبہ کی فضیلت بیان

(1) فاطر،10۔

کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ قیامت کے دن جب مسلمان کے تمام گناہوں کو اِس کلمہ کے ساتھ موازنہ کیا جائے گا تو یہ اُن پر اتنا بھاری ہوگا کہ زمین سے بھی نہیں اُٹھے گا جبکہ گناہوں کا پلڑا آسمان تک پہنچے گا۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے تحدیث نعمت کے طور پر لکھ رہا ہوں کہ اِس کے خلاف تبلیغ کرتے ہوئے جب میں نے اصل صورتحال واضح کی اور ان حضرات کو بتادیا کہ کلمہ طیبہ کو زمین کے ساتھ چپٹا کر اُس کے مقابلہ میں گناہوں کو آسمان تک پہنچانا حقیقت کے خلاف ہے، کلمہ طیبہ کی عظمت کے منافی ہے اور روحانیت ولطافت کی کشش کو کثیف اجسام کی کشش پر قیاس کرنے کا وسوسہ ہے جو آیت کریمہ "اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ" (1) سے برعکس ہونے کی وجہ سے نا قابل قبول ومردود ہے۔ میں نے اگر چہ تبلیغ کا حق ادا کیا تاہم رائیونڈی تبلیغی جماعت میں موجود اسلام کے ساتھ لگاؤ رکھنے والے اور دینِ اسلام کے نادان دوستوں کی غالب اکثریت سے یہ اُمید نہیں تھی کہ وہ اِس پر عمل بھی کریں گے لیکن معلوم ہوا کہ اُن میں جو اِکا دُکا گزارہ حال اہل علم موجود ہیں وہ میری اِس تبلیغ وتنبیہ پر سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ انجامِ کار اپنی غلطی کا احساس کیا اور میرا شکریہ ادا کرنے کے ساتھ رائیونڈی تبلیغی جماعت کے جمہور کو بھی سمجھا دیا۔ (وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ)

اِسی طرح ایک اور معرکہ میرا تبلیغ جماعت کے مرکزی امیر مفتی زین العابدین کے ساتھ بھی ہوا جس کی روئیداد "الاستفتاء" کے نام سے مطبوعہ اور دستیاب ہے جو کلمہ طیبہ سے مقصد کے حوالہ سے تھا اِس میں بھی وہ فراخ دلی کے ساتھ میری تبلیغ س منفعِل ہوئے۔ میں اِن حضرات کا شکر گزار ہوں کہ علماء کرام کی عمومی روش "ضد پکڑنے" کے بجائے رجوع الی الحق کیا، میرا شکرادا کیا اور سابقہ معکوسی اندازِ تبلیغ کو چھوڑ کر کلمہ طیبہ کی حقیقی شان بیان کرنے لگیں، اِن کی جگہ اگر کوئی ناقص مشائخ اور جعلی پیر ہوتا تو میرے ساتھ خدا جانے عداوت کے کون کون سے طوفان کھڑے کردیتا۔ اہل علم جانتے ہیں کہ ایک اسلامی مبلّغ

---

(1) فاطر،10۔

اور عالم دین کے لیے اِس سے زیادہ خوشی اور کیا ہوسکتی ہے کہ اُس کی تبلیغی اور علمی کاوش رنگ لائے اور لوگ اُس سے مستفیض ہوکر اصلاحِ احوال کریں۔ (وَالْحَمْدُلِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِکَ اَوَّلاً وَّآخِرًا، ظَاهِرًا وَّبَاطِنًا) حقائق کی اِس روشنی میں قرآن وسنت اور عترتِ الرسول علیہ السلام کے آئمہ اطہار کو ثقلین کہنے میں ذرہ برابر تردّد کی گنجائش نہیں رہتی۔

تیسرے اور چوتھے مسئلہ کا جواب:۔ چہاردہ معصوم کون ہیں اور اُنہیں معصوم کہنے کو قرآن وسنت سے خلاف کہہ کر منع کرنے والوں کی کیا حیثیت ہے؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ لسانِ قرآنی کے مطابق معصوم بمعنی محفوظ عن الذنوب والسیآت ہے۔ مفردات الراغب الاصفہانی میں ہے؛

"**العصم الامساک**" یعنی "عصم" روکنے کو کہتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ نفس امارہ کی بے اعتدالیوں سے خود کو بچانے والے کاملین محفوظ عنِ الذنوب والسیآت ہی کہلاتے ہیں اور ولایت کا معیار بھی یہی کچھ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اسماء، افعال اور اُس کے احکام کو تسلیم کرنے کے بعد ان کی معرفت حاصل کرے اور نفس امارہ کی بے اعتدالیوں سے بچ کر صراطِ مستقیم پر استقامت کی زندگی اختیار کرے۔ شرح عقائد میں اولیاء اللہ کا تعارف کرتے ہوئے لکھا ہے؛

"**اَلْوَلِيُّ هُوَالْعَارِفُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى وَصِفَاتِهٖ حَسْبَ مَايُمْكِنُ الْمُوَاظِبُ عَلَى الطَّاعَاتِ الْمُجْتَنِبُ عَنِ الْمَعَاصِي الْمُعْرِضُ عَنِ الْاِنْهِمَاكِ فِي اللَّذَّاتِ وَالشَّهْوَاتِ**"

جس کا حاصل مفہوم اِس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب پانے، اُس کی محبت ورضا کا استحقاق پانے اور اُس کے دوست کہلانے والے اِن حضرات کا محفوظ عن الذنوب والسیآت ہونا ضروری ہے اور گناہوں سے محفوظ شخص کا دوسرا نام لسانِ قرآنی کے محاورہ میں معصوم ہی

ہے۔حدیث شریف میں آیا ہے؛

"اَلْمَعْصُوْمُ مَنْ عَصَمَهُ اللّٰه"(1)

یعنی گناہوں سے محفوظ وہی ہو سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ بچائے۔

اِس حدیث کے مطابق معصوم ومذنب خاص ضدین ہیں اور اہل علم جانتے ہیں کہ جن دو چیزوں کے مابین خاص تضاد کی نسبت ہو اُن کا اجتماع بھی ناممکن ہوتا ہے ارتفاع بھی۔مثال کے طور پر دن رات آپس میں خاص ضدین ہیں کیوں کہ ان کے مابین کسی اور قسم کا واسطہ نہیں ہے جس وجہ سے زمانہ کا اِن سے خالی ہونا ممکن نہیں ہے اور ان کا جمع ہونا بھی ممکن نہیں ہے۔اِسی طرح عمل صالح اور عمل طالح بھی خاص ضدین ہیں کہ اِن کے مابین کسی اور شکل کا واسطہ نہیں ہے،اِسی طرح کفر اور اسلام بھی خاص ضدین ہیں کہ اِن کے مابین کسی اور چیز کا واسطہ نہیں ہے جس وجہ سے ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک وقت میں ایک ہی عمل،ایک ہی جہت سے صالح بھی ہو،طالح بھی ہو یا یہ کہ اِن دونوں سے خالی ہو۔

اِسی طرح ایک وقت میں ایک شخص مسلم بھی ہو اور غیر مسلم بھی ہو یا دونوں سے خالی ہو بلکہ خاص ضدین کی اِس قسم کی تمام صورتوں میں ایک کا ہونا ضروری ہوتا ہے جو دوسرے کے نہ ہونے پر آپ ہی دلیل ہے۔خاص ضدین میں سے ایک کا وجود آپ ہی دوسرے کی نفی پر دلیل ہونا ایسا ہی ہے جیسا نقیضین میں سے ایک کا صدق آپ ہی دوسرے کے کذب پر دلیل ہوتا ہے جس کے بعد اُس کے کذب اور منفی ہونے پر کوئی اور دلیل تلاش کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔

بخاری شریف کی یہ حدیث اِس بات پر نص اور خاص دلیل ہے کہ جن کاملین کو اللہ تعالیٰ گناہوں سے بچاتا ہے وہ مُذنب اور گناہ گار نہیں ہو سکتے ورنہ اجتماع ضدین ہوگا جو محال ہے۔نیز اِس بات پر بھی دلالت کر رہی ہے کہ جن مقدس ہستیوں کو اللہ تعالیٰ گناہوں سے بچاتا ہے اُنہیں لُغوی مفہوم میں معصوم کہنے سے کترانے والے حضرات انجانے میں اُنہیں مذنب وگنہگار کہہ رہے ہیں جو اُنہیں

(1) السنن الكبرى، ج10،ص 111،مطبوعه دار المعرفة بيروت۔

سب و دشنام دینے کے مترادف ہے اور مقبولانِ بارگاہ ایزدی کی توہین ہونے کے ساتھ فرمان نبوی ﷺ "اَلْمَعْصُوْمُ مَنْ عَصَمَهُ اللّٰه" (1) کے بھی منافی ہے۔

ایک اشتباہ کا ازالہ:۔

یہاں پر شاید کسی قاری کے ذہن میں یہ سوال اُٹھے کہ لفظ "معصوم" کے اطلاق میں وسعت کی یہ گنجائش اُس کے صرف ایک معنیٰ "لغوی مفہوم" پر مبنی ہے جبکہ اسلاف کے ذخیرہ کتب میں اس کا ایک معنیٰ یہ بھی لکھا ہوا پایا جاتا ہے کہ عصمت اُس ملکہ یعنی قوت راسخہ سے عبارت ہے جو انسان کو گناہوں سے منع کرے۔ نبراس علیٰ شرح العقائد میں ہے؛

"وَاعْلَمْ اَن تَحْقِيق مَاهِيَةِ الْعِصْمَةِ مِنَ الْمُزَالِقِ وَمُلخصُهُ اِنَّهُمْ ذَكَرُوْالِلْعِصْمَةِ تَعْرِيْفَيْنَ اَحدهُمَا عَدَمُ خَلقِ اللّٰهِ الذَّنْبَ فِي الْعَبْدِ فَعَلٰى هٰذَا يَكُوْنُ الْمَعْصُوْمُ مَنْ لَّا يُخْلَقُ فِيْهِ ذَنْب وَغَيْرُالْمَعْصُوْمِ من خُلِقَ فِيْهِ الذَّنْبُ فَيَكُوْنُ مَسَاوِيًالِلْمُذْنِبِ بِالضُّرُوْرَةِ وَثَانِيْهُمَاملكة نَفْسَانِيَّة تَمْنَعُ عَنِ الْمَعَاصِی" (2)

اِس کا مفہوم یہ ہے کہ سمجھنا چاہئے کہ لفظ "عصمت" کی ماہیت کی تحقیق اُن مسائل میں سے ہے جن میں قدم پھسلتے ہیں اِس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلاف نے عصمت کی دو تعریفیں بیان کی ہیں؛

پہلی:۔ اللہ تعالیٰ کا بندے میں گناہ پیدا نہ کرنا اِس تعریف کے مطابق معصوم وہی ہوگا جس میں گناہ کی تخلیق نہ ہو اور غیر معصوم وہی ہوگا جس میں گناہ کی تخلیق ہو (گنہگار) اِس صورت میں غیر معصوم اور گنہگار کا مساوی ہونا بدیہیات میں سے ہے۔

دوسری:۔ وہ نفسانی ملکہ یعنی ایسی قوت راسخہ ہے جو گناہوں سے منع کرے۔

---

(1) السنن الکبریٰ، ج10، ص111، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت۔

(2) النبراس علی شرح العقائد، ص532۔

ایسے میں لفظ معصوم کو دوسرے مفہوم پر محمول کر کے اس کے دائرہ استعمال کو محدود کیوں نہ کیا جائے؟
اِس کا جواب یہ ہے کہ دوسرا مفہوم اگرچہ فی الجملہ درست ہے تاہم پہلے کے مقابلہ میں چند وجوہ سے مرجوح ہے؛

پہلی وجہ:۔ پہلا اُس کا لُغوی مفہوم ہے۔ جس کو بلا کم وکاست شریعت نے بھی استعمال کیا ہے جیسا حدیث شریف کی مذکورہ روایت ''اَلْمَعْصُوْمُ مَنْ عَصَمَهُ اللّٰه''(2) کے عموم سے واضح ہے جبکہ دوسرا مفہوم لُغوی ہے نہ شرعی بلکہ تاویل ہے۔

اہل علم جانتے ہیں کہ کسی لفظ کے واضح لُغوی مفہوم میں تاویل کرنے کو معقول بھی نہیں کہا جاسکتا چہ جائیکہ راجح ہو سکے۔

دوسری وجہ:۔ دوسرے مفہوم کے اصل قائل ہی معلوم نہیں ہے کہ سب سے پہلے یہ تاویل کس نے کی ہے کتابوں میں صرف اتنا لکھا ہوا ملتا ہے کہ یہ حکماء کا قول ہے جیسا النبراس علی شرح العقائد میں محولہ بالا کے مطابق لکھا ہے؛

''وَاَصلُ هٰذَا مَنْقُوْل عَنِ الْحُکَمَآءِ''

اہل علم جانتے ہیں کہ اسلاف کی عبارات میں لفظ ''حُکَمَآء'' فلاسفہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور فلاسفہ جمع ہے فیلسوف اور فلسفی کی جو علمی مشغلہ کرنے والے کو کہا جاتا ہے اور یہ بھی اہل علم سے مخفی نہیں ہے کہ فلسفہ کی چار قسمیں ہیں ''منطق، ریاضی، طبعیات، الٰہیات'' جن میں سے اول الذکر مختصر اور محدود ہے جبکہ باقی تینوں لامحدود ہیں۔ جبکہ یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ عصمت کی دوسری تعریف فلسفہ کی کس قسم کی طرف سے آئی ہے اور اِس کے قائل کون سے فلاسفر ہیں جبکہ الٰہیات اور خاص کر علم کلام سے بحث کرنے والے حضرات نے اِس کو قال الحکماء، ومن الحکماء اور عند الحکماء جیسے مختلف الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے اور ظاہر ہے کہ مجہول القائل قول کے مقابلہ میں واضح لُغوی مفہوم کو ترجیح ہوتی ہے۔

---

(1) السنن الکبری، ج10، ص111، مطبوعه دارالمعرفة بیروت۔

تیسری وجہ:۔ ہمارے اہل سنت اکابرین قدماء سے اور خاص کر اشاعرہ سے اول تعریف
منقول ہے جس کے بعد متاخرین نے حکماء کے حوالہ سے دوسری تعریف کو بھی مختلف انداز میں ذ
کیا ہے اور بعض نے دوسری تعریف کو صرف ذکر کرنے پر ہی اکتفا کیا ہے جبکہ بعض نے اسے قابل
عمل بھی سمجھا ہے یہاں تک کہ امام سعد الدین تفتازانی نے شرح عقائد میں پہلی تعریف کو لیا
جبکہ اپنی دوسری تصنیف ''شرح مقاصد'' میں دوسری تعریف کو لیا ہے۔

الغرض لفظ ''معصوم'' کا پہلا مفہوم لغوی اور شریعت کی زبان سے تائید یافتہ اور ہر دور
کے اہل علم کو قابل تسلیم ہونے کی بنا پر دوسرے سے راجح قرار پاتا ہے۔ مقام تعجب ہے کہ چھوٹے
سے لے کر قابل رحم جانوروں جیسے بے گناہ خلائق کو معصوم کہہ کر پکارنے کو ہر قوم، ہر مذہب میں
مسلمانوں کے تمام فرقوں میں جائز سمجھا جاتا ہے۔ جبکہ بزرگانِ دین پر اِس کے اطلاق کو قرآن و
کے خلاف کہہ کر اشتباہ پیدا کیا جاتا ہے جس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ لفظ ''معصوم'' کا اطلاق اس کے لغوی مفہوم کے اعتبار سے ہر اُس ہستی پر جائز
انسانی بے اعتدالیوں سے دور اور گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں اور اِس کے مصداق ذوات قدسیہ
ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم سے لے کر جملہ اولیاء کاملین ہوسکتے ہیں ایسے میں ہم سمجھتے ہیں کہ اِ
الانبیاء اہل بیت اطہار کے مقدس اماموں کے ساتھ مختص کہہ کر دوسرے کاملین سے نفی کرنے کا کوئی
ہے نہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی صفت خاصہ کہہ کر اہل بیت نبوت کے آئمہ کاملین
کرنے کا، کیوں کہ یہ دونوں متضاد روِش حدیث نبوی ﷺ ''اَلْمَعْصُوْمُ مَنْ عَصَمَهُ اللّٰهُ'' (1)
عموم کے منافی ہیں جس کے پس منظر میں مذہبی استعمار کار فرما ہے جہاں سُنی استعمار اِسے انبیاء وم
کی صفت خاصہ کہہ کر دوسرے کاملین کو انجانے میں گنہگار قرار دے رہا ہے وہاں شیعہ استعمار بھی
آئمہ اہل بیت کے ساتھ خاص کہہ کر انجانے میں دوسرے کاملین کو مذنب و گناہ گار قرار دے رہا

(1) السنن الکبری، ج10، ص111، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت۔

نہ صرف حدیث نبوی سے سراسر خلاف ہے بلکہ انصاف سے بھی بعید ہے۔ہم کر ہی کیا سکتے ہیں جبکہ مذہبی اقدار کو اپنی خواہشات کا تابع بنا کر ہر فریق نے استعمار کے زیرِ اثر کر دیا ہے۔(وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْم)

باقی رہا یہ تصور کہ چودہ معصومین کے مظہر و مصداق کون حضرات ہیں؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں کے تمام قابل ذکر مذاہب کے مطابق اِس سلسلہ کی اولین اور معصوم علی الاطلاق ذات اقدس نبی اکرم سید عالم ﷺ کی ہے،ازاں بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات ہے اُس کے بعد حضرت خاتونِ جنت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ذاتِ پاک ہے۔بعدازاں بالترتیب ان کے دونوں شہزادے حضرت حسن مجتبیٰ اور ابو عبداللہ الحسین ہیں،اُن کے بعد حضرت امام حسین کے شہزادے زین العابدین علی ابن الحسین ہیں،اُن کے بعد اُن کے شہزادے امام محمد باقر ہیں،اُن کے بعد اُن کے شہزادے امام جعفر صادق ہیں،اُن کے بعد ان کے شہزادے امام موسیٰ ابن جعفر ہیں،اُن کے بعد اُن کے شہزادے امام رضا علی ابن موسیٰ ہیں،اُن کے بعد امام محمد ابن علی الجواد ہیں،اُن کے بعد اُن کے شہزادے امام حسن عسکری ہیں،اُن کے بعد حضرت الامام المہدی المنتظر ہیں۔جو اہل سنت کے مطابق ابھی پیدا نہیں ہوئے بلکہ قربِ قیامت میں پیدا ہوں گے اور پوری دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے،تمام روئے زمین پر نظام مصطفیٰ ﷺ کے مطابق قرآن شریف کی حکومت قائم کریں گے۔ جبکہ شیعہ عقیدہ کے مطابق وہ اپنے والد گرامی (حسن عسکری) کی زندگی میں ہی پیدا ہو کر سات سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی حکمت کے تحت غائب ہوئے ہیں۔اہل سنت اور اہل تشیع کے مابین ان کے حوالہ سے جو اختلاف ہو سکتا ہے وہ صرف اِس حد تک ہے کہ آیا وہ پہلے سے پیدا ہو کر غائب ہوئے ہیں یا آئندہ قربِ قیامت میں پیدا ہوں گے،اِس کے سوا کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہے۔

باقی رہا یہ سوال کہ بارگاہ ایزدی کے مقربین وکاملین اِن چہاردہ مقدسین ومطہرین کی عظمت شان اور عصمت جان کو صلوٰۃ وسلام سے یاد کرنے کے حوالہ سے اہل سنت اکابرین کی کیا رائے ہے؟

اِس کے جواب کے لیے مختلف طبقاتِ اہل سنت اکابرین کی طویل فہرست نقل کرنے کے بجائے
مناسب سمجھتا ہوں کہ چاروں مذاہب اہل سنت اور چاروں سلاسل طریقت کے نزدیک ایک مسلمہ ہستی
کی اُس کتاب کو ہی من وعن یہاں پر درج کروں جو اُنہوں نے اِسی موضوع سے متعلق لکھی ہے وہ ہیں
حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نَوَّرَاللّٰهُ مَرْقَدَهُ الشَّرِيْف جس کے کمال عرفان اور بے مثال کشف وتحقیق
پر تمام مذاہب کے اہل علم کو اعتراف ہے خاص کر طریقت کے چاروں سلاسل کے اولیاء کاملین کا اجماع
ہے۔

مناقب کے نام سے لکھی گئی اِس کتاب میں حضرت شیخ اکبر نَوَّرَاللّٰهُ مَرْقَدَهُ الشَّرِيْف نے حمد بار
تعالیٰ کی بجا آوری کرنے کے بعد سید الانبیاء والمرسلین ﷺ سے لے کر حضرت امام المہدی المنتظر تک
صرف اُن ہی حضرات کے مناقب کا بیان کیا ہے جن کو بزرگانِ دین چہاردہ معصومین کے نام سے
کرتے ہیں۔ مناقب نام سے اِس خزانۃ الحقائق کا حجم جتنا چھوٹا ہے اِس کے معارف کا سمندر اتنا و
ہے کہ اگر اُس کی شرح بالتفصیل لکھی جائے ہزاروں جلدوں میں ہو۔ لیکن ہم یہاں پر تقاضائے وقت
کے مطابق اصل کتاب کو بلا کم وکاست قارئین کی نذر کررہے ہیں کیوں کہ ہم سمجھتے ہیں کہ اس کی تشر
کا حق ادا کرنا ہمارے لیے ممکن نہیں ہے چہ جائیکہ اُس کے ترجمہ کا حق ادا کرنا ممکن ہو یعنی یہاں پر مش
اُصول ''مالا یدرک کلمه لایترک کلمه'' پر عمل ممکن نہیں ہے بلکہ دوسرا اُصول ''مالا یدر ک
راشا یترک راء سا'' پر عمل متعین ہے۔ آج سے تقریباً 6 سال قبل جب ہم اِس کتاب کے معار
پر غور کررہے تھے اور حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی دوسری کتابوں کی مدد سے اِسکے مندرجا
تک پہنچنے کی کوشش کررہے تھے اُن دِنوں میں میرے ایک قابلِ فخر شاگرد مولانا پیر سید محمد فا
القادری مدظلہ نے مجھے اِس کا ترجمہ کرنے کی فرمائش کی، جواب میں ہم نے کہا کہ اِس کے ترجمہ ک
ادا کرنا ہمارے لیے ممکن نہیں ہے اگر امام احمد رضا ہوتے شاید وہی اِس کا حق ادا کرتے کیوں کہ کس
بامعنی کتاب کا معیاری ترجمہ وجود میں لانا اُس کی شرح لکھنے سے زیادہ مشکل ہے۔

اصل کتاب

''اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ حَمْدًا اَزَلِیًّا بِاَبَدِیَّتِہٖ وَاَبَدِیًّا بِاَزَلِیَّتِہٖ سَرْمَدًا بِاِطْلَاقِہٖ مُتَجَلِّیًا مَرَایَا آفَاقِہٖ حَمْدَ الْحَامِدِیْنَ دَھْرَ الدَّاھِرِیْنَ''

''صَلَوٰتُ اللّٰہِ وَمَلٰئِکَتِہٖ وَحَمَلَۃِ عَرْشِہٖ وَجَمِیْعِ خَلْقِہٖ مِنْ اَرْضِہٖ وَسَمَآئِہٖ عَلٰی سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا اَصْلِ الْوُجُوْدِ وَعَیْنِ الشَّاھِدِ وَالْمَشْھُوْدِ اَوَّلِ الْاَوَائِلِ وَ اَدَلِّ الدَّلَائِلِ وَمَبْدَءِ الْاَنْوَارِ الْاَزَلِیِّ وَمُنْتَھَی الْعُرُوْجِ الْکَمَالِیِّ غَایَۃِ الْغَایَاتِ الْمُتَعَیِّنِ بِالنَّشَآتِ اَبِ الْاَکْوَانِ بِفَاعِلِیَّۃٍ وَاُمِّ الْاِمْکَانِ بِقَابِلِیَّۃٍ، اَلْمَثَلِ الْاَعْلٰی الْاِلٰھِی، ھَیُوْلٰی الْعَوَالِمِ الْغَیْرِ الْمُتَنَاھِی، رُوْحِ الْاَرْوَاحِ وَنُوْرِ الْاَشْبَاحِ فَالِقِ اِصْبَاحِ الْغَیْبِ، دَافِعِ ظُلْمَۃِ الرَّیْبِ، مَحْتِدِ التِّسْعَۃِ وَالتِّسْعِیْنَ، رَحْمَۃٍ لِلْعٰلَمِیْنَ، سَیِّدِنَا فِی الْوُجُوْدِ، صَاحِبِ لِوَآءِ الْحَمْدِ وَالْمَقَامِ الْمَحْمُوْدِ، الْمُبَرْقَعِ بِالْعِمَآءِ، حَبِیْبِ اللّٰہِ مُحَمَّدِ الْمُصْطَفٰی صلی اللہ علیہ وسلم''

''وَعَلٰی سِرِّ الْاَسْرَارِ وَمَشْرِقِ الْاَنْوَارِ الْمُھَنْدِسِ فِی الْغُیُوْبِ اللَّاھُوْتِیَّۃِ السَّیَّاحِ فِی الْفَیَافِی الْجَبَرُوْتِیَّۃِ الْمُصَوِّرِ لِلْھَیُوْلٰی الْمَلَکُوْتِیَّۃِ الْوَالِی لِلْوِلَایَۃِ النَّاسُوْتِیَّۃِ اُنْمُوْذَجِ الْوَاقِعِ وَشَخْصِ الْاِطْلَاقِ الْمُنْطَبِعِ فِی مَرَایَا الْاَنْفُسِ وَالْآفَاقِ سِرِّ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ سَیِّدِ الْاَوْصِیَاءِ وَالصِّدِّیْقِیْنَ صُوْرَۃِ الْاَمَانَۃِ الْاِلٰھِیَّۃِ مَادَّۃِ الْعُلُوْمِ الْغَیْرِ الْمُتَنَاھِیَۃِ الظَّاھِرِ بِالْبُرْھَانِ الْبَاطِنِ بِالْقَدْرِ وَالشَّانِ بَسْمَلَۃِ کُتُبِ الْمَوْجُوْدِ فَاتِحَۃِ مُصْحَفِ الْوُجُوْدِ حَقِیْقَۃِ النُّقْطَۃِ الْبَآئِیَّۃِ (الْمُتَحَقِّقِ) بِالْمَرَاتِبِ الْاِنْسَانِیَّۃِ حَیْدَرِ آجَامِ الْاِبْدَاعِ الْکَرَّارِ فِی مَعَارِکِ الْاِخْتِرَاعِ السِّرِّ الْجَلِیِّ وَالنَّجْمِ الثَّاقِبِ عَلِیِّ بْنِ اَبِی طَالِبٍ (عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ)''

''وَعَلَی الْجَوْھَرَۃِ الْقُدْسِیَّۃِ فِی تَعَیُّنِ الْاِنْسِیَّۃِ صُوْرَۃِ النَّفْسِ الْکُلِّیَّۃِ جَوَادِ الْعَالَمِ

الْعَقْلِيَّةِ بِضْعَةِ الْحَقِيقَةِ النَّبَوِيَّةِ مَطْلَعِ الانْوَارِ الْعَلَوِيَّةِ عينِ عُيُوْنِ الْاَسْرَا
الْفَاطِمِيَّةِ النَّاجِيَةِ الْمُنْجِيَّةِ لِمُحبِّيهَا عَنِ النَّارِ ثَمرَةِ شَجرَةِ الْيَقِيْنِ سَيِّدَةِ نِسَ
الْعَالَمِيْنَ الْمَعْرُوْفَةِ بِالْقَدْرِ الْمَجْهُوْلَةِ بِالْقَبرِ قُرَّةِ عَيْنِ الرَّسُوْلِ الزَّهْرَآءِ الْبَتُو
عَلَيْهَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ"

"وَعَلَى الثَّانِى مِنْ شُرُوْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَيْحَانَةِ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ رَابِ
الْخَمْسَةِ الْعَبَآئِيَّةِ عَارِفِ الْاَسْرَارِ الْعِمَآئِيَّةِ مَوْضِعِ سِرِّ الرَّسُوْلِ حَاوِى كُلِّيَا
الْاُصُوْلِ حَافِظِ الدِّيْنِ وَعَيْبَةِ الْعِلْمِ وَمَعْدَنِ الْفَضَآئِلِ وَبَابِ السِّلْمِ وَكَهْفِ
الْمَعَارِفِ وَعَيْنِ الشُّهُوْدِ رُوْحِ الْمَرَاتِبِ وَقَلْبِ الْوُجُوْدِ فِهْرِسِ الْعُلُوْمِ اللَّدُنِّ
لُؤْلُؤِ صَدَفِ اَنْتَ مِنِّى، النُّورِ اللَّامِعِ مِنْ شَجَرَةِ الْاَيْمَنِ جَامِعِ الْكَمَالَيْنِ اَبِ
مُحَمَّدِ الْحَسَنِ (عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ)"

"وَعَلَى الْمُتَوَحِّدِ بِالْهِمَّةِ الْعُلْيَا الْمُتَوَسِّدِ بِالشُّهُوْدِ وَالرِّضَا مَرْكَزِ عَالَمِ الْوُجُو
سِرِّ الْوَاجِدِ الْمَوْجُوْدِ شَخْصِ الْعِرْفَانِ عَيْنِ الْعِيَانِ نُوْرِ اللّٰهِ وَسِرِّهِ الْاَ
الْمُتَحَقِّقِ بِالْكَمَالِ الْاَعْظَمِ نُقْطَةِ دَآئِرَةِ الْاَزَلِ وَالْاَبَدِ الْمُتَشَخِّصِ بِاَلِفِ الاَحَ
فَاتِحَةِ كِتَابِ الشَّهَادَةِ وَالِى وِلَايَةِ السِّيَادَةِ الْاَحَدِيَّةِ الْجَمْعِ الْوُجُوْدِى الْحَقِ
الْكُلِّيَّةِ الشُّهُوْدِى كَهْفِ الْاِمَامَةِ صَاحِبِ الْعَلَامَةِ كَفِيْلِ الدِّيْنِ الْوَارِ
لِخُصُوْصِيَّاتِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ الْخَارِجِ عَنْ مُحِيْطِ الْاَيْنِ وَالْوُجُوْدِ اِنْسَانِ الْعَ
لُغَزِ الْاِنْشَآءِ مَضْمُوْنِ الْاِبْدَاعِ مُذَوِّقِ الْاَذْوَاقِ وَمُشَوِّقِ الْاَشْوَاقِ مَطْلَ
الْمُحِبِّيْنَ وَمَقْصَدِ الْعُشَّاقِ الْمُقَدَّسِ عَنْ كُلِّ الشَّيْنِ اَبِى عَبْدِاللّٰهِ الْحُسَ
صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ"

"وَعَلَى آدَمِ اَهْلِ الْبَيْتِ الْمُنَزَّهِ عَنْ كَيْتَ وَمَا كَيْتَ رُوْحِ جَسَدِ الْاِمَا

شَمسِ الشَّهَامَةِ مَضمُونِ كِتَابِ الابْدَاعِ حَلِّ تَعمِيَةِ الاِختَرَاعِ سِرِّ اللّٰهِ فِى الوُجُودِ اَنسَانِ عَينِ الشُّهُودِ خَازِنِ كُنُوزِ الغَيبِ مَطلَعِ نُورِ الاِيمَانِ كَاشِفِ مَستُورِ العِرفَانِ الحُجَّةِ القَاطِعَةِ وَالدُّرَّةِ اللَّامِعَةِ ثَمرَةِ شَجَرَةِ طُوبىٰ القُدسِيَّةِ اَزَلِ الغَيبِ وَاَبَدِ الشَّهَادَةِ السِّرِّ الكُلِّ فِى سِرِّ العِبَادَةِ وَتَدِ الاَوتَادِ وَزَينِ العِبَادِ اِمَامِ العَالَمِينَ وَمَجمَعِ البَحرَينِ زَينِ العَابِدِينَ عَلِيّ بنِ الحُسَينِ عَلَيهِ السَّلَامُ''

''وَعَلٰى بَاقِرِ العُلُومِ شَخصِ العِلمِ وَالمَعلُومِ نَاطِقَةِ الوُجُودِ ضَرغَامِ اٰجَامِ المَعَارِفِ المُنكَشِفِ لِكُلِّ كَاشِفِ الحَيوٰةِ السَّارِيَةِ فِى المَجَارِى، النُّورِ المُنبَسِطِ عَلَى الدَّرَارِى، حَافِظِ مَعَارِجِ اليَقِينِ، وَارِثِ عُلُومِ المُرسَلِينَ، حَقِيقَةِ الحَقَائِقِ الظُّهُورِيَّةِ، دَقِيقَةِ الدَّقَائِقِ النُّورِيَّةِ، اَلفُلكِ الجَارِيَةِ فِى اللُّجَجِ الغَامِرَةِ، المُحِيطِ عِلمُهُ بِالزُّبُرِ الغَابِرَةِ، النَّبَاءِ العَظِيمِ وَالصِّرَاطِ المُستَقِيمِ، اَلمُستَنَدِ لِكُلِّ وَلِيّ مُحَمَّد بنِ عَلِيّ عَلَيهِ السَّلَام''

''وَعَلٰى اُستَادِ العَالَمِ وسَنَدِ الوُجُودِ مُرتَقِى المَعَارِجِ وَمُنتَهَى الصُّعُودِ، البَحرِ المَوَّاجِ الاَزَلِىِّ وَالسِّرَاجِ الوَهَّاجِ الاَبَدِى، نَاقِدِ خَزَآئِنِ المَعَارِفِ وَالعُلُومِ مُحتَدِ العُقُولِ وَنِهَايَةِ الفُهُومِ، عَالِمِ الاَسمَآءِ دَلِيلِ طُرُقِ السَّمَآءِ، الكَونِ الجَامِعِ الحَقِيقِى وَالعُروَةِ الوُثقَى الوَثِيقِى بَرزَخِ البَرَازِخِ وَجَامِعِ الاَضدَادِ نُورِ اللّٰهِ بِالهِدَايَةِ وَالاِرشَادِ، المُستَمِعِ القُرآنِ مِن قَآئِلِهِ الكَاشِفِ لِاَسرَارِهِ وَ مَسَآئِلِهِ، مَطلَعِ شَمسِ الاَبَدِ جَعفَرِ بنِ مُحَمَّدٍ عَلَيهِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ المَلِكِ الاَحَدِ''

''وَعَلٰى شَجَرَةِ الطُّورِ وَالكِتٰبِ المَسطُورِ وَالبَيتِ المَعمُورِ وَالسِّرِّ المَستُورِ وَآيَةِ النُّورِ، كَلِيمِ اَيمَنِ الاِمَامَةِ مَنشَآءِ الشَّرَفِ وَالكَرَامَةِ، نُورِ مِصبَاحِ الاَروَاحِ، جَلَآءِ زُجَاجَةِ الاَشبَاحِ، مَآءِ التَّخمِيرِ الاَربَعِينَ غَايَةِ مِعرَاجِ اليَقِينِ،

اِکْسِیرِ فِلِزَّاتِ الْعُرَفَآءِ، مِعْیَارِ نُقُودِ الاَصْفِیَآءِ، مَرْکِزِ الْاَئِمَّةِ العَلَوِیَّةِ، مَحْوَرِ
الْفَلَکِ الْمُصْطَفَوِیَّةِ، اَلآمِرِ لِلصُّوَرِ وَالْاَشْکَالِ بِقَبُوْلِ الاِصْطِبَارِ وَالْاِنْتِقَالِ
النُّوْرِ الْاَنْوَرِ موسَی بِنْ جَعْفَرٍ عَلَیْهِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ الْعَلِیِّ الْاَکْبَر"

"وَعَلٰی سِرِّالْاِلٰهِی وَالرَّآئِی لِلْحَقَآئِقِ کَمَا هِیَ،اَلنُّوْرِ اللَّاهُوْتِی وَالْاِنْسَانِ
الْجَبَرُوْتِی وَالْاَصْلِ الْمَلَکُوْتِی وَالعَالَمِ النَّاسُوْتِی مِصْدَاقِ الْعِلْمِ الْمُطْلَقِ
وَالشَّاهِدِ الْغَیْبِی الْمُحَقِّقِ، رُوْحِ الاَرْوَاحِ،حَیٰوةِ الاَشْبَاحِ، هِنْدِسَةِ المَوجُودِ
التَّیَّارِ فِی نَشْأَتِ الْوُجُوْدِ کَهْفِ النُّفُوْسِ الْقُدْسِیَّةِ، غَوْثِ الاَقْطَابِ الاِنْسِیَّةِ
الْحُجَّةِ الْقَاطِعةِ الرَّبَّانِیةِ، مُحَقِّقِ الْحَقَائِقِ الامکانیةِ، اَزَلِ الاَبَدِیَّاتِ وَاَبَدِ
الاَزَلِیَّاتِ اَلْکَنْزِ الغَیْبِی وَالْکِتَابِ اللَّارَیْبِی، قُرْآنِ الْمُجْمَلاتِ الاَحَدِیَةِ، فُرْقَانِ
الْمُفَصَّلاتِ الواحِدیّةِ، اُمِّ الْوَرٰی بَدْرِ الدُّجٰی عَلِیِّ بن مُوسَی الرضا عَلَیه وَعَلٰی
آبائِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ"

"وَعَلٰی بَابِ اللّٰهِ الْمَفْتُوحِ وَکِتَابِهِ الْمَشْرُوحِ مَاهِیَّةِ الماهِیَّاتِ مُطْلَقِ
الْمُقَیَّدَاتِ سِرِّالسِّرِّیَاتِ الْمَوْجُوْدِ فِی ظِلِّ اللّٰهِ الْمَمْدُودِ، الْمُنْطَبِعِ فِی مِرْآتِ
الْعِرْفَانِ،الْمُنْقَطِعِ مِنْ نَیْلِهِ حِبْلِ الوُجْدَانِ، غَوّاصِ بَحْرِ القِدَمِ، مَهْبِطِ الفَضْلِ
وَالْکَرَمِ،حَامِلِ سِرِّالرَّسُوْلِ، مُهَنْدِسِ الاَرْوَاحِ وَالْعُقُوْلِ، اَدِیْبِ مَعْلَمَةِ الاَسْمَآءِ
وَالشُّئُوْنِ،قَهْرَمَانِ الْکَافِ وَالنُّوْنِ غَایَةِ الظُّهُوْرِوَالاِیْجَادِ مُحَمَّدِ بنِ عَلِیٍّ
الجَوَادِعَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ"

"وَعَلٰی الدَّاعیَ اِلَی الْحَقِّ اَمِیْنِ اللّٰهِ عَلَی الخَلْقِ، لِسانِ الصِّدْقِ، بَابِ السَّلْ
اَصْلِ الْمَعَارِفِ وَعَیْنِ مَنْبَتِ العِلْمِ، مُنْجِی اَرْبَابِ المُعَادَاتِ مُنْقِذِ اَصْحَابِ
الضَّلَالَاتِ وَالْبِدْعَاتِ، عَیْنِ الاِبْدَاعِ، اُنْمُوْذَجِ اَصْلِ الاِخْتِرَاعِ، مُهْجَ

الْكَوْنَيْنِ وَمَحَجَّةِ الثِّقْلَيْنِ، مِفْتَاحِ خَزَائِنِ الْوُجُوبِ، حَافِظِ مَكَامِنِ الْغُيُوبِ، طَيَّارِ جَوِّ الْأَزَلِ وَالْأَبَدِ عَلِيِّ بْنِ مُحَمَّدٍ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ"

"وَعَلَى الْبَحْرِ الزَّاخِرِ، زَيْنِ الْمَفَاخِرِ، الشَّاهِدِ الْأَرْبَابِ الشُّهُوْدِ، الْحُجَّةِ عَلَى ذَوِي الْجُحُوْدِ، مُعَرِّفِ حُدُوْدِ حَقَائِقِ الرَّبَّانِيَّةِ، مُنَوِّعِ اَجْنَاسِ الْعَالَمِ السُّبْحَانِيَّةِ، عَنْقَاءِ قَافِ الْقِدَمِ، الْعَالِي عَنْ مَرْقَاةِ الْهِمَمِ، وِعَاءِ الْأَمَانَةِ مُحِيْطِ الْإِمَامَةِ، مَطْلَعِ الْأَنْوَارِ الْمُصْطَفَوِيِّ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيِّ الْعَسْكَرِيِّ عَلَيْهِ صَلَوٰتُ اللّٰهِ الْمَلِكِ الْأَكْبَرِ"

مقتدائے اہل عرفان، امام المکاشفین، قدوۃ السالکین حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نَوَّرَاللّٰهُ مَرْقَدَهُ الشَّرِيف کی اِس تحریر کو پڑھنے والا ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اہل عرفان کی زبان میں استعمال ہونے والے چہاردہ معصومین سے کون مراد ہیں جن کی بدایت ختمی مرتبت سید عالم ﷺ اور نہایت حضرت الامام المہدی المنتظر ہیں جبکہ درمیان میں لافتی الاعلی کی ذات گرامی سے لے کر لامنوع لاجناس العالَم السبحانی الالحسن ابن علی العسکری جیسی ذوات قدسیہ کا وجود مسعود ہے جن میں سے ہر ایک کی عملی زندگی اُن کی طہارت وعصمت بمعنی محفوظ عنِ السیآت ہونے کی دلیل وشاہد ہے۔ اور فرمانِ خداوندی "اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا" (1) کی مظہر ہے یہی وجہ ہے کہ پیشروانِ اسلام کے مابین ہزار ہا مسائل میں اختلافات پائے جانے کے باوجود اہلِ بیت تطہیر کے اِن حضرات سے اختلاف کسی نے بھی نہیں کیا ہے اہل سنت کے چاروں مشہور مذاہب سے لے کر دوسرے مسالک کے ذمہ دار حضرات تک سب ہی نے اِن کی پیشوائیت کو تسلیم کیا ہے، اِن کی محبت کو ذریعہ نجات اور اِن کی عداوت کو ایمان کیلیے خطرہ قرار دیا ہے امام بخاری جیسے ہزاروں محدثین نے حدیثِ رسول ﷺ کی تصحیح کے سلسلہ میں اِن کی طرف رجوع کیا ہے، اِن سے

(1) سورۃ الاحزاب، 33۔

سندیں لیں ہیں اور اِن پر اعتماد کیا ہے امام الفقہاء ابوحنیفہ جیسے مجتہدین نے اجتہادی مسائل کی تصحیح کے لیے انہیں اپنا ماؤی وملجاء بنایا اور شبلی نعمانی کی تصریح کے مطابق یہاں تک کہہ دیا ہے کہ؛

"لَوْلَا السَّنَتَان لَهَلَکَ نُعْمَان"

اگر حضرت امام جعفر صادق کے پاس دو سال نہ گزارے ہوتا جہالت میں ہلاک ہوتا۔

اہل اسلام کے طبقہ محدثین سے لے کر فقہاء کرام تک اور طبقہ مفسرین سے لے کر متکلمین تک، اُصول فقہ کے ماہرین سے لے کر طبقہ صوفیاء واہل عرفان تک وہ کون ہوسکتا ہے جو اہل بیت نبوت کی اِن ذوات قدسیہ کے خرمنِ علم وعرفان کے خوشہ چین نہ ہو۔ اِن کی عزت واحترام اور اِن کے ساتھ عقیدت ومحبت کو حرز جان نہ بنایا ہو یا اِن پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے سے انکاری ہو۔ حضرت شیخ اکبر نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیف کی اِس تحریر سے مستفیض ہونے والوں پر یہ بھی واضح ہونا چاہئے کہ بزرگانِ دین اور پیشروانِ اسلام کے نزدیک یہ حضرات نہ صرف صلوٰۃ وسلام بھیجنے کے مستحق ہیں بلکہ عالم لاہوت سے مربوط، عالم جبروت کے راز دان، عالَم ملکوت پر مطلع اور عالَم ناسوت کے لیے قابلِ فخر بھی ہیں یہ سب کچھ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی تحقیق کے مطابق ہے جس کے ساتھ چاروں سلاسل کے اولیاء کاملین و بزرگانِ دین بھی متفق ہیں جبکہ اہل سنت کہلانے والوں کی لامتناہی فہرست میں شامل بعض حضرات نے خاندانِ نبوت کی اِن ذوات قدسیہ کی اِس حد تک عظمتِ شان بیان کی ہیں کہ انہیں اُمورِ تکوینیہ میں بھی دخیل قرار دیا ہے۔ مثلاً شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا پوتا اور شاہ عبدالغنی کا بیٹا تقویۃ الایمان کتاب کے مصنف شاہ اسمٰعیل دہلوی اور اُن کے پیرومرشد سعید احمد رائے بریلوی ہندی نے باہمی تعاون سے جو کتاب صراطِ مستقیم کے نام سے لکھی ہیں اُس کے اول باب کی ہدایت چہارم میں لکھا ہے؛

"ائمہ این طریق واکابر این فریق در زمرہ ملائکہ مدبرات الامر کہ در تدبیر اُمور از جانب ملاء اعلیٰ ملہم شدہ در اجرائے آن می کوشند معدود ند پس احوالِ این کرام بر احوال ملائکہ عظام

قیاس باید کرد"(1)

یعنی اِس راہ کے آئمہ کرام اور اِس جماعت کے یہ مقدس حضرات ملائکہ کی اُس عظیم جماعت میں شمار ہوتے ہیں جو ملاء الاعلیٰ سے الہام ہونے والے اُمورِ تکوینیہ کی تدبیر اور اُن کی تکمیل کرنے میں کوشاں ہوتے ہیں پھر چاہیئے کہ اِن بزرگوں کے احوال کو عظیم فرشتوں کے حالات پر قیاس کیا جائے۔

اِس کے بعد لکھا ہے؛

"قطبیت و غوثیت و ابدالیت وغیرہا ہمہ از عہد کرامت حضرت مرتضیٰ تا انقراض دنیا ہمہ بواسطہ ایشان است و در سلطنت سلاطین و امارتِ اُمراء ہم ہمت ایشان را دخلے است کہ بر سیاحین عالم ملکوت مخفی نیست"(2)

یعنی غوث و قطب اور ابدال جیسے روحانی مراتب پر فائز ہونے کا سلسلہ بھی حضرت علی مرتضیٰ کے مبارک دور سے لے کر دنیا کے ختم ہونے تک خاندانِ نبوت کے اِن مقدس حضرات کے واسطہ سے ہے اور بادشاہوں کی بادشاہی و اُمراء کی امارت میں بھی اِن مقدس حضرات کو دخل ہے جو عالَم ملکوت کے سیر کرنے والے کاملین سے پوشیدہ نہیں ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز نوّر اللّٰہُ مرقدہٗ الشریف نے تحفہ اثنا عشریہ میں اپنے مشاہدہ کے مطابق آئمہ اہل بیتِ نبوت کی اِن ذواتِ قدسیہ سے متعلق مسلمانوں کا عقیدہ بتاتے ہوئے لکھا ہے؛

"حضرت امیر و ذریّت طاہرہ او را تمام اُمت بر مثال مریدان و مرشدان می پرستند و اُمور تکوینیہ را بایشان وابستہ می دانند

(1) صراط مستقیم، ص 32، مطبوعہ المکتبہ السلفیہ لاہور۔

(2) صراط مستقیم، ص 58، مطبوعہ المکتبہ السلفیہ لاہور۔

وفاتحه و درود و صدقات و نذر بنام ایشان رائج و معمول گردیده چنانچه باجمیع اولیاء اللّٰہ همیں معامله است"(1)

یعنی حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ اور اُن کی پاک اولاد کو تمام مسلمان پیرو مرشد کی طرح سمجھتے ہیں کہ خود کو اُن کے مرید سمجھ کر اُن کے بارے میں پیرو مرشد جیسا عقیدہ رکھتے ہیں اور تکوینی اُمور کو اِن کے ساتھ وابستہ سمجھتے ہیں اور اِن کے نام فاتحہ درود اور صدقہ و نذر کرنا بھی مروّج ہے جیسا کہ دوسرے تمام اولیاء اللہ کے بارے میں بھی مسلمانوں کا معاملہ اِسی طرح ہوتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف نے خواجہ عبداللہ اور خواجہ عبیداللہ پسران خواجہ باقی باللہ نوّر اللّٰہُ تعالٰی مَرَاقِدَھُمْ کے نام لکھے گئے مکتوب میں عقائد اہل سنت کی تفصیل لکھتے ہوئے آئمہ اہل بیت تطہیر کی محبت کو شرط ایمان اور پیغمبری تبلیغ کی واجبی اُجرت ہونے کے عقیدہ کو قطعی بتاتے ہوئے لکھا ہے؛

"به نص قطعی محبت اہل قرابت آنسرور علیه و علیهم الصلوٰۃ و التسلیمات ثابت شده است و اُجرت دعوت را محبت ایشان ساخته کماقال تعالٰی "قُلْ لَّآ اَسْـــٴَــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَه فِيْهَاحُسْنًا (الشوریٰ،23)"(2)

اور مکتوب نمبر 123 میں اہل بیت نبوت کی اِن مقدس ہستیوں کو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا ناگزیر واسطہ اور اغواث و اقطاب اور ابدال و نجباء کو ملنے والے فیوضات و کمالات کے لیے نقطہ منتہا قرار دیتے ہوئے لکھا ہے؛

"و پیشوائے واصلان این راه و سر گرده اینها و منبع فیضِ این بزرگواران حضرت علی مرتضیٰ ست کرم اللّٰہ تعالٰی وجهه

(1) تحفه اثنا عشریه، ص214، مطبوعه سهیل اکیڈمی لاهور، باب هفتم درباره امامت۔

(2) مکتوبات امام ربانی دفتر اول حصه، چهارم، مکتوب نمبر266۔

الکریم و این منصب عظیم الشان بایشان تعلق دارد درین مقام
گوئیا هر دو قدم مبارک آنسرور علیه وعلیٰ آله الصلوٰۃ والسلام بر
فرق سر مُبارك اوست کرم اللّٰه تعالیٰ وجهه وحضرت فاطمه و
حضرات حسنین ص درین مقام باایشان شریك اند انگارم که
حضرتِ امیر قبل از نشأۃ عُنصری نیز ملا ذوملجاء این مقام بوده
اند چنانچه بعد از نشأۃ عُنصری وهر کرا فیض و هدایت ازین راه می
رسید بتوسطِ ایشان میرسید چه ایشان نزد نقطه منتهائے این راه
اند ومرکزِ این مقام بایشان تعلق دارد وچون دوره حضرتِ امیر
تمام شد این منصب عظیم القدر بحضراتِ حسنین ترتیباً مفوّض
ومُسلّم گشت وبعد از ایشان همان منصب بهر یکے از آئمه اثنا
عشر علی الترتیب والتفصیل قرار گرفت ودر اعصار این
بزرگواران وهمچنین بعد از ارتحال ایشان هر کرا فیض و هدایت
میرسید بتوسطِ این بزرگواران بوده"

ذاتِ نبوی ﷺ کے بعد جن ذوات قدسیہ وکاملین کے واسطہ سے فیوضات وکمالات کسی کو حاصل ہوتے ہیں اُن سب کا سرکردہ ومنبع حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی ہے اور فیض رسانی کا یہ عظیم منصب ان کے ساتھ متعلق ہے اور نبی اکرم سیدِ عالم ﷺ کے دونوں قدمِ مبارک اُن کے سر پر ہیں اور اِس عظیم منصب میں حضرت فاطمہ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا) اور حضرات حسنین کریمین (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُمَا) بھی اُن کے ساتھ شریک ہیں اور میں دیکھ رہا ہوں کہ حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جسدِ عُنصری کے ساتھ اِس دنیا میں تشریف لانے سے قبل بھی فیض رسانی کے اِس منصب پر فائز تھے جیسا کہ جسدِ عُنصری میں آنے کے بعد تھے اور جس کو بھی

کوئی فیض ملتا ہے ان ہی کے واسطہ سے ملتا ہے کیوں کہ اِن کی ذاتِ گرامی فیض رسانی کی اِس راہ کے نقطہ منتہاء ہیں اور روحانیت کے اِس عظیم مقام کے مرکز ہیں اور جب حضرت امیر المومنین ﷺ کی ظاہری امامت کا دور ختم ہوا تو یہ منصب بالترتیب اُنکے دونوں شہزادوں امام حسن وامام حسین (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا) کے سپرد ہوا اور انکے بعد منصبِ امامت کا یہ منصب اُن کی اولاد میں بارہ اماموں کو بالترتیب سپرد ہوتا رہا اور اِن مقدس حضرات کی زندگی میں بھی اور بعد میں بھی جس کو بھی روحانی فیوضات وبرکات کا بہرہ نصیب ہوتا ہے اِن ہی کے واسطہ سے ہوتا ہے۔

واقعہ کربلا سے متعلق حضرت امام الشافعی نے فرمایا؛

تَـأَوَّہ قَـلْبِـی وَالْـفُؤادُ کَـئِیبُ ۔۔۔ وَاَرِّقَ نَـومِـی فَالسُھادُ عَجِیبُ
فَمَن مُبَلِّغٌ عَنِی الحُسِینَ رِسَالَۃً ۔۔۔ وَاِنْ کَـرِھتَھَـا اَنْفُسٌ وَقُلُوبُ
ذَبِیحٌ بِلَا جُرمٍ کَـأَنَّ قَـمِیصَہُ ۔۔۔ صَبِیغٌ بِمَـاءِ الأرجوانِ خَضِیبُ
فَـلِـلسَّیفِ أعْـوالٌ وِلِـلرُّمع رَنَّۃٌ ۔۔۔ وَلِلْخَیلِ مِنْ بَعْد الصَھِیلِ نَحِیبٌ
تَـزَلْـزَلَـتِ الـدُّنْیـا لآلِ مُـحَـمَّـد ۔۔۔ وَکَادت لَھُمْ صُمُّ الجِبَالِ تذوبُ
وَغَارت نُجومٌ وَاقشعرت کَواکب ۔۔۔ وھتک أستَـارٌ وَشُـقَّ جُیُـوبُ
یُصَلّٰی عَلَی الْمَبْعُوثِ مِن آلِ ھَاشِمٍ ۔۔۔ وَیُـغْـزٰی بَنُوہُ اِنَّ ذَا لَعَجِیبُ
لَئِنْ کَـانَ ذَنْبِی حُبُّ آلِ مُحَمَّدٍ ۔۔۔ فَـذٰلِکَ ذَنْبٌ لَسْتُ عَنْہُ اَتُوبُ
ھُمْ شُفَعَائِی یوم حَشْرِی وَمَوقِفِی ۔۔۔ اِذَا مَـا بَـدَت لِلنَّـاظِرِیْن خُطُوبُ

اِن کا بالترتیب محصل مفہوم اِس طرح ہے کہ؛

- امام حسین کی مظلومیت پر جان بیقرار اور دل میرا غم سے بھرا ہوا ہے، نیند میری پراکندہ اور بے خوابی میری عجیب ہے۔
- میرا یہ پیغام امام حسین کو پہنچانے والا کون ہوسکتا ہے اگر چہ بہت سے لوگ اور اُن کے

دل اِسے ناپسند کریں گے۔

◯ جسے کسی جرم کے بغیر ذبح کیا گیا جس سے اُن کی قمیص ارجوان کے پانی کی طرح رنگین ہوگئی۔

◯ جن تلواروں کو اِس ظلم میں استعمال کیا گیا ہے اُن کے لیے ہلاکت ہے اور جن نیزوں کو استعمال کیا گیا ہے اُن کے لیے رونا ہے اور جن گھوڑوں کو اِس میں استعمال کیا گیا ہے اُن کے لیے ہنہنانے کے بعد رونا ہے۔

◯ آلِ محمد ﷺ پر ڈھائے گئے مظالم پر دُنیا ہل گئی اور بلند وبالا پہاڑ پگھلنے لگے۔

◯ اور ستارے ڈوبنے لگے اور کواکب تھرتھرانے لگے اور پردے ہٹائے گئے اور گریبان چاک کیے گئے۔

◯ اور آلِ ہاشم میں سے دُنیائے کائنات کے لیے مبعوث کیے گئے پیغمبر پر درود وسلام بھی پڑھا جاتا ہے اُن کی اولاد کو بھی ظلم کا نشانہ بنایا جاتا ہے بے شک یہ عجیبہ واقعہ ہے۔

◯ اگر آلِ محمد ﷺ کے ساتھ محبت کو میرا گناہ کہا جاتا ہے تو یہ ایسا گناہ ہے کہ جس سے توبہ نہیں کروں گا۔

◯ روزِ محشر میں اور موقفِ عرصات میں یہی حضرات میری شفاعت کرنے والے ہیں جب دیکھنے والوں کو خطرات کا سامنا ہوگا۔(1)

حضرت امام شافعی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کا یہ کلام اہلِ بیت نبوت کے ساتھ اظہارِ عقیدت کے سلسلہ میں تاریخی دستاویز ہے دل چاہتا ہے کہ اِس کے ایک ایک جملہ اور ایک ایک مصرع کی پوری تشریح اور اُس کا پس منظر پیش کروں لیکن خلطِ مبحث کی پراگندگی سے بچنے کے لیے اِسی اِجمال پر اکتفا کرتا ہوں۔ جب سلطنت بنوعباسیہ کے کچھ درباریوں کی طرف سے حضرت امام شافعی کی حُبِ اہل بیت کو رفض قرار دے

---

(1) دیوان امام الشافعی، ص 229، مطبوعہ دارالفد الجدید منصورہ مصر۔

کراُن کے خلاف ناپاک سازشیں شروع ہوئی تب اصل صورتحال ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے؛

یَارَاکباقف بِالْمُحصّبِ مِن مِنٰی	وَاهتِف بِقَاعِدِ خَیفِهَا وَالنَاهِضِ
سحر اِلذَافَاضَ الْحَجِیْجُ اِلَی مِنٰی	فیضا کَمُلْتَطِمِ الفُرَاتِ الفَائضِ
اِنْ کَانَ رَفْضا حُبّ آلِ مُحَمَّد	فَلْیَشْهَدِ الثَّقَلَانِ انی رَافِضی

جب مزدلفہ کی صبح حاجی منٰی کی طرف جارہے ہوں اُن کا ریلا دریا فرات کی طرح ٹھاٹھیں مار رہا ہو اُس وقت اے راکبِ محصّب میں کھڑے ہو کر مقام خیف میں بیٹھے اور کھڑے ہوئے حجاج سمیت سب کو میرا یہ اعلان سنا دے کہ اگر آلِ محمد ﷺ کے ساتھ محبت کرنا رفض ہے تو پھر تمام جن وانس میرے خلاف گواہی دیں کہ میں رافضی ہوں۔(1)

حضرت مجدّد الف ثانی نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف نے مکتوب نمبر 36 میں اہل بیت نبوت کے اِن مقدس حضرات کے ساتھ محبت کو جزو ایمان قرار دینے کے بعد اِن حضرات کے فضائل میں وارد کچھ احادیث نقل فرمائی ہیں، ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اُنہیں بھی نمبر وائز بیان کریں؛

رَوَی ابْنُ عَبْدَالْبَرِّ اَنَّهُ قَالَ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَنْ اَحَبَّ عَلِیًّا فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَبْغَضَ عَلِیًّا فَقَدْ اَبْغَضَنِیْ وَمَنْ اٰذٰی عَلِیًّا فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰه.

ترجمہ:۔ حضرت ابن عبدالبر نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے علی کے ساتھ محبت کی بیشک اُس نے میرے ساتھ محبت کی اور جس نے علی کے ساتھ بغض رکھا اُس نے میرے ساتھ بغض کیا اور جس نے علی کو اذیت دی بیشک اُس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی بیشک اُس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی۔

وَاَخْرَجَ الطَّبْرَانِیُّ وَالْحَاکِمُ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ ﷺ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ

(1) دیوان امام محمد ابن ادریس الشافعی، ص 130۔

وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ النَّظَرُ اِلٰی عَلِیٍّ عِبَادَۃُ اِسْنَادُہٗ حَسَنٌ۔

طبرانی اور حاکم نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے تخریج کی ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "علی کو دیکھنا عبادت ہے"۔

وَاَخْرَجَ الشَّیْخَانِ عَنِ الْبَرَآءِ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَالْحَسَنُ عَلٰی عَاتِقِہٖ وَھُوَ یَقُوْلُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّہٗ فَاَحِبَّہٗ۔

امام مسلم و بخاری نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت سے تخریج کی ہیں اُنہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا دراں حال کہ امام حسن اُنکے کاندھے پر تھے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ رہے تھے کہ اے اللہ میں اِسکے ساتھ محبت کرتا ہوں تو بھی اِسکے ساتھ محبت کرے۔

وَاَخْرَجَ الْبُخَارِیُّ عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمَ عَلَی الْمِنْبَرِ وَالْحَسَنُ اِلٰی جَنْبِہٖ یَنْظُرُ اِلَی النَّاسِ مَرَّۃً وَّاِلَیْہِ مَرَّۃً وَیَقُوْلُ اِنَّ ابْنِیْ ھٰذَا سَیِّدٌ وَّلَعَلَّ اللّٰہَ اَنْ یُّصْلِحَ بِہٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔

امام بخاری نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے تخریج کی ہے اُنہوں نے فرمایا کہ "میں نے رسول اللہ کو منبر پر سُنا جبکہ امام حسن اُن کے پاس تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اُن کی طرف اور کبھی لوگوں کی طرف دیکھ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اِس کے ہاتھ سے مسلمانوں کی دو متحارب جماعتوں کے درمیان صلح کرادے۔

وَاَخْرَجَ التِّرْمِذِیُّ عَنْ اُسَامَۃَ بْنِ زَیْدٍ قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَحَسَنٌ وَّحُسَیْنٌ عَلٰی وَرِکَیْہِ فَقَالَ ھٰذَانِ ابْنَایَ وَابْنَا بِنْتِیْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّھُمَا فَاَحِبَّھُمَا وَاَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّھُمَا۔

امام ترمذی نے حضرت اُسامہ ابن زید رضی اللہ عنہ کی روایت سے تخریج کی ہے اُنہوں نے فرمایا

کہ ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جبکہ حضرت امام حسن وامام حسین اُن کے مبارک رانوں پر بیٹھے ہوئے تھے پس فرمایا یہ دونوں میرے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں، اے اللہ! میں اِن کے ساتھ محبت کرتا ہوں تو بھی اِن کے ساتھ محبت کرے اور جو اِن کو محبوب رکھے تو بھی اُسے محبوب رکھ۔

وَاَخْرَجَ التِرمِذِیُ عَنْ اَنَسٍ ؓ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمْ اَیُّ اَھْلِ بَیْتِکَ اَحَبُّ اِلَیْکَ قَالَ الْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ.

امام ترمذی نے حضرت انس ابن مالک ؓ کی روایت سے تحریج کی ہے اُنہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ ''آپ ﷺ کے اہل بیت میں کون آپ ﷺ کو زیادہ محبوب ہے''، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''حسن وحسین مجھے زیادہ محبوب ہیں۔

وَرَوَی الْمِسْوَرُ بْنُ مَخْرَمَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمْ قَالَ فَاطِمَۃُ بَضْعَۃُ مِنِّی فَمَنْ اَغْضَبَھَا اَغْضَبَنِیْ وَفِیْ رِوَایَۃٍ یُرِیْبُنِیْ مَا اَرَابَھَا وَیُؤْذِیْنِی مَا اٰذَاھَا.

حضرت مسور ابن مخرمہ نے روایت کی ہے بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''فاطمہ میرے بدن کی ٹکڑا ہے جس نے اُسے ناراض کیا اُس نے مجھے ناراض کیا اور ایک روایت میں آیا ہے کہ جس نے اُسے اذیت پہنچائی اُس نے مجھے اذیت پہنچائی اور جس بات سے اُس کو تکلیف ہوتی ہے اُس سے مجھے بھی تکلیف ہوتی ہے۔

وَاَخْرَجَ الدَّیْلَمِیُّ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمْ قَالَ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰہِ عَلٰی مَنْ اٰذَانِیْ فِیْ عِتْرَتِیْ.

محدث دیلمی نے حضرت ابوسعید خدری ؓ کی روایت سے تخریج کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اللہ کا سخت قہر وغضب ہو اُس پر جو میری اولاد کے بارے میں مجھے اذیت دے۔

وَاَخْرَجَ الْحَاكِمُ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ﷺ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِیْ مِنْ بَعْدِیْ.

حاکم نے حضرت ابوہریرہ ﷺ کی روایت سے تخریج کی ہے بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تم سب میں بہتر وہ ہوگا جو میرے بعد میرے اہل کے ساتھ اچھا ہو۔

اَخْرَجَ ابْنُ عَسَاكِرَ عَنْ عَلِيٍّ كَرَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَجْهَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَنَعَ اِلٰى اَهْلِ بَيْتِیْ بِرًّا كَا فَاتَهٗ عَلَيْهَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ.

محدث ابن عساکر نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت سے تخریج کی ہے بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جس نے بھی میرے اہل کیساتھ اچھا سلوک کیا میں اُس کو قیامت میں اُس کا بدلہ دونگا۔

اَخْرَجَ ابْنُ عَدِيٍّ وَالدَّيْلَمِيُّ عَنْ عَلِيٍّ ﷺ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ اَثْبَتُكُمْ عَلَى الصِّرَاطِ اَشَدُّكُمْ حُبًّا لِاَهْلِ بَيْتِیْ وَلِاَصْحَابِیْ.

محدث ابن عدی اور دیلمی نے حضرت علی ﷺ کی روایت سے تخریج کی ہیں، بیشک رسول اللہ نے فرمایا کہ "تم سب سے زیادہ پل صراط پر سے ثابت قدم گزرنے والا (یا دنیا میں صراط مستقیم پر زیادہ ثابت قدم رہنے والا) وہی ہوگا جو میرے اہل اور میرے اصحاب کے ساتھ زیادہ محبت کرنے والا ہو"۔

ان گیارہ حدیثوں کو ذکر کرنے کے بعد حضرت مجدد الف ثانی نے اہل بیت نبوت کو خاتمہ بالخیر کے لیے وسیلہ بناتے ہوئے کہا؛

الٰہی بحق بنی فاطمہ — کہ بر قول ایمان کنم خاتمہ
گر دعوتم رد کنی ور قبول — من دست و دامانِ آلِ رسول

اِس کے ساتھ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اِسی تسلسل میں اُن روایات کو بھی یہاں پر ذکر کریں جن کی تخریج جامع الصغیر وغیرہ کتب حدیث میں کی گئی ہے؛

حضرت زید ابن ارقم کی روایت سے ترمذی ونسائی نے تخریج کی ہے؛

''اَنَّهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰه ﷺ اُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ تَعَالٰى فِىْ اَهْلِ بَيْتِىْ ''(1)

میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی یاددلاتا ہوں۔

13 روح المعانی میں ابن حبّان وحاکم کی تخریج کے حوالہ سے حضرت ابوسعید خدری کی روایت ہے کہ؛

''عَنْ اَبِىْ سَعِيْد الْخَدْرِى ؓ اَنَّهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالَّذِيْ نَفْسى بيده لا يبغضنا اَهْلَ الْبيْت رَجُلٌ اِلَّا ادخلهُ اللّٰه تَعَالٰى النَّار ''(2)

مجھے اُس ذات کی قسم ہے، جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے، ہم اہل بیت نبوت کے ساتھ کوئی آدمی عداوت نہیں رکھے گا مگر اللہ تعالیٰ اُسے آگ میں ڈالے گا۔

14 حضرت براء ابن عازب ؓ کی روایت سے جامع الصغیر میں ہے؛

''قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهُ ﷺ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاه فَعَلِىٌّ مَوْلَاه ''(3)

جس کا میں مولیٰ ہوں اُس کا علی بھی مولا ہے۔

15 حضرت بریدہ ؓ کی روایت سے جامع صغیر میں حدیث ہے؛

''قَالَ رَسُوْلُ اللّٰه ﷺ مَنْ كُنْتُ وَلِيّه فَعَلِىٌّ وَلِيّه ''(4)

جس کا میں ولی ہوں علی بھی اُس کا ولی ہے۔

---

(1) روح المعانی، ج25، ص32، بحوالہ مسلم، ترمذی، نسائی عن زید ابن ارقم۔

(2) بروایت ابن حبان و حاکم، روح المعانی، ج25، ص32۔

(3) جامع صغیر، حدیث نمبر 9000، ج6، ص218، بروایت براء ابن عازب۔

(4) حدیث نمبر 9001، ج6، ص218، بروایت بریدہ۔

16 حضرت جابر ابن عبداللہ کی روایت سے جامع الصغیر میں حدیث نمبر 5591 مروی ہے؛

''عَلّی اِمَام البررة وَقَاتل الفجرة منصور مَنْ نَصَرہُ مخذول من خَذَلَہٗ''

علی نیکوں کا امام ہے اور فاجروں کے قاتل ہیں جو اُن کا ساتھ دے گا وہ منصور ہوگا اور جو اُن کا ساتھ نہ دے گا مخذول ورسوا ہوگا۔

17 حضرت ابن عباس (رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْھُمَا) کی روایت سے حدیث نمبر 5592 مروی ہے؛

''عَلِیٌّ بَابُ حِطَّةٍ مَنْ دَخل مِنہُ کَانَ مُؤْمِنًا وَمَنْ خرجَ مِنہُ کَانَ کَافِرًا''

علی باب حطہ ہے جو اُس میں سے داخل ہوگا مومن ہوگا اور جو اُس سے خارج رہے گا، کافر ہوگا۔

18 حدیث مسلسل میں 5593 حضرت ابن عباس سے ہی مروی ہے، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے؛

''عَلِیّ عَیْبَة عِلْمِی'' علی میرے علم کی گہرائی ہے۔

19 حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی راویت سے حدیث مسلسل نمبر 5594 میں ہے؛

''عَلِیّ مَعَ الْقُرآن وَالْقُرآن مَعَ عَلِیّ لَنْ یَفْتَرِقَا حَتّٰی یردا عَلَیَّ الحُوض''

علی قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علی کے ساتھ یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر میں میرے پاس آئیں گے۔

20 حدیث مسلسل نمبر 5595 میں ہے؛

''عَلِیّ مِنِیُ وَاَنَا مَنْ عَلِیّ'' (1) علی میرا جزو ہے اور میں علی کا جزو ہوں۔

21 حدیث مسلسل نمبر 5597 میں ہے؛

''عَلِیّ مِنِیُ بِمنزِلَة هَارُوْن مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ''

علی کی مجھ سے نسبت ایسی ہے جیسی حضرت ہارون کی نسبت موسیٰ (علیہما السلا) سے۔

(1) حدیث نمبر 5595، ج 4، جامع الصغیر مع فیض القدیر۔

حدیث مسلسل نمبر 3586 میں ہے؛

''عَلِیٌّ یَعْسُوْبُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمَالُ یَعْسُوبُ الْمُنَافِقِیْنَ''(1)

علی مومنوں کا سردار اُن کا مرجع وماؤی ہیں جبکہ منافقوں کا مرجع وماؤ مال ہے۔

تفسیر روح المعانی میں حدیث نمبر 13، 14 کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے؛

''وَالْحَقُّ وُجُوْبُ مَحَبَّۃِ قَرَابتہٖ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مِنْ حَیْثُ اَنَّھُمْ قرابتہ ﷺ کَیْفَ کَانُوْا''(2)

اِن روایات کے علاوہ ایک روایت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر کو بیوت الانبیاء میں شمار کیا گیا ہے۔آیت کریمہ ''فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْھَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ O رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْہِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ''(3) اِس میں مذکور بیت کی تفسیر میں متعدد اقوال نقل کرتے ہوئے مفسرین کرام نے ایک حدیث کے مطابق ''بیتِ علی'' کو اِس کا افضل ترین مظہر قرار دیا ہے۔مثال کے طور پر تفسیر روح المعانی میں ہے؛

''وَاَخْرَجَ ابْنُ مَرْدُوَیْہِ عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِکٍ وَبُرَیْدَہ قَالَ قراء رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ ھٰذِہ الایۃ ﴿فِیْ بُیُوْتٍ...... اِلَی الاٰخِر﴾ فَقَامَ الیہ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ رَجُلٌ فَقَالَ اَیُّ بُیُوْتٍ ھٰذِہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَقَالَ ﷺ بُیُوْتُ الْاَنْبِیَآءِ عَلَیْھِمُ السَّلَام. فَقَامَ اِلَیْہِ اَبُوْبَکْر رضی اللہ عنہ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ھٰذَاالْبَیْتُ مِنْھَا لِبَیْتِ عَلِیٍّ وَفَاطِمَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا.قَالَ نَعَمْ مِنْ اَفَاضِلِھَا''

(1) حدیث نمبر 5006، جامع صغیر مع فیض القدیر، ج4، ص3568۔

(2) روح المعانی، ج25، ص32

(3) النور، 36تا37

رسول اللہ ﷺ نے اِس آیت کریمہ کو آخر تک پڑھا تو ایک آدمی نے کھڑے ہو کر پوچھا کہ؛
''آیت کریمہ میں مذکور اِس بیت سے مراد کون سے گھر ہیں''۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ؛
''اِس سے مراد انبیاء علیہم السلام کے گھر ہیں''۔ پھر حضرت ابوبکر ؓ نے کھڑے ہو کر حضرت علی و فاطمہ کے گھر کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ ''کیا یہ گھر بھی اُن میں شامل ہے؟''۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ ''ہاں یہ اُن میں شامل اور اُن میں افضل ترین گھر ہے''۔

اِس حدیث کو نقل کرنے کے بعد متصلاً تفسیر روح المعانی کے مصنف نے لکھا ہے؛

''وَهٰذَا ان صح لَايَنْبَغِی الْعُدُوْل عَنْهُ''(1)

اِس روایت کی صحت کی صورت میں اِس سے تجاوز کرنا مناسب نہیں ہوگا۔

حضرت عمر فاروق ؓ سے صحابہ کرام نے پوچھا کہ آپ حضرت علی ؓ کی سب سے زیادہ تعظیم کرتے ہیں اِس کا کیا فلسفہ ہے؟ اُنہوں نے جواب دیا؛

''قَالَ انَّهُ مَوْلَائِیْ''(2) اِس لیے کہ وہ میرے مولیٰ ہیں۔

حضرت امام علی ابن حسین ابن علی زین العابدین کا اُسرارِ الٰہیہ و رُموز تکوینیہ کے مرکز ہونے کی ایک مثال اُن کے اِس منظوم کلام سے ظاہر ہو رہی ہے جس میں اُنہوں نے فرمایا ہے؛

اِنِّی لَاکْتُمُ مِنْ عِلْمِی جَوَاهِره	کیلا یَرَی الْحَقَّ ذو جهلٍ فَیَفْتَتِنَا
وَقَدْ تَقَدَّم فِی هٰذَا ابُو حَسَن	اِلَی الْحُسَیْنِ وَاوصاقبله الْحسنا
فرب جوهر علم لَوْ اَبُوْحُ بِهٖ	لِقِیْلَ لِی اَنْتَ مِمَّنْ یعبد الوثنا
وَلَاستحل رِجَالٌ مُسْلِمُوْنَ دمی	یرون اقبح مَا یَاْتُوْنَه حسنا

''حضرت امام زین العابدین کے اِس سبق آموز کلام کا مفہوم یہ ہے کہ میں اپنے علوم و معارف میں سے کچھ جواہر پاروں کو ظاہر نہیں کرتا تا کہ اُس کی حقیقت کو پانے سے ناواقف

(1) تفسیر روح المعانی، ج18، ص174۔ (2) فیض القدیر، ج6، ص218۔

شخص فتنہ میں مبتلا نہ ہو اور اِن پوشیدہ رموز کو اپنے تک محدود رکھنا حضرت ابوالحسن (علی المرتضیٰ) سے لے کر امام حسین تک ہمارے بزرگوں کی سنت ہے جس کی وصیت حضرت علی نے امام حسین سے پہلے امام حسن کو بھی کی تھی۔ علم و اسرار کی وراثت میں میرے پاس ایسے جواہر پارے ہیں کہ اگر وہ ظاہر کر دوں لوگ مجھے بُت پرست کہیں گے اور اچھے خاصے مسلمان بھی مجھے مباح الدم سمجھیں گے حالانکہ وہ ناسمجھی کی وجہ سے اپنے قبیح عمل کو بھی اچھا سمجھتے ہیں۔"(1)

علم الباطن والاسرار کے حوالہ سے حضرت کے اِس کلام کو روح المعانی میں اہل بیت اطہار کی روحانی خلافت اور علوم و اسرار کے حامل ہونے کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہے۔ جو اہل بیت نبوۃ کی اِن پاک ہستیوں کی عظمتِ شان کی اعلیٰ مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے فیوضات و برکات سے مستفیض ہونے کی ہم سب کو توفیق نصیب کرے۔ حضرت امام زین العابدین نے یہاں پر جن تکوینی رُموز کا اشارہ دیا ہے یہ ویسے ہی ہیں جیسا اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے مشہور واقعہ کی ایک جھلک بتاتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ردعمل سے متعلق فرمایا؛

"اقتلت نَفْسًازَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْس لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًانُكْرا"(2)

یہاں پر ہم قارئین کو یہ بھی بتانا چاہیں گے کہ اہل بیت نبوت کی اِن مقدس ہستیوں کی عملی زندگی کا آئینہ شریعت ہونے میں نہ کسی کو شک ہے نہ اعتراض بلکہ خوارج ونواصب کو چھوڑ کر باقی تمام مذاہب اسلام کو اعتراف ہے کہ اِن کی پوری زندگی قرآن وسنت پر عمل سے عبارت تھی، معیارِ حق تھی اور اُسوۂ حسنہ سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی مظہر تھی جبکہ ارباب اقتدار اور حکومتوں کے حوالہ سے اِن حضرات کے کردار پر بہت کم توجہ دی گئی ہے حالاں کہ اِس حوالہ سے اِن حضرات کی عظمتِ شان سب سے اعلیٰ سب سے نمایاں اور عظیم سے عظیم تر نظر آرہی ہے۔ مثال کے طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ اول سے لے کر خلیفہ سوم تک سب کے

(1) تفسیر روح المعانی، ج18، ص190، مطبوعہ بیروت۔ (2) الکھف، 74۔

دل اِسے ناپسند کریں گے۔

♡ جسے کسی جرم کے بغیر ذبح کیا گیا جس سے اُن کی قمیص ارجوان کے پانی کی طرح رنگین ہو گئی۔

♡ جن تلواروں کو اِس ظلم میں استعمال کیا گیا ہے اُن کے لیے ہلاکت ہے اور جن نیزوں کو استعمال کیا گیا ہے اُن کے لیے رونا ہے اور جن گھوڑوں کو اِس میں استعمال کیا گیا ہے اُن کے لیے ہنہنانے کے بعد رونا ہے۔

♡ آلِ محمد ﷺ پر ڈھائے گئے مظالم پر دُنیا ہل گئی اور بلند و بالا پہاڑ پگھلنے لگے۔

♡ اور ستارے ڈوبنے لگے اور کواکب تھرتھرانے لگے اور پردے ہٹائے گئے اور گریبان چاک کیے گئے۔

♡ اور آلِ ہاشم میں سے دُنیائے کائنات کے لیے مبعوث کیے گئے پیغمبر پر درود و سلام بھی پڑھا جاتا ہے اُن کی اولاد کو بھی ظلم کا نشانہ بنایا جاتا ہے بے شک یہ عجیبہ واقعہ ہے۔

♡ اگر آلِ محمد ﷺ کے ساتھ محبت کو میرا گناہ کہا جاتا ہے تو یہ ایسا گناہ ہے کہ جس سے توبہ نہیں کروں گا۔

♡ روزِ محشر میں اور موقفِ عرصات میں یہی حضرات میری شفاعت کرنے والے ہیں جب دیکھنے والوں کو خطرات کا سامنا ہوگا۔(1)

حضرت امام شافعی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کا یہ کلام اہلِ بیت نبوت کے ساتھ اظہارِ عقیدت کے سلسلہ میں تاریخی دستاویز ہے دل چاہتا ہے کہ اِس کے ایک ایک جملہ اور ایک ایک مصرع کی پوری تشریح اور اُس کا پس منظر پیش کروں لیکن خلطِ مبحث کی پراکندگی سے بچنے کے لیے اِسی اِجمال پر اکتفا کرتا ہوں۔ جب سلطنت بنوعباسیہ کے کچھ درباریوں کی طرف سے حضرت امام شافعی کی حُب اہل بیت کو رفض قرار دے

---

(1) دیوان امام الشافعی، ص229، مطبوعہ دار الفد الجدید منصورہ مصر۔

حضرت علی ؑ کی شہادت کے بعد ریاست کے حوالہ سے مسلمانوں کے دوسرے پیشوا حضرت امام حسن ؑ بھی مشہور اُصولِ فطرت ''اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْهِ'' سے مختلف نہیں ہیں جیسا اُن کے والد ''لَا فَتٰی اِلَّا عَلِی'' نے بیضۃ الاسلام کے تحفظ کی خاطر ہمیشہ قربانی وایثار سے کام لیا۔ اُسی طرح انہوں نے بھی اُمت کو تشتت وافتراق اور خونریزی سے بچانے کی خاطر خلافت کی قربانی دی جو اُن کی عظمتِ شان پر سب سے بڑی دلیل ہے اُن کی شہادت کے بعد اُن کے چھوٹے بھائی اور مسلمانوں کے تیسرے پیشوا حضرت امام حسین ؑ نے ریاست کے حوالہ سے جو کردار انجام دیا اور اقتدار کے راستے سے گمراہیوں کی درآمد سے اسلام کو بچانے کی خاطر جو قربانی دی اُس کی مثال تاریخِ عالم میں کہیں نہیں ملتی جو اُن کی عظمتِ شان پر ناقابل انکار دلیل ہے ان کی شہادت کے بعد حضرت امام زین العابدین سے لے کر امام محمد الحسن عسکری تک ذریت طاہرہ کی اِن مقدس ہستیوں نے جس انداز سے اپنے دامنِ تقدس کو بچائے رکھا اُس کا اجمالی خاکہ اس طرح ہے کہ؛

حضرت امام زین العابدین امیر معاویہ سے لے کر ولید ابن عبدالملک کے دور تک کا زمانہ پایا بنو اُمیہ کے مروان ابن الحکم، عبدالمالک ابن مروان اور ولید ابن عبدالملک ابن مروان کا تسلسل کے ساتھ خاندان نبوت میں نقص جوئی کے کوشاں رہنے کے باوجود ان کی ذات میں کوئی عیب نہیں پایا جو اُن کی عظمت وطہارت اور کرامت وکمال کی دلیل ہے۔

یہی حال حضرت امام محمد باقر کا بھی ہے کہ اُنہوں نے بالترتیب یزید ابن عبدالملک اور ہشام ابن عبدالملک کی بادشاہی میں طرح طرح کے مظالم برداشت کیے اور بادشاہی کی طرف سے اِن میں عیب یابی کی ہزاروں کوششوں کے باوجود کچھ نہیں پایا گیا۔

اِسی طرح حضرت امام جعفر الصادق بھی ہشام ابن عبدالملک، ولید ابن یزید ابن عبدالملک، یزید الناقص، ابراہیم ابن ولید، اور بنو اُمیّہ کے آخری بادشاہ مروان الحمار تک اور بنوعباسیہ کے دوم بادشاہ منصور تک کا زمانہ پایا جس میں بالترتیب کج کلاہانِ بنو اُمیّہ سے لے کر ظالمان بنوعباسیہ تک ہر ایک نے

اُن کی عیب جوئی کرنے میں کسی قسم کی کمی نہیں چھوڑی پھر بھی اُن کے ہاتھ کچھ نہیں آیا۔

اسی طرح حضرت امام موسیٰ کاظم نے بھی منصور عباسی سے لے کر ہارون الرشید تک چار سلاطین بنو عباسیہ کا دور پایا جس میں سب نے حسب المقدور اُن کی ذات گرامی میں خلاف شرع کوئی نامناسب کردار معلوم کرنے کی کوشش کی لیکن عیب ہاتھ آنے کے بجائے اُن کے تقویٰ و پرہیزگاری اور عظمت کردار کے معترف ہوئے بغیر نہ رہ سکے جو آیت کریمہ ''وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا'' (1) کے مظہر بنے رہے۔

اِسی طرح حضرت امام علی رضا نے بھی بنو عباسیہ کے تین مشہور بادشاہ ہارون الرشید اور اُس کے بیٹے امین رشید، مامون رشید کا عہد پایا اور مامون رشید نے اُنہیں اپنا ولی عہد بھی بنایا، انجام کار غداری کر کے زہر دیکر شہید کرایا لیکن دُنیا کی نگاہ میں ان کی قدر و منزلت کو کم کرانے کی ناپاک کوششوں میں کبھی کامیاب نہ ہو سکے، ورنہ زہر دیکر شہید کرانے کی ضرورت ہی نہ ہوتی کیوں کہ ایسے مقدس حضرات کے لیے شریعت سے خلاف مشہور ہونے کی موت زہر ہلاہل کی موت سے زیادہ موثر ہوتی ہے تو پھر ان کے کردار کو حق کا ترازو کہے بغیر کون رہ سکتا ہے۔

یہی حال حضرت امام محمد تقی کا بھی ہے کہ اُنہوں نے بنو عباسیہ کے دو بادشاہ مامون رشید اور معتصم عباسی کے دور میں رُشد و ہدایت کا چراغ جلائے رکھا حکومت کی طرف سے ان کے خلاف ہر طرح کی ریشہ دوانیوں کے باوجود کتاب و سنت اور شریعت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کے خلاف کوئی نکتہ ہاتھ نہیں آیا۔ اگر کچھ کمزوری ہوتی ضرور اُن کے ہاتھ آتی کیوں کہ وہ اِن حضرات کو بدنام کرانے کی کوششوں میں اپنی مثال آپ تھے۔ جب مامون رشید نے دیکھا کہ یہ گوہر نایاب یگانہ روزگار ہے تب اپنی بیٹی ''اُم الفضل'' کے ساتھ آپ کی شادی کرا کر حضرت کو اپنا داماد بنا دیا اور عمر بھر اُن کی عقیدت مندی میں گزاری جو مشہور اُصولِ فطرت ''الفضل ماشهدت به الاعداء'' کا مظہر ہے۔

---

(1) النمل، 14۔

یہی حال حضرت امام محمد تقی کا بھی ہے کہ بالترتیب مندرجہ ذیل پانچ بادشاہانِ بنو عباسیہ (معتصم باللہ، واثق ابن معتصم، متوکل، مستنصر ابن متوکل، زبیر ابن المتوکل المشہور فی العرف "معتز باللہ") کے مختلف ادوار کی بے اعتدالیوں میں اپنے دامن کو بچا کر رُشد وہدایت کا سلسلہ جاری رکھا اور ان کج کلاہوں کے مظالم اور قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں لیکن صراط مستقیم سے عدول کبھی نہیں کیا جو آیت کریمہ "اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ" (1) کا مظہر ہے۔

یہی حال حضرت امام ابو محمد حسن عسکری کا بھی ہے کہ اُنہوں نے تین عباسی کج کلاہوں (متوکل باللہ، مستنصر باللہ، معتز باللہ) جیسے بادشاہوں کے مظالم برداشت کیے لیکن اِنابت الی اللہ کے جادہ مستقیم سے ہٹنے کا کوئی ثبوت اُنہیں نہیں ملا۔

اہل بیت نبوت میں روحانی امامت کی مرکزیت کی آخری کڑی حضرت امام محمد المہدی المنتظر کی بے مثل روحانیت وکمال کے لیے نبی اکرم سید عالم ﷺ کی وہ پیش گوئی حجتِ تام ودلیل کافی ہے کہ وہ پوری دُنیا میں قرآن شریف کی حکومت قائم کریں گے، پوری دُنیا کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے اور نظامِ مصطفیٰ ﷺ کی ضیاء پاشیوں سے پوری دُنیا کو منور کریں گے۔

اہل بیت نبوت کے اِس آخری امامِ برحق کی آمد کا قیامت کی سب سے بڑی علامت ہونے پر تمام مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ ہونے کی طرح اُن کے فضائل وکمالات کے بارے میں بھی سب کو اتفاق ہے اگر کچھ اختلاف ہے تو صرف اتنا کہ آیا وہ پیدا ہونے کے بعد غائب ہو چکے ہیں یا ابھی پیدا نہیں ہوئے بلکہ قربِ قیامت میں اپنے وقت مقررہ کے مطابق پیدا ہوں گے اور جوان ہونے کے بعد ظہور فرمائیں گے تو اپنے جدِ امجد سیدِ عالم ﷺ کی شریعت کو اصل شکل میں نافذ کریں گے۔ اِس حوالہ سے اہل تشیع پہلی صورت کے قائل ہیں بلکہ یہ اُن کے نزدیک ضروریاتِ مذہبیہ کے زمرہ میں شامل ہے جبکہ اہل سنت وجماعت دوسری صورت کے قائل ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ اُن کا وجودِ مسعود اور اُن کی آمد وظہور

(1) فصلت،30۔

اور اُن کے فضائل وکمالات دونوں فریقوں کے نزدیک مسلّم ہیں۔

ایک اشتباہ کا ازالہ:۔

یہاں پر کسی کو یہ اشتباہ نہ ہونا چاہئے کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کی ذریت طیبہ کے سوا دوسرے حضرات کے فضائل کو تسلیم نہیں کرتے ہیں (حَاشَا وَ کَلَّا) ایسا تصور ہی ناجائز ہے بلکہ ہم یہاں پر پیش آمدہ سوال کا جواب دینے کے سلسلہ میں صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اہل بیت نبوۃ کے یہ حضرات بلاتفریق مسلک تمام مسلمانوں کے مسلمہ پیشوا ہیں اور عصمت بمعنی حفاظت میں ہمارے اہل سنت اکابرین نے بھی انہیں معصوم کہا ہے جبکہ دوسرے خلفاء راشدین اور صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اپنی جگہ ناقابلِ انکار ہیں کسی ایک سے بھی انحراف کی گنجائش اسلام میں نہیں ہے یہ الگ بات ہے کہ بعض کی بابت شیعہ استعمار نے اور بعض کے حوالہ سے سُنی استعمار نے انکار کی ایسی ایسی مثالیں قائم کی ہیں جن کا تصور ہی اسلام میں نہیں ہے۔

حضرات شیخین کریمین کی عظمتِ شان سے متعلق حضرت علی کا وہ اعتراف جو کوفہ کے منبر پر بیٹھ کر علی رؤس الاشہاد کہا کرتے تھے "خَیرُ ھٰذِهِ الْاُمَّةِ بَعْدَ نَبِیِّھَا اَبُوْ بَکْرٍ ثُمَّ عُمَر "(2) ناقابلِ انکار دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت کا کرشمہ ہے کہ عام صحابہ رسول سے لے کر خواص اہل بیت نبوت کے ان ذوات قدسیہ تک ہر شخص کو اُس کی ازلی استعداد کے مطابق ایسے ایسے فضائل وکمالات سے نوازا ہے کہ بعض میں سب شریک ہیں جبکہ بعض میں ایسی انفرادیت ہے کہ اُس کے سوا کسی اور کو نہیں ملا یعنی "ہر گلے را رنگ وبوئے دیگر است" تو پھر مقبولانِ بارگاہ اہل بیت نبوت کی اِن سعادت مندوں سے متعلق منفی سوچ رکھنے والوں کا پس منظر شقاوت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

ایک اور اشتباہ کا ازالہ:۔ اہل بیت نبوۃ اور خاص کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل سے متعلق جامع صغیر وغیرہ کتب حدیث سے ہم نے جو روایات یہاں پر بیان کی اُن سے متعلق شاید کوئی یہ

(1) مختصر التحفة الاثنی عشریة شاہ عبدالعزیز، ص310، مطبوعه المکتبة الحقیقیه استنبول ترکیه۔

کہے کہ یہ ضعیف ہیں یا موضوع ہیں جن سے استدلال کرنا جائز نہیں ہے۔

اِس کا جواب یہ ہے کہ اِن میں کوئی ایسی روایت نہیں ہے جسے محدثین نے نا قابلِ استدلال کہہ کر مسترد کیا ہو یا سب نے موضوع و من گھڑت کہہ کر رد کیا ہو بلکہ امر واقع اِس طرح ہے کہ کسی ایک نے اپنی سمجھ کے مطابق اُسے مسترد کیا ہے تو دوسرے نے اُس سے برعکس اپنی تحقیق کے مطابق قابلِ عمل سمجھ کر تخریج کی ہے یہاں پر ہمارے بیان کردہ تمام روایات کا یہی حال ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی جیسے جامع الشریعۃ والحقیقۃ عارف نے اور امام سیوطی جیسے حاذق الحدیث ہستیوں نے ان پر اعتماد کیا ہے جبکہ کسی موضوع اور من گھڑت بات کو حدیثِ نبوی ﷺ کہنا یا اُسے حدیثِ نبوی ﷺ کے عنوان سے نقل کرنا بجائے خود گناہ و معصیت ہے اور حدیث نبوی ﷺ "مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ" کی وعید میں شمار ہوتا ہے جس کی نسبت ان پاک ہستیوں کی طرف نہیں کی جاسکتی۔ اور یہ بھی ہے کہ اِس قسم متنازعہ روایات سے متعلق احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ انہیں شک کے درجہ میں رکھ کر "اِنْ ثَبَتَ عَنْہُ عَلَیْہِ السَّلَام فَکَذَا" کہا جائے ہم نے بھی یہاں پر انہیں اِسی انداز پر درج کیا ہے۔ (وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَتِ الْحَالِ وَعلمہ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَتَمّ)

اِس پوری تفصیل سے ہمارا مقصد پیش آمدہ مسئلہ کا جواب پیش کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لے کر امام محمد الحسن العسکری تک یہ تمام آئمہ اسلام رشد و ہدایت کے سرچشمہ ہیں بلا تخصیص مسلک جملہ مسلمانانِ عالم کے پیشوا ہیں، سب کے لیے قابلِ عزت و احترام ہیں جن کے بغیر سلسلہ طریقت کا تسلسل ممکن ہے نہ روحانی کنکشن کا اتصال، ان کے توسل سے انکار کی گنجائش ہے نہ ان کی عظمتِ مقام سے، اُن کی عصمت بمعنی محفوظ عن الذنوب ہونے میں شک کی مجال ہے نہ اُن کی پیشوائیت میں اور ان کے فضائل کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث طیبہ سے لے کر بزرگانِ دین کے اقوال تک بڑا ذخیرہ موجود ہے اور پیشروانِ اسلام کے سلسلہ دراز میں بعض نے اُن کی سیرت طیبہ کا ایک پہلو بیان کیا ہے تو بعض نے دوسرا بیان کیا، ایک طبقہ نے ان کی روحانیت کی وسعت کا تذکرہ کیا تو دوسرے

طبقہ نے ان کی پیشوائیت و امامت کا چرچا کیا، ایک نے ان کی محبت کو مقتضائے ایمان قرار دیا تو دوسرے نے ان کے ساتھ عقیدت رکھنے کو خاتمہ بالایمان کی ضمانت کہا۔ سلسلۂ اسلاف میں بعض اہل کشف نے نہ صرف انکی ذوات قدسیہ کو ہی بلکہ ان کے ناموں کو بھی حلِ مشکلات کے لیے اکسیر اعظم قرار دیا وہ کون سا صاحب طریقت ہوسکتا ہے جو نسخہ ''نادِ علی'' کی مشکل کشائی سے نا آشنا ہو یعنی شہرہ آفاق نسخہ کمال؛

نَادِ عَلِیًّا مَظْهَرَ الْعَجَائِبِ — تجده عونا لکَ فِی النَّوَآئِبِ

کُلّ هَمٍّ وَغَمٍّ لَکَ سَیَنْجَلِی — بِوَلَایَتِکَ یَا عَلِیّ یَاعَلِیّ یَاعَلِیّ

اِس کا مفہوم یہ ہے کہ تو ندا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جن کی ذاتِ گرامی عجائبات کی مظہر ہے اُنہیں ناگہانی آفتوں اور مصیبتوں میں اپنا مددگار پائے گا ہر رنج وغم دور ہوجائے گا آپ کی ولایت سے، اے علی، اے علی، اے علی۔

یا وہ کون سا محدث ایسا ہوسکتا ہے جسے مندرجہ ذیل سندِ حدیث کی معنوی تاثیر کی خبر نہ ہو؛

''حَدَّثَنِی اَلْاِمَامُ علی الرضا عَنْ اَبِیهِ مُوسٰی الْکَاظِمِ عَنْ اَبِیهِ جَعْفَرِ الصَّادِقِ عَنْ اَبِیهِ الْاَمَام مُحَمَّدِ بَاقِر عَنْ اَبِیهِ عَلِیِّ ابنِ حُسِیْنُ عَنْ اَبِیهِ الْاِمَام حُسَین عَنْ اَبِیهِ عَلِیِّ ابن اَبِی طَالِب عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم''

جس کے متعلق محدثین نے لکھا ہے کہ ''لَوْ قُرِءَ عَلَی الْمَجْنُونِ لبرء''(1)

اِس کا مفہوم یہ ہے کہ اِن مقدس ناموں پر مشتمل سند کو پڑھ کر مجنون پر دم کیا جائے اُس کے شفایاب ہونے میں شک نہیں رہے گا۔

اسی طرح وہ کون سا صاحب نسبت ایسا ہوسکتا ہے جسے مندرجہ ذیل نسخہ کمال کی تاثیر کا تجربہ نہ ہو؛

لِیْ خَمْسَةٌ اُطْفِی بهاناحَرَّ الْوَبَآءِ الْحَاطِمَه

اَلْمُصْطَفٰی وَالْمُرْتَضٰی وَاَبْنَاهُمَا وَالفَاطِمَه

(1) ابن ماجه شریف، حدیث نمبر56، باب فی الایمان، ص102، مطبوعه مکتبه رحمانیه لاهور۔

اہلِ بیت نبوت کی اِن مقدس ہستیوں کے حوالہ سے بزرگانِ دین کے یہ تجربات، مشاہدات اور نسخہائے
کمال کے یہ اثرات ہر اُس جگہ پائے جاسکتے ہیں جہاں پر ہر دو طرف سے عقیدت و یقین ہو، پڑھنے
والا للہ فی اللہ مخلص ہونے کے ساتھ اتصالِ سند رکھتا ہو اور قوتِ فکری و عملی کی امانتوں کو اِن حضرات کی
رضا کے مطابق صرف کرتا ہو۔ اسلاف کے فرمودہ ''سَلِ الْمُجَرِّبَ وَلَاتَسْئَلِ الْحَكِيْم'' کے
مطابق تحدیثِ نعمت کے طور پر سپردِ قلم کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق، نبی اکرم سیدِ عالم ﷺ کی نگاہ
عنایت اور ان پاک ہستیوں کے ساتھ روحانی اتصالِ نسبت کی بدولت ہمیں بھی اِس کا عملی تجربہ
ہے۔ (فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اَوَّلاً وَّآخِرًا، ظَاهِرًا وَّبَاطِنًا)

اہلِ نبوۃ کے اِن مقدس حضرات کی برکات و فیوضات کے اِن مشاہدات کی روشنی میں وہ کون سا
مسلمان ہوسکتا ہے جو ان کی پیشوائیت و امامت پر فخر نہ کرے، یا ان کے باطنی اثرات و افاضات میں
شک کرے۔ یہ الگ بات ہے کہ جو شخص اسلاف کی وساطت سے ہی انکار کرے اور جن کی روایت و
کردار اور عمل و قربانیوں کے نتیجہ میں اصل دین اسلام قرناً بعد قرن آئندہ نسلوں کو منتقل ہوتے ہوتے ہم
تک پہنچا ہے اُن کی اہمیت و حقوق سے منہ پھیر کر بلاواسطہ صاحبِ رسالت علیہ السلام سے مربوط ہونے کے
زعم میں مبتلا ہو۔ ایسے نامعقول شخص کو سمجھانے کا طریقہ ہی جدا ہے جبکہ پیشِ نظر سوالنامہ کسی ایسے
نامعقول شخص کی طرف سے نہیں بلکہ سوادِ اعظم اہلسنت و جماعت کی چاردیواری والوں کی طرف سے
ہے جن کی فہمائش کے لیے اِسی چاردیواری کے بزرگوں کا قول و عمل سامنے لانا کافی ہے اِس تحریر میں
ہم نے ایسا ہی کیا ہے۔

والسلام

عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفٰى ﷺ

وَاَنَا الْعَبْدُ الضَّعِيْفُ

پیر محمد چشتی ......13 اکتوبر 2012ء

ایک اہم شرعی فیصلہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آغازِ سخن یہ کہ نبی الانبیاء والمرسلین رحمۃ للعالمین سید الاولین والآخرین حبیب رَبُّ الْعٰلَمِین ﷺ کی ذاتِ اَقدس کو موضوع بحث بنا کر علماء پنجاب اور برادرم محترم شیخ الحدیث مولانا محمد اشرف السیالوی کے مابین کئی سالوں سے جو تنازعہ چلا آ رہا تھا۔ اُس سلسلہ میں کچھ میرے ساتھ نسبت تلمذ رکھنے والے اور کچھ دوسرے علماء کرام نے متعدد بار مجھ سے رابطہ کر کے ماہنامہ آوازِ حق میں اظہارِ خیال کرنے کو کہا اور بعض نے اِس حوالہ سے جانبِ حق کی نشان دہی کرنے پر زور دیا اور بعض پُر خلوص حضرات نے فریقین کو بیٹھا کر اِس کے انسداد و تصفیہ کرانے کو کہا لیکن ہمیں اُس وقت مسئلہ کی نزاکت کا کوئی علم تھا اور نہ مافیہ النزاع کی تشخیص کی طرف کسی نے توجہ دلائی تھی۔ ہم نے یہ سمجھ کر ہمیشہ اِس سے کنارہ کش رہنے کی کوشش کی کہ یہ اَرضِ پنجاب کی ذرخیزی کا نتیجہ ہے جس میں تعمیری فکر وعمل کے بجائے غیر ضروری مسائل میں ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچنے کا تسلسل جاری رہتا ہے۔ تقریباً دو تین سال قبل ہمارے مرحوم اُستاذ مولانا عطاء محمد (نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف) کے سالانہ عرس کے موقع پر بھی اِس حوالہ سے شور شرابہ کی فضا دیکھ کر ہمیں افسوس ہوا پھر بھی ہم نے اِسے پنجاب کی مخصوص عادت کے سوا اور کچھ نہیں سمجھا۔ مجھے اِس کی نزاکت وحساسیت کا احساس تب ہوا جب میں نے برادرم شیخ الحدیث محمد اشرف سیالوی کی اِس موضوع پر لکھی ہوئی ''تحقیقات'' کے نام سے کتاب کو پڑھا اور اِسے پڑھنے کا اتفاق بھی اِس لیے ہوا کہ وہ میرے قابل احترام رفیق درس اور قابلِ فخر ساتھی کی تحریر تھی۔ نیز اُنہوں نے اِسے پڑھ کر تقریظ لکھنے کی فرمائش بھی کی تھی۔ کتاب کو پڑھنے کے بعد دل میں جو تاثر پیدا ہوا اُس کی کیفیت سے علیم بذات الصدور وحدہ لاشریک جل جلالہ وعم نوالہ کو ہی علم ہے کہ مجھ پر کیا گزری۔

انجامِ کار مسئلہ کی نزاکت کا احساس ہوا، مافیہ النزاع نکھر کر سامنے آ گیا اور اپنی مسئولیت سے متعلق شرح صدر کی توفیق نصیب ہوئی۔ دل ہی دل میں اِس نزاع کو سمیٹنے کا فیصلہ کیا سب سے پہلے برادرِ محترم فضلاء بندیال کے سالارِ قافلہ صاحبزادہ والا شان مولانا عبد الحق سجادہ نشین بندیال شریف کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی اِس کے دوسرے دن حضرت اُستاذی الکریم مولانا عطاء محمد (نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهُ الشَّرِيْف) کے عرس کے موقع پر اس نزاع کو سمیٹ کر ما ہوالحق کو دُنیا کے سامنے لانے کا اعلان کیا جسے فریقین نے سراہا اور ہمیں دُعاؤں سے نوازا۔ نمازِ ظہر اور اجتماعی طعام سے فارغ ہونے کے بعد رفیقِ محترم حضرت مولانا محمد اشرف سیالوی کے ساتھ تنہائی میں مجلس کی۔ حضرت کا شکر گزار ہوں کہ اُنہوں نے صمیم قلب سے مجھ پر اعتماد کیا اور قال اللہ وقال الرسول کی روشنی میں ہر شرعی فیصلہ کو تسلیم کرنے کا کہا جس پر استقامت دِکھاتے ہوئے بعد میں دستخطی تحریر بھی دی۔ جس کے بعد دوسرے فریق کے متفرق حضرات سے رابطہ کرتا رہا جن کی بے مصرف لیت ولعل کی وجہ سے کافی وقت ضائع ہوا آخرکار کچھ دردِ دل رکھنے والے مخلصین نے باہمی مشورہ کرنے کے بعد قال اللہ وقال الرسول کے مطابق ہر شرعی فیصلہ کو تسلیم کرنے کے لیے تحریر دے دی۔ جس کے بعد دیگر مصروفیات کو ملتوی کر کے اولین فرصت میں اِس اہم شرعی فیصلہ کو ضبطِ تحریر میں لایا جو آپ کے ہاتھ میں ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ...

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ اَمَّا بَعْدُ

پیشِ نظر متنازعہ مسئلہ کے حوالہ سے اسلام کے چند مسلمات ایسے ہیں جو روزِ اول سے لے کر اب تک نہ صرف اہل سنت وجماعت کی چار دیواری میں بلکہ کل مکاتب فکر اہل اسلام کے مابین قدرِ مشترک چلے آ رہے ہیں؛

اول:۔ افرادِ اُمت اپنے نبی سیدِ عالم ﷺ کی ذات کو وصفِ نبوت کے ساتھ متصف عقیدہ رکھنے پر

لف ہیں کہ ہمارے آقا ومولیٰ سیدِ عالم ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے برحق نبی ورسول ہیں جس میں
فت وموصوف یعنی ذاتِ اقدس اور اُسکی نبوت کے سوا روحانیت، جسمانیت، بالقوۃ بالفعل اور تاریخ
صاف جیسے کسی اور چیز یا تفصیل کیساتھ مکلف ہے نہ مسئول۔ بلکہ تفصیل کی ایسی جتنی بھی شکلیں ہوسکتی
ں وہ سب کے سب ''لکل مقام مقال ولکل مقال رجال'' سے متعلق ہیں جن کو تقریر وتحریر کے
لیے موضوعِ سُخن بنانا نا آشنا قلوب واذہان کے لیے شکوک وشبہات کا موجب بن سکتا ہے۔

وم:۔ ذاتِ اقدس سیدِ عالم ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے کا تقاضا یہ ہے کہ وصفِ اُلوہیت اور اُس
کے خواص ولوازمات کے سوا ہر وصفِ کمال کے ساتھ آپ ﷺ کو متصف سمجھا جائے اور کسی بھی وصفِ
کمال کی کسی بھی اعتبار سے آپ ﷺ سے نفی نہ کی جائے ورنہ تقاضائے محبت وتعظیم کے منافی
وگا۔ جس کی ایک جھلک ''دَعْ مَاادَّعَتْهُ النَّصَارٰى فِي نَبِيِّهِمْ..... وَاحْكُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِيْهِ
احتکم'' ہے جو بلانکیر ہر خطیب کا موضوعِ بیان چلا آرہا ہے۔ (هَلُمَّ جَرًّا)

سوم:۔ تعظیم نبوی ﷺ لازمہ ایمان ہونے کی بنا پر بلا تفریق جملہ مسلمانوں پر فرض ولازم اور توہین و
بے ادبی حرام ہے۔ نیز بے ادبی کا تعلق انسانوں کے عرف سے ہے یعنی انسانوں کے عرف میں جس
بات کو یا جس اندازِ کلام کو شانِ نبوت کے حوالہ سے ادب کے منافی سمجھا جاتا ہو اُس کی اجازت اسلام
میں نہیں ہے۔ اسلاف کی روشنی میں اِسکی ایک جھلک یہ ہے کہ امام بخاری (رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰى عَلَيْهِ) نے
حضرت سُفیان ابن عینیہ کا تفسیر قرآن کے حوالہ سے وہ قول نقل کیا ہے جس میں اُنہوں نے فرمایا ہے؛

''مَا كَانَ فِي الْقُرْاٰنِ وَمَااَدْرٰكَ فَقَدْ اَعْلَمَهٗ وَمَا قَالَ وَمَا يُدْرِيْكَ فَاِنَّهٗ لَمْ يُعْلِمْهُ''

یعنی قرآن شریف کے جن مقامات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو مخاطب کر کے ''وَمَا اَدْرٰكَ'' فرمایا ہے اُن سے متعلق اُنہیں علم دیا ہے اور جن مقامات میں ''وَمَا يُدْرِيْكَ'' فرمایا ہے اُن کا علم نہیں دیا۔ (1)

(1) بخاری شریف، ج 1، کتاب الصوم، ص 270۔

اِس کی تشریح کرتے ہوئے شارح عینی نے عمدۃ القاری میں اُن پر اعتراض کیا ہے کہ نبی اکرم رحمتِ عالم ﷺ کی شان میں "لَمْ یُعْلِمْهُ" کہنا سوءِ ادب ہے یعنی حضرت سُفیان ابن عیینہ کا اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ "وَمَا یُدْرِیکَ" کے نزول کے وقت تک اِن کا علم حبیب اکرم ﷺ کو عطا نہیں فرمایا تھا شانِ نبوت کے مناسب نہیں ہے۔ اُن کی اصل عبارت یوں ہے؛

"قُلْتُ فِی هٰذِهِ الْعِبَارَةِ اِسَاءَةُ الاَدَبِ لَا یَخْفٰی ذٰلِکَ عَلَی الْمُنْصِفِ" (1)

چہارم:۔ عوام کی رسائی فہم سے ماوراء یا نیم خواندہ حضرات کی سمجھ سے بالاتر یا موجبِ انکار مسائل کو موضوعِ سخن بنانا جائز نہیں ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ نور اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا؛

"حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا یَعْرِفُونَ اَتُحِبُّونَ اَن یُکَذَّبَ اللّٰهُ وَ رَسُولُهُ" (2)

اِس سے پہلے امام بخاری نے جو ترجمۃ الباب بعنوان "بَابُ مَنْ تَرَکَ بَعْضَ الْاِخْتِیَارِ مَخَافَةَ اَنْ یُقَصِّرَ فَهْمُ بَعْضِ النَّاسِ فَیَقَعُوا فِی اَشَدَّ مِنْهُ" باندھا ہے اُس سے مقصد بھی اسلام کے اِس مُسلمہ اُصول کو ظاہر کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے جو حدیث پڑھانے والے حضرات سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اِس جیسی روایت حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔ اُنہوں نے فرمایا؛

"مَا اَنْتَ بِمُحَدِّثٍ قَوْمًا حَدِیثًا لَا تَبْلُغُهُ عُقُولُهُمْ اِلَّا کَانَ لِبَعْضِهِمْ فِتْنَةً" (3)

یہی مضمون حدیثوں میں اِس طرح بھی آیا ہے؛

"مَا اَنْتَ مُحَدِّثٌ قَوْمًا حَدِیثًا لَا تَبْلُغُهُ عُقُولُهُمْ اِلَّا کَانَ عَلٰی بَعْضِهِمْ فِتْنَةً" (4)

---

(1) عمدة القاری علی البخاری، ج11، ص130، مطبوعه بیروت۔

(2) بخاری شریف، ج1، ص24، کتاب العلم۔ (3) مقدمه مسلم شریف، ص9۔

(4) الجامع الصغیر مِن احادیث البشیر النذیر، حدیث نمبر 7838، مع فیض القدیر، ج5، ص 427، مطبوعه بیروت۔

نیز حدیث شریف میں آیا ہے؛ ''اِیَّاکَ وَمَا یَسُوْءُ الْاُذُنُ'' (1)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایسی تقریر وتحریر اور گفتگو سے بچو جو کانوں کو بُری لگے۔

اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے فیض القدیر میں یہ روایت بھی نقل کی ہے؛

''دَعْ مَا یَسْبِقُ اِلَی الْقُلُوْبِ اِنْکَارُہٗ وَاِنْ کَانَ عِنْدَکَ اعْتِذَارُہٗ فَلَسْتَ بِمُوسِعِ عُذْرٍ کُلَّ مَنْ اَسْمَعْتَہٗ نُکْرًا''

جس کے وسیع مفہوم کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے دل جس بات کو سُننا گوارا نہیں کرتے اُسے بیان نہ کرا گرچہ تو اپنے دلائل سے مطمئن ہے اس لیے کہ جو نا مناسب بات تو نے دُنیا کو سنائی ہے اُس کی اُڑتی ہوئی گردش کا سامنا نہیں کرسکتا۔

فتاویٰ شامی میں ہے؛ ''مُجَرَّدُ اِیْہَامِ الْمَعْنَی الْمُحَالِ کَافٍ فِی الْمَنْعِ'' (2)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ از روئے شرع محظور ومحذور معنی کے مُوہم بات سے بچنا لازم ہے۔

پنجم:۔ کسی واقعی کلام یا کسی اسلامی حکم کے ہر لازمہ کو موضوعِ سُخن بنانا جائز نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَہُمْ عَلٰی بَعْضٍ'' (3)

یہ رسول ہیں کہ ہم نے اُن میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔

اور دوسرے مقام پر فرمایا؛

''وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ'' (4)

بے شک ہم نے نبیوں میں ایک کو ایک پر بڑائی دی۔

---

(1) الجامع الصغیر من احادیث البشیر النذیر، حدیث نمبر2889، ج3، ص118، مطبوعہ بیروت۔

(2) فتاویٰ شامی، ج5، ص280، مطبوعہ ماجدیہ کوئٹہ۔ (3) البقرہ، 253۔

(4) الاسراء، 55۔

کل مکاتب فکر اور جمہور مفسرین کرام کے مطابق تفضیل بین الانبیاء کا یہ تصور اِس کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے کہ جس وصف میں ایک کو دوسرے پر افضل و اعلیٰ کیا گیا ہے دوسرا اُس میں مفضول و ادنیٰ ہو ورنہ تفضیل کا کوئی تصور ہی نہیں رہتا۔ اِس کے باوجود قرآن وسنت میں کہیں بھی کسی رسول کو دوسرے سے کمتر یا ادنیٰ کہنے کی مثال موجود نہیں ہے جس کا واحد فلسفہ یہ ہے کہ اللہ کے مقدس رسولوں میں سے ہر ایک کی تعظیم و ادب کرنے کو جملہ مسلمانوں پر لازم اور کسی ایک کی بے ادبی کرنے کو بھی سب پر حرام قرار دیا گیا ہے۔ اسلام کے اِسی اُصولِ مسلمہ کے مطابق ہر اُس مسئلہ سے اجتناب لازم ہے جو بجائے خود کسی حقیقت کا نتیجہ یا کسی اسلامی عقیدہ کو لازم ہونے کے باوجود اُسے موضوعِ بحث بنانے سے شانِ الٰہی کی توہین یا بارگاہ نبوت میں بے ادبی ہو۔ نہ صرف واقعی توہین و بے ادبی بلکہ بے ادبی کے مُوہم ہو تب بھی ناجائز ہے۔ جس سے اُمت کو بچانے کے لیے اللہ کے رسول سید عالم ﷺ نے تفضیل بین الانبیاء کو موضوع بحث بنانے سے منع فرمایا ہے؛

''لَا تُخَيِّرُوْنِيْ عَلٰى مُوْسٰى'' (1) یعنی مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت مت دو۔

حالاں کہ آپ ﷺ بالیقین سید الاولین والآخرین ہیں جو کسی شک وشبہ کے بغیر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی افضل ہیں اسی طرح حدیث نبوی ہے کہ؛

''وَاَنَا اَكْرَمُ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ عَلَى اللهِ وَلَا فَخْرَ'' (2)

یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور میں حضرت آدم علیہ السلام کی تمام اولاد سے زیادہ مکرم ہوں۔

اِس بات کو مستلزم ہے کہ بالتفصیل ہر ایک پیغمبر اور ہر ایک رسول سے افضل ہیں لیکن اِس کے لازمہ کو لے کر یہ کہنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمارے رسول سیدِ عالم ﷺ سے مفضول و کمتر ہے یا یہ کہنا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہمارے نبی ﷺ سے ادنیٰ ہے بالیقین ناجائز ہوگا کیوں کہ بے ادبی کا موہم ہے اور بے ادبی کے مُوہم ہر کلام ناجائز ہوتا ہے۔ اگر چہ اُس کا مُعنوَن اور ماعنہ التعبیر کسی حقیقت کا لازمہ ہو۔ اِسی طرح

(1) مسلم شریف، ج2، ص 267۔ (2) مشکوٰۃ شریف، ص 514۔

حدیث نبوی ﷺ "لَوْ کَانَ مُوْسٰی حَیًّا مَا وَسِعَهٗ اِلَّا اتِّبَاعِیْ" (1) جیسے جتنے بھی نصوص ہیں وہ سب کے سب نبی اکرم رحمتِ عالم ﷺ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہونے کو مستلزم ہیں۔ اِس کے باوجود اللہ کے رسول سید عالم ﷺ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنی تفضیل کو موضوعِ بحث بنانے سے منع کرنے کا واحد فلسفہ اِس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ اِس قسم کی بحثیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان میں بے ادبی پر منتج ہوسکتی ہیں یا کم از کم بے ادبی کے موہم ہوسکتی ہیں جبکہ اللہ کے کسی بھی برحق پیغمبر کی شان میں بے ادبی کے مُوہم کلمہ کہنا بھی ممنوع و ناجائز ہے۔ اِس کے اشباہ و نظائر اور متعدد مثالیں قرآن وسنت میں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر اسلامی عقیدہ ہے کہ دنیا کی ہر شے اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اُس وحدہ لاشریک کی تقدیر ازلی کی تابع ہے۔ جیسے فرمایا؛

"اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ" (2)

یعنی دنیا کی ہر شے کو ہم نے تقدیر کے مطابق پیدا کیا ہے۔

نیز فرمایا؛ "وَاللّٰهُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ" (3)

یعنی تمہیں بھی اور تمہارے اعمال کو بھی اللہ ہی نے پیدا فرمایا ہے۔

کون نہیں جانتا کہ اِس قسم نصوص کثیرہ کے مطابق دنیا کی ہر چھوٹی بڑی اور ہر عظیم وحقیر اور ہر جائز وناجائز چیز اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے ورنہ کسی ایک چیز یا کسی ایک عمل کی پیدائش کو بھی اللہ سے نفی کرنا ضلالت و گمراہی سے خالی نہیں ہوگا۔ اِس کے باوجود اُس خالقِ کائنات جل جلالہ وعم نوالہ کے بارے میں یہ کہنا کہ "وہ گندگی و غلاظتوں کا خالق ہے" یا یہ کہنا کہ "وہ خالقِ الکفر والشرک ہے" یا یہ کہنا کہ "وہ گمراہیوں کا پیدا کرنے والا ہے" یا یہ کہا جائے کہ "وہ خالق الخنازیر والکلاب ہے" تو اِس کی اجازت اسلام میں نہیں ہے، عالم اسلام کے کسی مفتی نے اِسے موضوعِ بحث بنانے کو جائز کہا ہے نہ کہہ سکتا ہے

(1) مشکوٰۃ شریف، ص 30، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔

(2) القمر، 49۔ (3) الصفات، 96۔

کیوں کہ اِس میں شانِ الٰہی کی بے ادبی ہے۔ اگر ایسے کہنے والا کوئی شخص آیت کریمہ ''خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ'' سے یا آیت کریمہ ''خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ'' کے عموم سے اِس کے جواز پر استدلال کرے، اِسے اسلامی عقیدہ کا لازمہ ہونے کو حجت لائے تو اُسے یہی کہا جائے گا کہ ادب و بے ادبی کا تعلق عرف کے ساتھ ہے اور عرف میں ایسے کہنے کو شانِ الٰہی کی توہین و بے ادبی سمجھا جاتا ہے اور جس چیز کو عرف بے ادبی قرار دے، چاہے عرفِ عام ہو یا عرفِ شرع اُس کی اجازت اسلام میں نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ''(1)

اِس کے اشباہ ونظائر میں ایک یہ بھی ہے کہ لفظ ''علاّمہ'' کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پر جائز نہیں ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا عالم الغیب والشہادۃ ہونے کو جیسے علاّم لازم ہے ویسے ہی علاّمہ بھی لازم ہے بلکہ قیاس کا مقتضاء یہ ہے کہ علاّم کی بنسبت علاّمہ کا اطلاق بدرجہ اولیٰ جائز ہو کیوں کہ اِس میں تائے مبالغہ زیادہ ہے اور حرف کی زیادتی معنیٰ کے زیادہ ہونے پر دلالت کرتی ہے جو وسعتِ علمِ الٰہی کے زیادہ مناسب ہے اِس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ ''علاّمہ'' استعمال کرنا جائز نہیں ہے جس کی واحد وجہ یہی ہے کہ یہ بے ادبی کے مُوہم ہے کیوں کہ اِس کے آخر میں موجود حرف ''ت'' تانیث کے لیے نہیں بلکہ مبالغہ اور صرف مبالغہ کے لیے ہونے کے باوجود تانیث کی بُو سے خالی نہیں ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی شان میں تانیث کی بُو اور اس کا وہمہ دینے والے لفظ کو استعمال کرنا بھی بے ادبی اور ناجائز ہے۔

اِس کے اشباہ ونظائر میں یہ بھی ہے کہ لسانِ قرآنی کی لُغت اور مفسرین کرام کی تصریحات کے مطابق طاغوت کے ایک معنیٰ ''کُلُّ مَا عُبِدَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ'' بھی ہے یعنی ہر وہ چیز طاغوت ہے اللہ تعالیٰ کے سوا جس کی عبادت کی گئی ہو۔ شریعت کی اجازت اور قرآن وسنت کی روشنی سے قطع نظر کرکے دیکھا جائے تو اِس کو لازم ہے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر (عَلَیْهِمَا السَّلَام) کو بھی طاغوت کہا جائے

(1) الاعراف، 199۔

کیوں کہ مشرکین نے اُن کی عبادت کی ہوئی ہیں۔ حالاں کہ قال اللہ وقال الرسول کی روشنی میں ایسا کہنے کی اجازت محض اِس وجہ سے نہیں ہے کہ ایسا کہنا اُن معصوم ومقدس حضرات کی شان میں بے ادبی ہے۔(اَعَاذَنَااللّٰهُ مِنْهُ)

اِس کے اشباہ ونظائر میں یہ بھی ہے کہ ہر نبی کی بعثت یا ایک دو کو مستثنیٰ کر کے باقی تمام انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی بعثت عمر کے چالیس سال پورے ہونے کے بعد ہوتی رہی ہے جس کے لوازمات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس مقصد کے لیے بعثتِ نبوی وجود میں لائی جاتی ہے یعنی تبلیغ اِس کے حوالہ سے چالیس سال سے قبل والی مدت میں مبعوثیت والی صفت موجود نہ ہو ورنہ تحصیل حاصل ہوگی جو نامعقول و ناجائز ہے۔

بعثتِ انبیاء (عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالتَّسْلِيْم) کی مدۃ العمر کے حوالہ سے اسلامی عقیدہ کے اِس لازمہ سے استدلال کرتے ہوئے کسی پیغمبر علیہ السلام کے بارے میں یہ کہا جائے کہ ”وہ چالیس سال سے پہلے نبی نہیں تھے“ تو یہ ادب کے منافی ہوگا یعنی کسی بھی پیغمبر برحق علیہ السلام سے متعلق یہ کہنا کہ ”وہ چالیس کے بعد مبعوث ہوئے“ عین حقیقت ہے نصوص سے ثابت ہے اور کل مکاتب فکر اہل اسلام کا نہ صرف عقیدہ بلکہ گفتہ بھی ہے جس سے اُن کی کتابیں بھری پڑی ہیں لیکن اِس کے لازمہ سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہنا کہ ”وہ چالیس سال سے پہلے نبی نہیں تھے“ ادب کے منافی ہونے کے ساتھ اہل اسلام کے انداز سے بھی خلاف ہوگا جس کی اجازت اسلام میں نہیں ہے کیوں کہ قرآن وسنت میں کہیں بھی ذوات قدسیہ انبیاء ومرسلین (عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالتَّسْلِيْم) کا تذکرہ اِس انداز سے نہیں آیا ہے جس کی واحد وجہ اِس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ یہ اُن کی عظمتِ شان کے منافی ہے۔ اور سوٗ ادب کی بُو سے خالی نہیں ہے جب اللہ تعالیٰ کے کسی بھی برحق نبی سے کسی طرح بھی نبوت یا ولایت یا اِن کی لوازمات ضروریہ کی نفی سے متعلق لب کشائی کرنا جائز نہیں ہے اور سوٗ ادب سے خالی نہیں ہے تو پھر ہمارے آقا و مولیٰ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ایسے کلام کے جواز کا تصور ہی ممکن نہیں رہتا۔ چہ جائیکہ اِسے موضوعِ سخن بنایا

جائے، جسد عنصری کے حوالہ سے عمر مبارک کے چالیس سال تک جسمانی نبوت کی بالفعل نفی کرنا، اِسے موضوعِ سُخن بنانا اور علمی باریکیوں سے غیر مانوس نیم خواندہ حضرات وعوام کے سامنے اِسے بیان کرنا دور کی بات ہے بلکہ ایک دن ایک گھنٹہ اور ایک لحظہ کے لیے بھی نبی الانبیاء والمرسلین، منبع النبوۃ والرسالت ﷺ سے نبوت یا ولایت یا اِن کے لوازماتِ ضروریہ کی نفی کرنے کا تصور اسلام میں نہیں ہے۔ اِس حوالہ سے فریقین سے مخاطِب ہوں کہ ابتک اِس موضوع سے متعلق جو کچھ لکھا جاچکا ہے اُسے عظمتِ شانِ نبوی ﷺ کی خاطر تلف کریں اور یقین کریں کہ اپنی مَن وپسند کو عظمتِ شانِ نبوت ﷺ پر قربان کرنا ہی اصل ایمان ہے۔ عمر بھر

وَانْسُبْ اِلٰی ذَاتِہٖ مَاشِئْتَ مِنْ شَرَفٍ...... وَانْسُبْ اِلٰی قَدْرِہٖ مَا شِئْتَ مِنْ عِظَمٍ

جیسے مضامین کی تبلیغ کرنے والے حضرات کو ہر گز زیبا نہیں کہ مظہر ذاتِ الٰہی ﷺ کی ذات اقدس کو موضوع نزاع بنا کر اپنی توانائیوں کو ضائع کریں۔ آخر میں بالترتیب فریقین کی خدمت میں۔

آپ کے حق بھی فرض بھی عالی	خود بھی عالی ہیں ظرف بھی عالی
پر بزرگوں کا احترام ہے قرض	کلی تقلید گر نہ مانو فرض

(اَللّٰھُمَّ وَفِّقْ لَنَا وَلَھُمْ لِلْاِنَابَۃِ وَالْاِسْتِقَامَۃِ وَاِمَاتَۃِ النَّفْسِ وَصَلَّی اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِہٖ وَاَفْضَلِ اَنْبِیَآئِہٖ وَالْمُرْسَلِیْنَ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ)

کچھ اعتراضات کا جواب:۔ نبی اکرم سید عالم ﷺ کی نبوت مقدسہ کے وقتِ آغاز کے حوالہ سے علامہ محمد اشرف سیالوی اور دوسرے علماء پنجاب کے مابین جاری تنازعہ کو ختم کرنے کے لیے ہم نے جس اخلاص کے ساتھ "شرعی فیصلہ" شائع کیا تھا اُس میں فریقین کے لیے سکون واطمینان اور خوشی کا سامان تھا، غیر جانبداری کا ثبوت اور اصل حقیقت کا اظہار تھا خاص کر حضرت علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہ کو انکارِ نبوت کے اِس ناکردہ گناہ کی بدنامی سے نکلنے کی باوقار سبیل تھی کاش وہ مسئلہ کی حساسیت کا خیال

رکھتے ہوئے اُسے تسلیم کرتے تو بالیقین عندالناس مشکور اور عنداللہ ماجور ہوتے۔ نیز یہ کہ اُس میں کسی کی جیت وہار اور فریقین میں سے کسی کی دل آزاری کا کوئی پہلو نہیں تھا۔ نہ صراحتاً نہ اشارۃً بلکہ اللہ وحدہ لاشریک کو حاضر و ناظر جان کر اصلاح بین الفریقین اور غلط فہمیوں کے ازالہ کی مخلصانہ کوشش تھی، ہر دو جانب سے لکھی گئی کتابوں کی بے مصرف محنت اور بے سمت رسہ کشیوں کو ظاہر کر کے مسئلہ کو طول دینے کے بجائے اختصار سے کام لیا گیا تھا، فریقین پر اعتماد کیا گیا تھا کہ فیصلہ کا اختیار دینے کے بعد صادر کئے جانے والے فیصلہ کو تسلیم کرنے سے انکار نہیں کریں گے۔ اگر ہمیں یہ علم ہوتا کہ ایک فریق محض اپنی پسند کا فیصلہ صادر کرانے کے لیے ہمیں مختار نامہ دے رہا ہے تو ہم اُسے کبھی قبول نہ کرتے۔ ہمیں اِس کا علم تب ہوا کہ ماہنامہ آوازِ حق پشاور کے شمارہ فروری 2011ء میں شرعی فیصلہ شائع ہونے کے بعد ہم نے علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب سے ٹیلیفون پر رابطہ کیا اور فیصلہ کی کاپی جو بذریعہ رجسٹری اُنہیں بھیجی گئی تھی اُس کی وصول یابی کی تصدیق چاہی اور لاہور یا کسی بھی مناسب جگہ میں فریقین کو اکٹھے کر کے گزشتہ کی تلخیوں اور غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے اُن سے گزارش کی تاکہ اختلاف کی کوئی بھی صورت آئندہ رونما ہونے کے امکانات ختم ہو جائیں جس پر علامہ محمد اشرف صاحب نے فرمایا کہ آج کل میں میلاد شریف کے جلسوں میں مصروف ہوں۔ ربیع الاول کے ایام گزرنے کے بعد ممکن ہو سکتا ہے، ہم انتظار کرتے رہے ربیع الاول کے ایام بھی گزر گئے، حضرت مولانا صاحب نے ہم سے قطعاً کوئی رابطہ نہیں کیا اگر ہمارے "شرعی فیصلہ" کے بارے میں اُنہیں تحفظات تھے تو اُن کا اخلاقی فریضہ بنتا تھا کہ ہم سے رابطہ کر کے افہام و تفہیم کی سبیل بناتے جس کے برعکس آج دیکھنے میں آیا کہ حضرت برادرم علامہ محمد اشرف سیالوی اِس "شرعی فیصلہ" کو تسلیم کرنے سے انکار پر مشتمل مضمون چھاپ کر تقسیم کر رہے ہیں۔ ہمارے فیصلہ کو تسلیم کرنے یا نہ کرنے کے حوالہ سے وہ فاعلِ مختار ہیں لیکن اختلاف کے اِس انداز کو مہذب ردِ عمل ہر گز نہیں کہا جا سکتا۔ جس بات کو باہمی افہام و تفہم بذریعہ شفاہی گف و شنید یا بذریعہ کتابی مذاکرہ سے سلجھایا جا سکتا ہو اُسے بازار میں لانا اکابرین کو ہر گز زیب نہیں دیتا۔

علامہ اشرف سیالوی نے اس انکاری ردِعمل بنام ''کیا یہ فیصلہ ہے؟'' کو دارالاسلام دوکان نمبر 5 بیسمنٹ جیلانی سنز احاطہ شاہدریاں اُردو بازار لاہور سے کتب فروشی کے اشتہار کے ساتھ یکجا شائع کیا ہے۔ جس پر قیمت ۵ روپے لکھی ہوئی ہے۔ اِس کے بجائے برادرم محترم کو زیبا تھا کہ اپنے تحفظات کے حوالہ سے میرے ساتھ رابطہ کرتے میرے فیصلہ سے متعلق جو سوالات یا جو شکوے یا اِس کے جانبداری پر مبنی ہونے کی غلط فہمی جیسے جو کچھ بازار میں لائے ہیں اگر صرف میرے علم میں لاتے تو مہذب انداز سے فیصلہ کی اہمیت کو سمجھنے میں مدد ملتی اِس سے قبل بالترتیب خوشاب اور لاہور سے حضرت مولانا محمد اشرف سیالوی مدظلہ کے دو متعلقین نے فیصلہ سے عدمِ اتفاق اور اُس کے حوالہ سے چند سوالات پر مشتمل مکتوب بھیجے تھے جس سے مجھے حضرت مولانا صاحب کے ردِعمل کا بھی اشارہ مل گیا تھا کہ وہ میرے فیصلہ سے راضی نہیں ہیں جس پر میں نے خود حضرت مولانا کے پاس سرگودھا جا کر اُن کا مغالطہ دور کرنے کا ارادہ کرلیا جو گھریلو مسائل بچے کی شادی، نقل مکانی جیسے گوناگوں مسائل میرے پاؤں کی زنجیر بنے رہے۔ تاوقتیکہ حضرت مولانا صاحب کا میرے فیصلہ پر انکاری ردِعمل بازار میں آ گیا اور وہ ہوا جو نہ ہونا چاہئے تھا۔ حضرت مولانا صاحب نے میرے کئے ہوئے ''شرعی فیصلہ'' کو تسلیم کرنے سے انکار کی جو وُجوہ بیان کی ہیں اُن سے متعلق اپنی پوزیشن کو واضح کرنا اور برادرم محترم کی طرف سے اُٹھائے گئے سوالات کا جواب دینا میری شرعی ذمہ داری ہے۔ اِس لیے فریقین کے حَکم و فیصل ہونے کی حیثیت سے دوبارہ اُن کی خدمت میں حاضر ہوں۔

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

فریق اول نے فیصلہ کو تسلیم کرنے سے انکار کی جو وجوہات ظاہر کی ہیں اُن میں قابل توجہ باتیں مندرجہ ذیل ہیں؛

پہلی بات:۔ فیصلہ میں ہم نے موضوعِ نزاع کو متعین کر کے فریقین کے دلائل کا موازنہ پیش کرنے کے بجائے مفتی کا کردار ادا کیا ہے اور دلائل کی روشنی میں فیصلہ صادر کرنے کے بجائے اپنی رائے مسلط

کرنے کی کوشش کی ہے۔ حکم ہونے کی حیثیت سے میری طرف سے اِس کی وضاحت یہ ہے کہ پیشِ نظر تنازعہ میں موضوعِ نزاع کئی سالوں سے پورے ملک میں اتنا مشہور اور متعین اور غیر مخفی ہے کہ محتاجِ بیان ہی نہیں ہے کیوں کہ وہ اس کے سوا کوئی اور شے نہیں ہے کہ نبی اکرم رحمتِ عالم ﷺ عمرِ مبارک کے چالیس سال سے پہلے نبی تھے یا نہیں تھے جس کے حوالہ سے فریق اول کا موقف ہے کہ اِس سے پہلے نبی نہیں تھے جیسے اُن کی لکھی ہوئی کتاب ''تحقیقات'' کے صفحات ۶۰، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۷۷، ۱۸۶، ۱۹۳، ۱۹۹، ۲۰۷، جیسے درجنوں مقامات کے علاوہ ہدایۃ المتذبذب الحیر ان کے صفحہ ۳۰۰ اور ۳۰۱ سے بھی واضح ہے۔

جبکہ فریق دوم اِس سے اختلاف کرتا ہے اور اختلاف کا انداز تقابل ایجاب وسلب کا ہے یعنی فریق دوم کا موقف یہ ہے کہ نبی اکرم سیدِ عالم ﷺ پہلے سے نبی ہیں جبکہ عمر مُبارک کے چالیس سال بعد بعثت کی شکل میں اُس کا ظہور ہوا جیسا اِس فریق کی طرف سے لکھی گئی کتاب ''نبوتِ مصطفیٰ ﷺ ہر آن ہر لحظہ'' کے صفحہ ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۵۲، ۵۵، ۶۰، ۶۲، ۷۷۔ نیز دعوتِ رُجوع کے صفحہ ۱۶، ۳۲، ۳۵ جیسے درجنوں مقامات سے ظاہر ہے۔

فریق اول نے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے ''تحقیقات'' نام کی کتاب میں تین ابواب مختص کیے ہیں جن کے مطابق ایک میں قرآنی آیات اور اُن سے متعلقہ اقوال مفسرین سے استدلال کیا گیا ہے۔

دوسرے میں احادیث اور اُن سے متعلقہ شارحینِ حدیث کے اقوال سے استدلال کیا گیا ہے۔

تیسرے میں اکابرینِ ملّت کے اقوال سے استدلال کیا گیا ہے۔

اور دوسرے فریق نے بھی اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے اِن ہی مآخذ سے استدلال کیا ہے جبکہ ہم نے حکم ہونے کی حیثیت سے اللہ کو حاضر و ناظر جان کر لاشرقی لاغربی بلکہ اسلامی فقط اسلامی ذہنِ انصاف سے اِن کا جائزہ لیا تو ایک کو بھی مفیدِ مقصد اور مبنی بر احتیاط نہیں پایا۔ مفیدِ مقصد اِس لیے نہیں کہ فریقِ اوّل کی ''تحقیقات'' نامی کتاب کے تینوں ابواب میں مذکورہ دلائل میں سے ایک بھی

ایسا نہیں ہے جو اُس کے موقف کو ثابت کرے۔ یا نفیٔ نبوت کو موضوع بحث بنانے کے جواز پر دلالت کرے۔ بلکہ اس کتاب میں مذکور اِن تمام دلائل کا مفاد و مدلول اِس کے سوا کچھ اور نہیں ہے کہ بعثتِ نبوی علیہ ﷺ اپنے جملہ لوازمات کے ساتھ عمر مبارک کے 40 سال بعد ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ عمر مبارک کے 40 سال بعد مبعوث ہونا یا بالفاظ دیگر مفہوم نبوت عند المتکلمین کا متحقق ہونا اور چیز ہے جبکہ عمر مبارک کے 40 سال قبل نبی نہ کہنا اور نفی نبوت کے اِس انوکھے مسئلہ کو موضوع بحث بنانا اور چیز ہے کہ اول سے انکار کی گنجائش اسلام میں نہیں ہے جبکہ دوسری کی اسلام میں اجازت نہیں ہے ورنہ اول سے انکار کرنے والا اگر کوئی ہو تو اُس سے بڑا گمراہ و جاہل اور منکرِ حقیقت کوئی اور نہیں ہوگا۔ جبکہ دوسری کو موضوعِ بحث بنانے کا انجام اِس کے سوا کچھ اور نہیں ہوگا جو سب کے لیے حیرت کا سبب بنا ہوا ہے جس سے ہر واقفِ حال کا دل ملال ہے۔

خلاصہ:۔ ''تحقیقات'' نامی کتاب کے دلائل فریق اول کے مذکورہ موقف کی نسبت سے ''سوال گندم جواب چنا'' سے مختلف نہیں ہیں چہ جائیکہ مُثبتِ مدعا ہو۔ تقریباً یہی حال فریقِ دوم کے دلائل کا بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کے فرمان ''اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ'' (1) کے مفہوم سے مختلف نہیں ہیں کیوں کہ دوم فریق کی طرف سے، فریق اول پر جو دفعات لگائی گئی ہیں۔ اُن سے تو یہی معلوم ہو رہا ہے کہ یہ اپنے موقف کو قطعی سمجھ رہے ہیں ورنہ کسی ظنی مسئلہ میں ایسی دفعات نہیں لگائی جا سکتی ہیں جبکہ اِن کے دلائل میں ایک بھی ایسا نہیں ہے جو ان کے موقف پر قطعی دلالت کرے یا اس کے ساتھ اختلاف کرنے والے کو اسلام سے خارج کرے یا منکرِ نبوت ثابت کرے۔ اُنہیں چاہئے تھا کہ اپنے دلائل کی نوعیت کے مطابق زبان و قلم کو بھی ہموار رکھتے۔

اپنے اپنے مَوقِف پر استدلال کے حوالہ سے فریقین کی اِس مضحکہ خیزی کے علاوہ بے احتیاطی، بے انصافی اور ایک دوسرے کے خلاف رسہ کشی کی مشتے نمونہ از خروارے یہ کہ فریق اول نے نبی اکرم رحمتِ

---

(1) البقرہ، 85۔

عالم ﷺ کی نبوت کے اُس استمرار سے بھی انکار کیا ہے جو آغازِ آدمیت سے بھی پہلے سے شروع ہو کر وقتِ بعثت تک مستمر رہی ہے۔ اکابرین اہل سنت کے منافی یہ مضمون فریق اول نے ''تحقیقات'' کے پہلے ایڈیشن صفحہ 173 میں اور دوسرے ایڈیشن صفحہ 238 میں لکھا ہے جس کے دلخراش الفاظ یہ ہیں:

''اگر آنحضرت ﷺ آغازِ ولادت سے ہی نبی ہوتے یا عالَم ارواح والی نبوت دائم اور مستمر ہوتی اور آپ کو اِس کے احکام مستحضر ہوتے تو علماء کرام کے اذہان میں یہ سوال ہی کیوں پیدا ہوتا کہ آپ کسی شریعت پر عمل پیرا تھے یا نہیں؟''

مُنصِف ہونے کی حیثیت سے ہمارا جائزہ یہی ہے کہ فریق اول سے بے احتیاطی و بے اعتدالی کی یہ مثال محض اپنے مخالف فریق کی بنیاد کاٹنے کے لیے لکھی گئی ہے کہ اُس کے پاس قبل البعثت نبوت کی نفی کرنے کے خلاف یا قبل البعثت نبی ماننے کے جواز کے لیے مستحکم بنیاد اور ناقابلِ تاویل دلیل اکابرین اہل سنت کے اِس اجماعی عقیدہ کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہے کہ آدمیت کی تاریخ سے قبل جس نبوت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو نوازا ہے وہ کسی تجدد وانقطاع کے بغیر بعثت کے وقت تک مستمر تھی، بعثت کی شکل میں اُسی کا ظہور ہوا ہے اور عمر مبارک کے 40 سال پورے ہونے کے بعد دُنیائے انسانیت کی ہدایت کے لیے اُسی کی نمودگی کا وقت آیا ہے اور نبوتِ مستمرہ کا یہ انداز ''کُلُّ الْاُمُوْرِ مَرْهُوْنٌ بِاَوْقَاتِهَا'' کے افراد میں سے ایک فرد ہے اور نظامِ قدرت کا ایک حصہ۔ ظاہر ہے کہ اکابرین اہل سنت کے اِس اجماعی عقیدہ کے ہوتے ہوئے نبی اکرم رحمتِ عالم ﷺ سے نبوت کی نفی کرنا جائز ہو سکتا ہے نہ بعثت سے پہلے نبی تسلیم کرنے والوں کے خلاف لب کُشائی کرنے کا امکان۔

الغرض ہمارے جائزہ کے مطابق فریق اول کی اِس بے احتیاطی، بے اعتدالی اور اکابرین اسلام کے خلاف اِس روش کا پس منظر فریق دوم کو لاجواب کرنے کی کوشش کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ اُن کی طرف سے بیان کیے جانے والے دلائل میں اِس کے سوا کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو اُن کے موقف کے مُثبت اور فریق اول کے خلاف ہونے کے حوالہ سے قابلِ تاویل نہ ہو۔ یا پیشروانِ اسلام کی

تصریحات میں اس کے خلاف کچھ نہ پایا جاتا ہو۔ جبکہ حدیثِ نبوی ﷺ "کُنْتُ نَبِیًّا وَآدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالْجَسَدِ" والی نبوت کے استمرار میں کسی کو اختلاف ہے نہ مخالفِ تاویل کی گنجائش اور بعثت کی مدت تک اُس کا استمرار دوم فریق کے موقف کے لیے مُثبِت ہوتے ہوئے کسی بھی مرحلہ میں نبوت کی نفی کرنے کے ساتھ لب کشائی کرنے سے بھی مانع ہے اور قلم کشی کرنے سے بھی جسے محسوس کرتے ہوئے فریق اول نے دوم فریق کی بنیاد ڈھانے کے لیے اس بے اعتدالی کا ارتکاب کیا ہے جسے انصاف کہا جاسکتا ہے نہ اکابرین ملت کے ساتھ مُطابَقت کیوں کہ بزرگانِ دین کے اُس سرے سے لے کر اِس سر تک ایسا نامناسب قول کسی نے نہیں کیا ہے حالاں کہ "کُنْتُ نَبِیًّا وَآدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالْجَسَدِ" والی نبوت کی نوعیت، اُس کے وقت اور اُس کے فلسفہ جیسے مسائل سے متعلق متنوع اختلافات و آراء سے کتابیں بھری پڑی ہیں لیکن اُس کے انقطاع یا اُس کے عدم استمرار کا قول کسی نے بھی نہیں کیا ہے۔

اِسی طرح ملا علی قاری (رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْهِ) کی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کی ایک عبارت کو "تحقیقات" کے پہلے ایڈیشن کے صفحہ 23 اور دوسرے ایڈیشن کے صفحہ 66 پر نقل کرنے کے بعد اصل کی عبارت "وَالْاَظْهَرُ اَنَّهُ كَانَ قَبْلَ الْاَرْبَعِیْنَ نَبِیًّا" کا ترجمہ "اور زیادہ ظاہر اور جزمی امر یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ چالیس سال پورے ہونے سے قبل صرف ولی تھے" کے انداز میں جو کیا گیا یہ بھی تقاضائے احتیاط کے سراسر منافی ہے جس کو بے اعتدالی کے سوا اور کچھ نہیں کہا جاسکتا ورنہ کون نہیں جانتا کہ یہاں پر لفظ "اَلْاَظْهَر" کا معیاری ترجمہ "زیادہ ظاہر" کے سوا اور کچھ نہیں ہے لیکن اِس میں فریق دوم کے موقف کی جھلک بھی محسوس ہو رہی تھی جس کی نفی کو ملا علی قاری جیسے بے گناہ شخص کی طرف منسوب کرنے "اور جزمی امر یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ چالیس سال پورے ہونے سے قبل صرف ولی تھے" لکھ دیا جبکہ مافیہ الکلام مسئلہ بجائے خود ظنی ہے قطعی نہیں تو پھر ملا علی قاری جیسے محتاط شخص اِسے "جزمی" کس طرح قرار دے سکتے ہیں اور یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ ایک ہی مسئلہ ایک وقت میں اور ایک ہی جہت سے ظنی بھی ہو اور قطعی بھی، کیوں کہ قطعی و جزمی ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ ایسے میں اکابرین کی عبارات کا مقصد اُن

کے منشاء کے خلاف ظاہر کرنے اور خلافِ حقیقت ترجمہ کرنے کے اِس انداز کو دھاندلی وتحکم کے سوا اور کچھ نہیں کہا جاسکتا جو نہ ہونا چاہیے تھا۔

اسی طرح ''تحقیقات'' کے دوسرے ایڈیشن کے صفحہ 346 تا صفحہ 349 ملاعلی قاری کی ایک اور عبارت سے فریق دوم کے استدلال کا جواب دیتے ہوئے اُسے اُلٹا اپنے مفاد میں ثابت کرنے کی جو کوشش کی گئی ہے اور تین فوائد بتائے گئے ہیں وہ بھی دھاندلی اور تحکم سے خالی نہیں ہے کیوں کہ اصل کی عبارت ''وَفِيهِ دَلَالَةٌ عَلَى اَنَّ نُبُوَّتَهُ لَمْ تَكُنْ مُنْحَصِرَةً فِيمَا بَعْدَ الْاَرْبَعِينَ كَمَاقَالَ جَمَاعَةٌ بَلْ اِشَارَةٌ اِلَى اَنَّهُ مِنْ يَوْمِ وِلَادَتِهِ مُتَّصِفٌ بِالنُّبُوَّةِ بَلْ يَدُلُّ حَدِيثُ كُنْتُ نَبِيًّا وَ آدَمُ بَيْنَ الْمَآءِ وَالْجَسَدِ عَلَى اَنَّهُ مُتَّصِفٌ بِوَصْفِ النُّبُوَّةِ فِى عَالَمِ الْاَرْوَاحِ قَبْلَ خَلْقِ الْاَشْبَاحِ وَ هٰذَا وَصْفٌ خَاصٌ لَهُ'' میں ''كَمَاقَالَ جَمَاعَةٌ'' کا تعلق نفی سے نہیں بلکہ منفی کے ساتھ ہے اور ''جَمَاعَةٌ'' کی نکارت وتنوین کثرت کے لیے نہیں بلکہ قلت کے لیے ہے۔ جس کے مطابق ملاعلی قاری کا اصل مقصد یوں قرار پاتا ہے کہ؛

''اِس میں کسی چھوٹی جماعت کا آپ ﷺ کی نبوت کا 40 سال بعد میں منحصر ہونے کے قول کرنے کے برعکس 40 سال بعد میں منحصر نہ ہونے پر دلالت ہے جبکہ عموم نبوت کا دورانیہ اِس سے بھی زیادہ وسیع ہے جس پر حدیث ''كُنْتُ نَبِيًّا وَ آدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالْجَسَدِ'' دلالت کر رہی ہے۔''

ملاعلی قاری کے اِس کلام کی عبارۃ النص اور اس کے سیاق وسباق اور اشباہ ونظائر کی روشنی میں متعین اِس مقصد کے ساتھ فریق اول کے استدلال وافاداتی انداز کا موازنہ کرنے سے دھاندلی کے سوا کچھ اور نظر نہیں آتا۔ اِسی طرح ''تحقیقات'' کے دوسرے ایڈیشن کے صفحہ 328 تا صفحہ 339 میں سید محمود آلوسی بغدادی کی تفسیر روح المعانی کی پانچ متفرق عبارات سے حسبِ منشاء مقاصدِ وفوائد لکھنے کے بعد آخر میں تنبیہ کے تحت یہ کہنا ''اِس عبارت سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ حضرت علامہ آلوسی محبوب

کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ﷺ کے آغازِ ولادت سے ہی بالفعل نبی ہونے کے قائل نہیں ہیں اور اُن کے حق میں اِس طرح کا دعویٰ سراسر لغو اور باطل ہے اور خلافِ واقع وحقیقت ہے بلکہ عمر شریف کے چالیس سال پورے ہونے پر وحی کا آغاز ہونا ہی اُن کے نزدیک محقق اور مسلم امر ہے۔" نہ صرف دھاندلی وتحکم ہے بلکہ اُس بے گناہ مُفسر کی روح کو بھی اذیت پہنچانے کا سبب ہے کیوں کہ اپنے موقف کو ثابت کرنے اور دوسرے فریق کو لاجواب کرنے کے لیے رسہ کشی کی اِس روش کے بجائے انصاف کی نظر سے دیکھنے سے صاحبِ روح المعانی کی اِن عبارات کا تعلق ظہورِ نبوت، وحی للتبشیر والتحذیر والتنذیر والتبلیغ کے سوا کسی اور چیز سے نہیں ہے۔ یعنی یہ سب کچھ اُنہوں نے نبوت کے مفہوم عندالمتکلمین سے متعلق کہا ہے جو عین حقیقت ہے، لیکن اِس سے فریق اول کا یہ استفادہ کیوں کر جائز ہو کہ صاحب روح المعانی کے عقیدے کے مطابق آنحضرت سید عالم ﷺ عمر مبارک کے 40 سال سے پہلے نبی نہیں تھے یا نبوت کی نفی کو موضوعِ بحث بنانے کی اجازت دے رہے ہیں۔ (اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ) جبکہ مسلمانوں کے عرف میں اِس کو خلافِ ادب سمجھا جاتا ہے۔ اِس پر مستزاد یہ کہ ایسے نامناسب کلام کو بے گناہ مُفسر کے سر تھوپنے کا کیا جواز ہے جبکہ عمر مبارک کے 40 سال سے قبل آپ ﷺ کو نبی کہنے کے جواز بلکہ استحباب پر نبوت عندالمحدثین کے مفہوم کا پہلے سے جو استمراری وجود چلا آ رہا ہے بطورِ محرک کافی وشافی ہے جس کے ہوتے ہوئے اِس اطلاق کے جواز پر کوئی اور دلیل تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کیوں کہ جملہ اسلافِ کرام کے مختلف طبقوں میں کوئی ایسا نہیں گزرا جس نے اِس مفہوم میں نبوت سابقہ کے استمراری وجود سے انکار کیا ہو، بعثت کی شکل میں اُس کے ظہور اور نبوت کے مفہوم عندالمتکلمین کے لباس میں ملبوس اور اِس لباس کے لوازمات ومقتضیات کے حامل ہونے سے پہلے اُس کے منقطع ومنعدم ہونے کو موضوعِ بحث بنانا دور کی بات ہے۔ اسلاف کے سلسلہ دراز میں کسی نے اِس کا تصور بھی نہیں کیا ہے چہ جائیکہ روح المعانی کے مصنف جیسا معرفت آشنا شخص یہ جرم کر سکے۔ جبکہ اِس حوالہ سے اُنہوں نے دوسرے اسلاف کے ساتھ ہمنوائی کرتے ہوئے سورۃ الشوریٰ، آیت نمبر 52

کے تحت اپنا عقیدہ یوں بیان کیا ہے؛

''وَالدِّرَایَۃُ الْمَنْفِیَّۃُ اِذَاکَانَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ فِی کَیْنُوْنَتِہٖ قَبْلِ اِخْرَاجِہٖ مِنْھَا بِتَجَلِّیْ کَیْنُوْنَتِہٖ عَزَّوَجَلَّ وَاِلَّا فَھُوَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَبِیٌّ وَلَاآدَمَ وَلَامَاءَ وَلَاطِیْنَ وَلَایَعْقِلُ نَبِیٌّ بِدُوْنِ اِیْحَاءٍ''(1)

اِس مختصر و جامع عبارت میں مفسر آپ ﷺ کو نہ صرف تخلیق آدم علیہ السلام کے وقت سے مستمر الوجود نبی کہہ رہے ہیں بلکہ اُس سے بھی پہلے سے جس نبوت کا اطلاق آپ پر کر رہے ہیں، نبوت کے مفہوم عندالمتکلمین کے لباس میں ظاہر ہونے تک اُسے قائم و دائم اور مستمر بھی بتا رہے ہیں اور نبوت سابقہ کے اسی استمرار کو ''وحی لتفصیل الاحکام و جزئیات الایمان'' کے آغاز سے قبل بشری زندگی کے جملہ ادوار کو شامل سمجھ کر اُن کی درایۃ کی نفی کو محض بشری حیثیت پر محمول قرار دے رہے ہیں۔

دوسرے الفاظ میں یوں کہ اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ کو اپنی شارعیت کا مظہر ہونے پر کائن و فائز کرنے کے رُتبے سے پہلے درایۃ کی نفی کرنے کے ساتھ اِس رُتبے پر کائن و فائز ہونے کی حیثیت سے درایۃ کو ثابت سمجھ رہے ہیں جو نبوت کے مفہوم عندالمتکلمین کی اہمیت، وقت، لوازمات و تقاضوں کو شامل ہونے کے ساتھ نبوت عندالمحدثین کو بھی بمع جملہ لوازمات شامل ہے اور ساتھ ہی اِن دونوں کے ظروف و اوقات میں ''کَیْنُوْنَۃِ نُبُوَّتِہٖ ﷺ قَبْلَ کَیْنُوْنَۃِ الطِّیْنِ وَالْمَآءِ'' کے وجود کا استمرار بتا رہے ہیں جو مذکورہ عبارت ''وَالدِّرَایَۃُ الْمَنْفِیَّۃُ اِذَاکَانَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ فِی کَیْنُوْنَتِہٖ قَبْلِ اِخْرَاجِہٖ مِنْھَا بِتَجَلِّیْ کَیْنُوْنَتِہٖ عَزَّوَجَلَّ وَاِلَّا فَھُوَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَبِیٌّ وَلَاآدَمَ وَلَامَاءَ وَلَاطِیْنَ وَلَایَعْقِلُ نَبِیٌّ بِدُوْنِ اِیْحَاءٍ'' سے صاف ظاہر ہے۔ ایسے میں مُصنفِ ''تحقیقات'' کے مذکورہ اندازِ استدلال کو انصاف کہا جا سکتا ہے نہ فریق دوم کی تجہیل و تضحیک کرنے کو بلکہ بے گناہ مفسر کی طرف نفی نُبوت کی غلطی منسوب کرنے کے اِس عمل کو سینہ زوری و دھاندلی

---

(1) تفسیر روح المعانی، ج25، ص63، مطبوعہ بیروت۔

کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

فریقِ اول کی بے اعتدالیوں کی مشتے نمونہ از خروارے اس جھلک کے بعد فریق دوم کی سینہ زوری، رسہ کشی اور بے اعتدالیوں کی ایک جھلک یہ ہے کہ اُن کا عہدِ نبوت کو 23 سالوں کے بجائے 63 سالوں پر محیط کہنے کو دُنیا کو اپنے اُوپر ہنسانے کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کیوں کہ عرفِ عام میں عہدِ نبوت، لفظ نبوت کے مفہوم عندالمحدثین پر نہیں بلکہ اِس کے مفہوم عندالمتکلمین پر محمول سمجھا جاتا ہے اور اہل علم جانتے ہیں کہ عرفِ عام کے تفاہم سے برعکس کلام کرنے کو جہل کے سوا اور کچھ نہیں کہا جاتا۔ اِسی طرح فریق دوم کا نبوۃ کے مفہوم عندالمتکلمین کے مطابق عمر مبارک کے 40 سال بعد عطا کئے جانے اور اِسکے جملہ لوازمات کے متحقق ہونے میں تردد کرنا بھی تاریخِ اسلام کے مسلمات سے انحراف کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

نیز نبوت عندالمتکلمین کے مطابق عمر مبارک کے 40 سال بعد نبوت ملنے پر عقیدہ رکھنے والوں کو اور اِس کے قائلین کو کسی قسم کا بھی موردِ الزام ٹھہرانا نہ صرف بے انصافی و بے اعتدالی ہے بلکہ جملہ اسلاف کے خلاف بغاوت بھی ہے کیوں کہ ایسا کہنا نبوت کے مفہوم عندالمتکلمین کے مطابق عین حقیقت ہے لیکن اِس کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں ہے کہ لوازماتِ نبوت عندالمتکلمین کی تکمیل کے لیے عطا کیے جانے والی یہ نبوت پہلے سے حاصل اور ابتک مستمر الوجود نبوت سے غیر یا اُس سے منقطع اور جدا چیز ہے نہیں ایسا ہرگز نہیں بلکہ یہ اُسی کی عین اور اُس کے ساتھ متحد بالذات متغایر بالاعتبار ہے اور انسانوں میں اللہ تعالیٰ کی شارِعیّت کا مَظہَر اور کتاب اللہ کی تفصیل وجزئیاتِ ایمان کے مُظہِر ہونے کی مستقل حیثیت کا ظہور ہے اِس کی ایسی مثال ہے جیسے عالم محسوسات میں ایک درخت سال کے بارہ مہینے موجود رہتا ہے جبکہ اُس کی صفات وحیثیات ہر موسم کے مطابق بدلتی رہتی ہیں کبھی پتے نکالنے کی حالت میں ہوتا ہے تو اُس حوالہ سے پہچانا جاتا ہے، کبھی پھول دینے کی حالت میں ہوتا ہے اور اُس سے پہچانا جاتا ہے اور کبھی پھل دینے کی حالت میں ہوتا ہے اور اُس حیثیت سے پہچانا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف

ے مقررہ نظامِ قدرت کے عین مطابق نبی اکرم رحمتِ عالم ﷺ کو 40 سال بعد اعطاءِ نبوت حسب
مفہوم عند المتکلمین کی تفہیم بھی اِسی طرح ہے کہ نبوت حسب المفہوم عند المحدثین یا اُس سے بھی
"اَعْلَمُ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ" جو قبلِ تخلیق آدم سے ابتک مستمر الوجود تھی اور عالم غیب سے لے کر
عالم شہادت تک ہر ایک کے مُقتضیات ولوازمات کی استعداد وصلاحیتوں کی حامل تھی اور ہر وقت کی اُس
کے فطری ماحول کے مطابق ضرورت تھی اُس کی عند المتکلمین والی حیثیت کا عمر مبارک کے 40 سال
سے پہلے ظاہر ہونا خلافِ تقدیر اور خلاف حکمت ہوتا اور اُصولِ فطرت "کُلُّ الْاُمُوْرِ مَرْهُوْنٌ
بِاَوْقَاتِهَا" سے مختلف ہوتا جو عادتاً محال ہے۔ جس کے برعکس عمر مبارک کے 40 سال بعد بعثتِ طیبہ کی
شکل میں اُس کا اپنے تمام ضروری تقاضوں اور لوازمات کے ساتھ ظاہر ہونا عین مُقتضاءِ فطرت ہونے
کے ساتھ فرمانِ الٰہی "كُلُّ شَیْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ" (1) کا بھی مظہر ہے۔
جب عند المناطقہ ایک صورت حاصلہ من الشیئ عند العقل من حیثت القیام علم اور من حیث الحصول معلوم
کہلاتی ہے جس کی بنیاد پر مشہور قول مناطقہ "اَلْعِلْمُ وَالْمَعْلُوْمُ مُتَّحِدَانِ بِالذَّاتِ وَمُتَغَائِرَانِ
بِالْاِعْتِبَارِ وُجُوْد" میں آیا ہے تو پھر یہاں پر کون سا مانع موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ قطعاً کوئی مانع
نہیں ہے، شرعاً نہ عقلاً نہ عرفاً۔ قبل البعثت نبوت ایسے میں عند المتکلمین کے لوازمات ومُقتضیات کو
وجود میں نہ لانے اور تقیہ کرنے، نبوت کو چھپانے، کسی پر ظاہر نہ کرنے، اپنی شریعت اور اُس کی تبلیغ سے
متعلقہ وحی کو کسی پر ظاہر نہ کرنے جیسے جملہ تصورات کی راہیں آپ ہی مسدود ہو جاتی ہیں۔
فریق دوم کی بے اعتدالیوں میں یہ بھی ہے کہ اِن میں بعض حضرات عمر مبارک کے 40 سال بعد
بعثت کو رسالت کے ساتھ مختص سمجھ کر نبوت کو شامل نہیں کرتے جو خلافِ حقیقت اور جمہور اسلاف کے
عندیہ سے مختلف ہے اور کتابوں کی دنیا میں پائے جانے والی ہر بات کو دلیل بنانے کے مترادف ہے
حالانکہ اسلاف کی ذخیرہ کتب میں پائے جانے والی ہر بات شرعی دلیل نہیں ہوتی بلکہ کسی بھی بزرگ کی

(1) الرعد، 8۔

ہراُس بات سے استدلال کرنا جائز ہوسکتا ہے جو قرآن وسنت کے مطابق ہو، اسلام کے مسلمات کے مطابق ہو، عرفِ عام اور محسوسات اور دُنیا کے معروضی حالات کے منافی نہ ہو۔ گمراہوں کی من گھڑت موضوع روایات کے رواج پانے کا پسِ منظر بھی یہی غلط روش ہے کہ ''وَضَاعُوْنَ وَ کَذَّابُوْنَ عَلَى الرَّسُوْلِ ﷺ'' کے بعد کچھ غیر محتاط حضرات نے مختلف مسائل میں اپنے موقف کو جائز ثابت کر کے مخالف فریق کو نیچا دکھانے کے لیے کتابوں میں پائے جانے والی ہر رطب ویابس روایت کو حدیث کے نام سے نقل در نقل کر کے التباس الحق بالباطل کا سامان کر دیا ہے، جو تقویٰ وانصاف کے منافی ہے۔

فریقِ دوم کی ایک بے اعتدالی یہ بھی ہے کہ اِن میں بعض حضرات نے فریق اول پر یہ الزام عائد کیا ہے کہ وہ اللہ کے رسول سیدِ عالم ﷺ کو عمر کے 40 سال سے پہلے صرف مؤمن مانتے ہیں جبکہ منصف اور فریقین کے حَکم ہونے کی حیثیت سے میں نے اُن کی تحریروں میں اِس الزام کو درست نہیں پایا بلکہ اِس کے برعکس اُنہوں نے عمرِ مبارک کے 40 سال پہلے اللہ کے رسول سیدِ عالم ﷺ کو نبوت کے مقابلہ میں صرف ولی تسلیم کیا ہے بلکہ ولایت کے اعلیٰ مقام پر فائز کہا ہے۔ اہلِ علم جانتے ہیں کہ صرف مؤمن اگرچہ مِن وجہ ولی اللہ یا دوسرے لفظوں میں یہ کہ ولایت عامہ کے درجہ میں ہوتا ہے تاہم اللہ کے رسول سیدِ عالم ﷺ کی شان میں صرف مؤمن کہنا بے ادبی ہے، شریعت اِس کی اجازت دیتی ہے نہ مسلم معاشرہ کا عرف ایسے میں فریق دوم کے اِس الزام کو جھوٹ نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے جو علماء کرام کو ہرگز مناسب نہیں ہے۔

فریقین کے دلائل کا تقابلی جائزہ لینے کے نتیجہ میں اُن کی بے اعتدالیوں کے اِس منظر کو ہم ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے، بے مبادا کہ اُن کی دل آزاری ہو جس سے بچتے ہوئے ہم نے سابقہ فیصلہ میں مافیہ النزاع کی شرعی حیثیت کو ظاہر کرنے پر اکتفا کیا تھا اور فریقین پر اعتماد کیا تھا کہ وہ مسئلہ کے مضمرات وعواقب کا احساس کرتے ہوئے اِسے پذیرائی بخشیں گے اور ہمیں دُعاؤں سے نوازیں گے لیکن ہمارے اِس مخلصانہ توقع سے برعکس فریق اول نے ہمارے اُس فیصلہ کو جانبداری پر مبنی سمجھ کر تسلیم کرنے سے انکار کیا

اور فریقین کے دلائل کا موازنہ کرنے پر اصرار کیا تو ہمیں ''بادلِ ناخواستہ فریقین کے دلائل سے متعلق یہ جھلک ظاہر کرنی پڑی اور ہمیں کہنا پڑ رہا ہے کہ ہر دو جانب سے بیان کردہ دلائل بے مصرف اور بے محل ہیں کیوں کہ فریق اول کے جملہ دلائل سے اِس کے سوا اور کچھ ثابت نہیں ہوتا کہ بعثتِ نبوی ﷺ عمر مبارک کے 40 سال بعد ہوئی ہے یا بالفاظ دیگر نبوت حسب المفہوم عندالمتکلمین کا آغاز 40 سال کے بعد ہوا ہے اِس سے اُن کا موقف و مدعا یعنی 40 سال سے پہلے نبوت کی نفی یا بالفاظ دیگر ''40 سال پہلے نبی نہ تھے'' کہنے کا جواز ہرگز ثابت نہیں ہوتا کیوں کہ نبوت حسب المفہوم عندالمحدثین کے ساتھ پہلے سے اتصاف استمراری کا وجود اِس کی اجازت دیتا ہے نہ مسلم معاشرہ کا عُرف بلکہ یہ دونوں اِس کے نقیض کی صداقت پر دلیل ہیں کہ 40 سال سے پہلے نبی تھے، پیدائشی نبی تھے اور ماں کے پیٹ میں تھے تب بھی نبی تھے، ایسے میں فریق اول کا اپنے مفاد میں ہر آیت و حدیث اور ''کُلُّ مَایُوْجَدُ فِي الْکُتُبِ'' کو نقل کرنے کے بعد قیاس استثنائی اِتصالی کے اِضمار میں یہ کہنا کہ ''اگر 40 سال پہلے نبی ہوتے تو ایسا ہوتا، ویسا ہوتا، ایسا کیوں ہوتا ویسا کیوں ہوتا'' یا یہ کہنا کہ ''اگر وہ پیدائشی نبی ہوتے تو ایسا کیوں کرتے، ویسا کیوں کرتے'' یہ سب کچھ یعنی اُن کی لکھی ہوئی کتاب ''تحقیقات'' کا از اول تا آخر یہ اندازِ استدلال اِس مغالطہ پر مبنی ہے کہ اُنہوں نے عمر مبارک کے 40 سال بعد مبعوث ہونے اور عمومی عادتِ الٰہی یعنی 40 سال بعد نبوت حسب المفہوم عندالمتکلمین کے عطاء کیے جانے کے لازمہ یعنی اِس مفہوم میں نبوت کا پہلے سے عطاء نہ ہونے کو اصل مقصود و مُدعاءِ اسلاف سمجھ کر یہ سب کچھ کیا جو بناء الغلط علی الغلط ہے کیوں کہ قرآن و سنت اور بزرگانِ دین کی روشنی میں کسی بھی شرعی مسئلہ کے ہر لازمہ کو موضوعِ بحث بنانا اور اُس کے ساتھ لب کُشائی کرنا جائز نہیں ہوتا جس کے اشباہ و نظائر کسی عام شخص سے بھی پوشیدہ نہیں ہیں چہ جائیکہ ''تحقیقات'' نامی کتاب کے مصنف جیسے صاحب علم و فضل سے پوشیدہ ہوں۔ فریقین کی طرف سے مقرر کردہ حَکَم اور منصف ہونے کی حیثیت سے اِس حقیقت اور فریق اول کے اِس منشاء غلطی کو ظاہر کرنے پر مجھے مجبور کیا گیا ہے کہ فریق اول کی بنیادی کوتاہی یہی ہے

کہ اُنہوں نے اِس حوالہ سے مسلمانوں کے عرف کو پیشِ نظر نہیں رکھا ورنہ ''تحقیقات'' نامی کتاب کی شکل میں سالوں کی محنت بے مصرف نہ ہوتی۔ نیز اُنہوں نے نبوت حسب المفہوم عندالمتکلمین کے 40 سال بعد عطاء کئے جانے کی ناقابلِ انکار حقیقت کو تو پیشِ نظر رکھا جبکہ نبوت حسب المفہوم عندالمحدثین کو پسِ پُشت ڈال دیا۔ نیز پہلے سے ثابت نبوت کے ناقابلِ انکار استمراری وجود سے بھی صرفِ نظر کیا۔ نیز عمر مبارک کے 40 سال بعد خاص مفہوم میں بعثتِ نبوی کو دوسرے مفہوم میں پہلے سے استمرار الوجود نبوت کے ظہور، اُس کا ثمر اور نظامِ قدرت کے مطابق اُسی کے انوار وتجلیات کے وقتِ طلوع ہونے سے متعلق بزرگانِ دین کی تصریحات سے بے اعتنائی کر کے خشت اول کج رکھی جس کے بعد 40 سال سے پہلے نبی نہ ہونے کو موقف و مدعا بنا کر اپنے قیمتی اوقات کو قیاس استثنائی اتصالی کے اِس اضمار میں ضائع کیا جو ''تحقیقات'' کے نام سے اُردو بازار لاہور کے کتب فروش بیچ کر پیسہ کما رہے ہیں۔ جس سے ''تحقیقات'' کے درویش منش مصنف کو عنداللہ وعندالرسول اور عندالناس ملامتی کے سوا اور کچھ مل رہا ہے نہ آئندہ کبھی ملے گا جس پر واقفِ حال حضرات افسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے ہیں۔

فریقین کی طرف سے حَکم ومنصف ہونے کے منصب سے مجھے مجبور کیا گیا کہ اِس حقیقت کو بھی ظاہر کروں کہ فریقِ دوم کی طرف سے جتنی بھی بے اعتدالیاں اِس حوالہ سے ہو رہی ہیں اُن کے ذمہ دار بھی فریقِ اول ہی ہے کیوں کہ ''تحقیقات'' کے مصنف نے اپنے علم وفضل کے منافی ایسے مسئلہ کو موضوعِ بحث بنایا ہے جس کو سننے کے لیے کوئی عالم وفاضل اور نکتہ شناس حضرات بھی تیار نہیں ہیں چہ جائیکہ نیم خواندہ حضرات یا عام مسلمان اِسے گوارا کریں جب پہلی بار کسی دوسرے مسئلہ کے ضمن میں انسانی کمزوری اور بے توجہی کی بنا پر ایسا لکھ دیا تو اُن کے ایک حریف جواب مرحوم ہو چکے ہیں نے اِسے اُچھالنے کی کوشش کی جو اُنہیں ایسا نہ کرنا چاہیئے تھا کیوں کہ بے توجہی میں ہر کسی سے کچھ نہ کچھ بے اعتدالیاں ہوتی رہتی ہیں۔ یا جارحیت کرنے کے بجائے مثبت اور تعمیری انداز میں اصلاح احوال

کی طرف اُن کی توجہ مبذول کراتے تو بالیقین اصلاح احوال کا اجر وثواب پاتے یا حضرت مولانا مدظلہ اپنی اِس بشری کمزوری کا اعتراف کرکے اصلاح احوال کرتے یا کم ازکم خاموشی اختیار کرتے پھر بھی مسلمانوں کے لیے اِس حوالہ سے موجودہ اضطراب کی کیفیت پیدا نہ ہوتی۔

جس کے بجائے برادرم محترم نے خود اُسے اُچھالا اور اپنے حریف کے جواب میں لکھی ہوئی کتاب "ہدایۃ المتذبذب الحیر ان" میں اپنے اِس موقف کو ثابت کرنے کے لیے قیاس استثنائی اتصالی کا وہی اضمار اختیار کیا جو اَب "تحقیقات" نامی کتاب میں اختیار کیا ہے۔ گویا میرے بڑے بھائی نے اپنے حریف کو خود ہتھیار مہیا کیا اور انجانے میں اپنے خلاف رائے عامہ کے اضطراب کو خود بڑھایا بعدازاں فضلاء بندیال کے سالارِ قافلہ برادرم محترم مولانا عبدالحق بندیالوی مدظلہ العالی نے اِس حوالہ سے اُنہیں خاموش رہنے کو کہا لیکن اُن کے اِس مشورہ پر بھی عمل نہیں کیا جس سے اِضطراب کا حجم مزید بڑھا۔ انجام کار "تحقیقات" نامی کتاب کی شکل میں یہ جو کچھ سامنے آیا تو اِس حوالہ سے دُنیائے اہل سنت میں اضطراب کا حجم ملک گیر صورت اختیار کی۔

ایسے میں دوسرے فریق سے اِس حوالہ سے جو بھی بے اعتدالیاں ہورہی ہیں اِن کے اصل ذمہ دار فریق اول کے سوا کسی اور کو نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ مزید برآں یہ بھی ہے کہ میں نے ذاتی مشورہ کے تحت فریقِ اول کو اُس کی کتاب "تحقیقات" کو دوبارہ نہ چھاپنے کا کہا اِس سے میرا مقصد بھی وہی تھا جو مولانا عبدالحق بندیالوی کا تھا لیکن فریقِ اول نے اُسے دوبارہ چھاپ کرانے لیے مشکلات پیدا کیں اور نہ صرف فریقِ دوم بلکہ عام مسلمانوں کے لیے اِضطراب کے حجم کو مزید پھیلا دیا۔ ایسے میں فریقِ دوم کو یہ الزام نہیں دیا جاسکتا کہ اُنہوں نے پہل کی ہے یا مخلصین کے منع کرنے اور اِس حوالہ سے زبان وقلم کو روکنے کا مشورہ دینے کے باوجود اسے موضوعِ بحث بنا کر پھیلایا ہے جبکہ فریقِ اول نے یہ سب کچھ کیا ہے۔ اِس پر مستزاد یہ کہ ہمارا سابقہ فیصلہ جو "آوازِ حق" پشاور کے شمارہ فروری 2011ء میں شائع ہوا تھا اُس میں فریقین کے دلائل کا تقابل نہ کرنے سے ہمارا مقصد اِن کی بے مصرفیت کو ظاہر نہ کرنا تھا، اور

فریقین کی محنت کے حوالہ سے اِن کا احترام وآداب کو پیشِ نظر رکھ کر اِن کمزوریوں سے صرفِ نظر کرنا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ فریقین کو اپنے آئینے میں دیکھ کر اُن پر اعتماد کرتے ہوئے تنازعہ کو سمیٹنا تھا اعتماد اِس لیے کہ اسلام کے مسلّمات پر مبنی لاشرقی لاغربی بلکہ اسلامی فقط اسلامی فیصلہ کو پڑھ کر تسلیم کریں گے اور مجھے دُعاؤں سے نوازیں گے۔ اور اپنے آئینے میں اِس لیے کہ میری عادت یہ ہے کہ شریعتِ مقدسہ کے مسلمات کے مطابق فیصلہ اگر میرا ذاتی دشمن بھی کرے اور میرے خلاف ہی کرے تب بھی سعادت سمجھ کر میں اُسے تسلیم کرتا ہوں۔ جس میں مخالف کی جیت یا اپنی شکست کا تصور دل میں لانے کے بجائے اِسے شریعتِ مقدسہ کی بالادستی سمجھتا ہوں اور اُسے تسلیم کرنے کو تقاضائے ایمان سمجھتا ہوں، کاش میرے آئینہ نظر میں آنے والے فریقین بھی ایسے ہوتے تو بالیقین اخلاص پر مبنی اور شریعتِ مقدسہ کے مسلمات کی روشنی میں صادر شدہ وہ فیصلہ اُن کے لیے قابلِ تسلیم ہوتا، کیوں کہ وہ نتیجہ آمدے آورد نہیں، جذبہ اخلاص ہے جانبداری نہیں اور بقرہ بنی اسرائیل کے حوالہ سے آیت کریمہ ''اِنَّ اللّٰہَ یَامُرُکُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَۃً'' (1) کا عکس ہے۔ جس پر اکتفا نہ کرنے کی وجہ سے بنی اسرائیل کو بھاری قیمت اُٹھانی پڑی اور خرابی بسیار کے بعد مسئلہ کا حل وہی قرار پایا جو پہلی بار اُن کے سامنے رکھا گیا تھا۔

فریقین کی طرف سے مقرر کردہ فیصل وحَکم ہونے کی حیثیت سے میں ہر فریق کی طرف سے اُٹھائے جانے والے سوالات کا جواب دینے کے لیے ہر وقت تیار ہوں اور اُس وقت تک اِس تنازعہ کو سمیٹنے فتنہ وفساد کو ختم کرنے کے لیے کوشاں رہوں گا جب تک فریقین مجھے حَکم کے اِس منصب سے معزول نہیں کرتے کیوں کہ اُنہوں نے دستخطی تحریروں کے ذریعہ مجھے یہ منصب بخشا ہے۔ جس کو ختم کرنے کے لیے بھی دستخطی تحریر ضروری ہے۔

فریقِ اول نے دوسرا سوال یہ اُٹھایا ہے کہ میں نے اُس فیصلہ میں اِس مسئلہ کی وضاحت نہیں کی ہے کہ عالَم مہد سے نبوت تسلیم کرنے کی حیثیت قطعی ہے یا ظنی؟

(1) البقرہ، 67۔

نیز یہ سوال بھی اُٹھایا ہے کہ عالَم مہد سے نبوت تسلیم نہ کرنے والوں کو دائرہ اسلام سے خارج کہنے والوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

اِن دونوں کا جواب اور حَکم ہونے کی حیثیت سے میری طرف سے وضاحت یہ ہے کہ نہ صرف عالَم مہد سے نبوت کا عقیدہ رکھنا اور اِس کی تبلیغ کرنا محض ظنی ہے بلکہ اِس حوالہ سے فریقین کی طرف سے اُٹھائے جانے والے مسائل میں ایک بھی قطعی نہیں ہے تو پھر عالَم مہد سے نبوت تسلیم نہ کرنے والوں کو دائرہ اسلام سے خارج کہنے اور اُنہیں منکرِ نبوت ہونے جیسے خطرناک الزام دینے جیسے عمل کی اسلام میں کیا گنجائش ہوسکتی ہے۔ بلکہ یہ سب کچھ ماحول کے غلط اثر اور بے انصافی کے مذموم نتائج ہیں جبکہ اِس قسم غیر ضروری اور ظنی مسائل کو موضوعِ بحث بنا کر ایک دوسرے کے خلاف بے مصرف فتویٰ دینے کی اجازت اسلام میں ہرگز نہیں ہے۔

فریقِ اول نے فیصلہ کو تسلیم نہ کرنے کی وجوہات میں ایک سوال یہ بھی اُٹھایا ہے کہ بالفعل نبی کے لیے تبلیغ کو ضروری نہ کہنے والوں کا شرعی حکم واضح نہیں کیا گیا ہے۔

اِس کا جواب یہ ہے کہ اگر اِس سے اُن کی مراد یہ ہے کہ نبوت عند المتکلمین کے مطابق بالفعل نبی کے لیے تبلیغِ نبوت یا اظہارِ نبوت ضروری نہیں ہے تو اِسے جہل محض کے سوا اور کچھ نہیں کہا جاسکتا اور اگر اُن کی مراد یہ ہے کہ نبوت عند المحدثین کے مطابق بالفعل نبی کے لیے یہ ضروری نہیں ہے تو پھر اسلاف کے مطابق درست کہتے ہیں۔ فریقین کی طرف سے فیصل اور منصِف ہونے کی حیثیت سے میں نے جو جائزہ لیا ہے وہ اِس طرح ہے کہ فریقِ دوم کی مرادشقِ دوم ہی متعین ہے لیکن وہ علمی ناپختگی اور صنعتِ استدلال میں بے بضاعتی و ناتجربہ کاری کی رکاوٹوں کی وجہ سے اپنے جائز موقف کو ثابت کرنے سے قاصر ہے جس وجہ سے اُس پر ایسے سوالات متوجہ ہو رہے ہیں لیکن اِس سے فریقِ اول کے موقف کو بھی کسی قسم کی تقویت نہیں مل رہی کہ عمر مبارک کے 40 سال سے پہلے نفی نبوت کو موضوعِ بحث بنانا جائز ہوسکے نہیں ایسا بھی نہیں ہرگز نہیں کیوں کہ مسلم معاشرہ کا عرف اِس کی اجازت نہیں دیتا اور حسب تصریح

الاسلاف دوسرے مفہوم میں نبوتِ سابقہ کا استمرار الوجود اِس کی اجازت نہیں دیتا۔

نیز اِس میں پائے جانیوالے سوء ادب کا وہمہ بھی اِس کی اجازت نہیں دیتا کہ زندگی کے کسی بھی مرحلہ میں نبوت کی نفی کو موضوعِ بحث بنا کر عامۃ المسلمین کے دلوں کو مجروح کیا جائے۔ شریعت مقدسہ کے مسلمات کو پامال کیا جائے یا دوسروں کو اپنے اوپر انگشت نمائی کرنے کا موقع دیا جائے۔ یا مجلس خواص کیساتھ مخصوص غیر ضروری ظنیات اسلام کے اِس قسم باریک گوشوں کو مبحث بنا کر مسلم معاشرہ کو اضطراب وتشویش میں ڈالا جائے جس سے کبھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی الانبیاء والمرسلین (عَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَ التَّسْلِیْم) سے افضل ہونے، آدھا بشر آدھا نور ہونے، کبھی پادریوں اور راہبوں کو سید الانبیاء (عَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْم) کے مقابلہ میں باخبر اور آپ ﷺ کے بے خبر ہونے جیسے بے شمار شیطانی توہمات، اعتراضات اور بے ادبیوں کے دروازے کھلنے کے امکانات پیدا ہو رہے ہیں۔ ایسے میں ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ اِس تنازعہ کو سمیٹنے اور ختم کرنے کے لیے میرے مخلصانہ فیصلہ کو تسلیم کریں۔ جس کو خرابی بسیار کے 10 سال بعد تسلیم کرنا ہے تو ابھی سے کیوں نہ کریں۔

فریقِ اول نے میرے فیصلہ کو تسلیم کرنے سے انکار کی وجوہات میں یہ سوال بھی اُٹھایا کہ میں نے بالفعل نبی کا اپنی نبوت چھپانے اور تقیہ کرنے سے متعلق وضاحت نہیں کی ہے جبکہ 40 سال سے پہلے نبوت کے قائلین پر یہ سب کچھ لازم آتا ہے۔ مُنصف ہونے کی حیثیت سے میری طرف سے اِس کی وضاحت یہ ہے کہ فریق اول کی طرف سے دوم فریق کے خلاف اُٹھائے جانے والے اِس قسم کے جملہ اعتراضات والزامات کا منشاء دو چیزیں ہیں؛

پہلی چیز:۔ فریقِ اول نے اپنے حریف فریق سے متعلق یہ سمجھا ہے کہ اُس کے نزدیک 40 سال سے پہلے جس نبوت کا قول کیا جاتا ہے یا نبوت کی نفی کرنے کو ناجائز کہا جاتا ہے اُس سے مراد مفہوم نبوت عندالمتکلمین ہے حالانکہ فریقِ دوم کی تحریروں میں کوئی ایسی تصریح میں نے نہیں پائی پھر بھی اگر وہ ایسے ہی کہتے ہو تو پھر اُس کی حیثیت جہلِ محض کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

دوسری چیز:۔ فریقِ دوم کی ناپختگی ہے، صنعتِ استدلال میں ملکہ اور استعداد کی کمزوری ہے کہ اپنے جائز موقف کو واضح کرنے اور ناقابلِ اعتراض انداز میں پیش کرنے سے کوتاہی ہے۔ جس سے فریقِ اول کو غلط فائدہ نہیں اُٹھانا چاہئے کیوں کہ یہاں پر کسی کی جیت وہار کا نہیں بلکہ مسئلہ صرف اور صرف شانِ نبوت کا ہے جس کے حوالہ سے فریقِ اول کا انداز وموقف اور مدعا منفی ہے جبکہ فریقِ دوم کا مثبت ہے۔ ایسے میں ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ فریقِ اول اپنی جلالتِ علم، صنعتِ استدلال میں استعداد وملکہ اور عصری مناظرہ کی صلاحیتوں کے زور سے دوم فریق کے جائز موقف کو چھپانے اور اُسے نیچا دکھانے یا اُس کی کمزوریوں سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کے بجائے حضرت اُمِ سلمہ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہَا) سے مروی مسلم شریف کی اُس حدیث کو پیش نظر رکھے جس میں اللہ کے رسول سیدِ عالم ﷺ نے ظاہری دنیا کی نگاہ میں زورِ استدلال سے ناجائز فائدہ اُٹھانے والوں کو کیا تنبیہ فرمائی ہے۔ حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں؛

”لَعَلَّ بَعۡضَھُمۡ اَنۡ یَّکُوۡنَ اَبۡلَغَ مِنۡ بَعۡضٍ فَاَحۡسِبُ اَنَّہٗ صَادِقٌ فَاَقۡضِیۡ لَہٗ فَمَنۡ قَضَیۡتُ لَہٗ بِحَقِّ مُسۡلِمٍ فَاِنَّمَا ھِیَ قِطۡعَۃٌ مِنَ النَّارِ فَلۡیَحۡمِلۡھَا اَوۡیَذَرۡھَا“

جب کسی بھی انسان کی حق تلفی کرنے پر وعید وترہیب کا یہ عالَم ہے تو پھر شانِ نبوت کے بارے میں ٹھنڈے دل سے خود سوچیں کہ منفی انداز پر کون جارہا ہے اور مثبت سمت پر گامزن کون ہے۔ فریقِ اوّل ، فریقِ دوم کو ضفادع البئر کے تناظر میں نہیں بلکہ اُن کے قبلہ کی عظمت واہمیت کے تناظر میں دیکھے۔

فریقِ اوّل کی طرف سے اُٹھائے گئے سوالات میں سے ایک قابل توجہ سوال یہ بھی ہے کہ اگر کوئی اللہ تعالٰی کو خالق الکفر والمعاصی والقاذورات تسلیم نہ کرے کیا اُس کو سمجھانے کے لیے یا اُس کی گمراہی سے دنیا کو بچانے کے لیے اُس پر رد نہ کیا جائے؟ کیا متکلمین اہل سنت نے اُس پر ردِ عمل ظاہر نہیں کیا ہے؟

مُنصف اور فریقین کی طرف سے حَکم ہونے کی حیثیت سے میری طرف سے اِس کا جواب اور وضاحت یہ ہے کہ یہ قیاس مع الفارق ہے کیوں کہ اللہ تعالٰی کو خالقِ الکفر والمعاصی والقاذورات تسلیم کرنے سے

منکر اہل اعتزال کے پاس اس حوالہ سے کوئی نص موجود نہیں ہے بلکہ شرعی دلیل کے بغیر محض عقل سے ایسا کہتے ہیں جو اس کے نقیض کے اثبات کے سلسلہ میں موجود عموم نصوص یا نصوص مطلقہ کے مقابلہ میں کالعدم ہے جبکہ نبی اکرم رحمتِ عالم ﷺ کو پیدائشی نبی کہنے والوں کے پاس خبر واحد کی سند موجود ہے جس کو پیشروانِ اسلام کی پذیرائی حاصل ہے جس کے مطابق پہلے سے ثابت نبوت کا استمرار ہے، جس سے کسی صحابی نے انکار کیا ہے نہ تابعی اور نہ کسی امام و مجتہد نے ایسے میں اِس قیاس کا کیا جواز ہے؟

ہاں فریقِ دوم کی طرف سے نبوت النبی ﷺ کو لازم لاینفک ولایت سے اگر انکار ہو تو پھر اصلاح احوال کے لیے لب کشائی ضروری ہوگی جبکہ ہم نے منصف ہونے کی حیثیت سے فریقِ دوم کی تحریروں میں کوئی ایسا انکار نہیں پایا۔

فریقِ اول نے خاص میرے متعلق یہ سوال اُٹھایا ہے کہ 40 سال بعد نبوت عطاء کئے جانے کو تسلیم کر کے پہلے سے بالفعل نبی ماننے والوں پر لازم آنے والی تحصیل حاصل کے محذور کو بھول گئے۔

فریقین کی طرف سے حکم و منصف ہونے کی حیثیت سے میری طرف سے اِس کا جواب اور وضاحت یہ ہے کہ فریقِ دوم کے عقیدہ پر تحصیل حاصل کا محذور تب لازم آتا اگر وہ عمر مبارک کے 40 سال پہلے سے حسب المفہوم عند المتکلمین نبوت کے حصول کا عقیدہ رکھتے جب 40 سال سے پہلے اِس مفہوم کے مطابق نبوت کا حصول اُن کے موقف و مدعا کا حصہ ہی نہیں ہے تو پھر ہم اُن کے بارے میں ایسی سوچ کیوں رکھے اور اہل ایمان سے متعلق حسنِ ظن رکھنے کے شرعی احکام کی خلاف ورزی کیوں کریں حالانکہ اُن کے موقف و عقیدہ اور اُن کے مدعا کی صداقت و ثبوت کیلیے یعنی اللہ کے رسول سید عالم ﷺ پیدائشی نبی ہیں جیسے قضیہ شخصیہ والے مدعا کے صدقِ کیلیے نبوت حسب المفہوم عند المحد ثین کی موجودگی کافی وشافی ہے اور اِس کے ساتھ "كُنتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالْجَسَدِ" والی نبوت کا استمراری وجود بھی اِس کے صدق کے لیے کافی ہونے کے ساتھ نفی نبوت کو موضوعِ بحث بنانے سے منع کرنے کے لیے بھی کافی وشافی ہے۔

ہاں یہ الگ بات ہے کہ فریقِ دوم کا اندازِ استدلال نامناسب ہونے کی بنا پر اُن کے درست موقف کے خلاف اِس قسم کے اعتراضات اُٹھانے کا فریقِ اول کو موقع مل جاتا ہے جو اِن کے استدلال سے قطع نظر کر کے اصل موقف پر نظر رکھنے کے لیے مقتضاء احتیاط کے منافی ہے اور کھینچا تانی کے لیے موقع تلاش کرنے کے مترادف ہے۔ ورنہ بات صاف تھی جس میں تحصیل حاصل کا کوئی تصور ہی نہیں تھا کیوں کہ تحصیل حاصل کا تصور تب پیدا ہوتا اگر دونوں میں حیثیات کی تفریق نہ ہوتی یعنی دونوں سے مقاصد، لوازمات و تقاضے بھی ایک ہوتے جبکہ یہاں پر ایسا نہیں بلکہ ایک ہی مستمر الوجود جوہرِ کمال کا ایک حیثیت سے دوسری حیثیت میں آمد ہے، سابقہ اوقات کے تقاضوں سے نکل کر موجودہ و آئندہ کے تقاضوں میں ظہور ہے اور ملائک کے اندازِ آمد سے لے کر انداز و مقاصد وحی کی تبدیلی ہے اور انسانوں کی نگاہ سے مستور لوازمات غیبیہ کی تکمیل کے بعد تبلیغ و اظہار اور اعلانِ و بعثت جیسے مقتضاء الوقت اور ظاہری لوازمات کے آغاز و تکمیل ہے کیوں کہ ''کُلُّ الْاُمُوْرِ مَرْھُوْنٌ بِاَوْقَاتِھَا'' کا اُصولِ فطرت کارخانہ قدرت کی کل اشیاء کو شامل ہونے کی طرح نبی اکرم سیدِ عالم ﷺ کی پہلے سے مستمر الوجود نبوت عامہ کی اِن تمام حیثیات کو بھی شامل ہے جس کے مطابق کسی ایک وقت کے لوازمات کا ظہور دوسرے اوقات میں ممکن نہیں ہے تو پھر تحصیل حاصل کا تصور کیوں کر پیدا ہو۔

فریقِ اول نے میرے متعلق ایک سوال یہ بھی اُٹھایا ہے کہ فریق تھا تو پھر ثالث اور منصف بننے کا حق نہیں تھا۔ نیز اِس سے پہلے ملاقاتوں میں میرے موقف کو تسلیم کیا اور میرے حق میں فضاء سازگار کرنے کی کوشش کے ساتھ میرے مخالفین کے بارے میں تشویش و اضطراب کا اظہار کرتے رہے۔ بعد ازاں ہیرا پھیری سے کام لیا۔ میرے برادرِ محترم کا یہ الزام 4 باتوں پر مشتمل ہے؛

پہلی بات:۔ فیصلہ سے پہلے رابطوں میں، میں نے اُن کے موقف کو تسلیم کیا تھا۔

دوسری بات:۔ میں نے اُن کے حق میں فضا سازگار کرنے کا کہا تھا۔

تیسری بات:۔ میں نے اُن کے مخالفین کے بارے میں تشویش و اضطراب کا اظہار کیا تھا۔

چوتھی بات :۔ میں نے فیصلہ میں ہیرا پھیری کی ہے۔

میری طرف سے اِن کا جواب اور بالترتیب وضاحت یہ ہے کہ اُن کے موقف کو تسلیم کرنے کا الزام سراسر خلافِ حقیقت یا حضرت برادرم محترم کی خوش فہمی یا غلط فہمی ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ میں نے اُن کے موقف کو ہمیشہ غلط کہنے کے ساتھ اُنہیں بھی قابل رحم ہی سمجھا کہ مسلم معاشرہ کے اندازِ روش کے خلاف جس مسئلہ کو موضوعِ بحث بنایا ہے یہ اُن کی بدنامی کا سامان ہونے کے ساتھ اُن کے قیمتی وقت کے ضیاع کا بھی موجب ہے۔ اِس حوالہ سے برادرم محترم کو میری اُس گفتگو کو نہ بھولنا چاہئے تھا جو بند کمرہ میں ہم دونوں میں ہوئی تھی جبکہ میں نے واضح الفاظ میں اُن سے کہا تھا کہ آپ کی لکھی کتاب ''تحقیقات'' میں عمر مبارک کے 40 سال پہلے نبی نہ ہونا لکھا ہوا ہے جو نا قابلِ تصور ہے، 40 سال تک نبوت کی نفی کرنا دور کی بات ہے ایک لحظہ کے لیے نفی نبوت کا قول کرنا بھی مناسب نہیں ہے۔

اِس کے جواب میں حضرت نے فرمایا کہ یہ میرے شاگرد نے لکھی ہوگی شانِ نبوت کی خاطر میں اِس کو ختم کردوں گا جس پر میں نے آپ کا شکریہ ادا کرنے کے ساتھ کہہ دیا تھا کہ اب آپ نے سارا مسئلہ آسان کر دیا اصل نزاع کو ختم کرنے کے لیے آپ کا یہ اخلاص قابلِ تحسین ہے اِس کے بعد دوسرے فریق کو سمجھا کر تصفیہ کے لیے فضا ہموار کرنا آسان ہے اور حضرت برادرم محترم کی دل جوئی کے لیے اُس گفتگو کے دوران میں نے تقیہ کے حوالہ سے اپنی ایک بے احتیاطی کا ذکر بھی کیا تھا جس کو ایک محسن کش جعلی پیر نے اپنے گماشتوں کے ذریعہ پورے پنجاب میں پھیلا کر مجھے بدنام کیا، اُس مختصر مجلس میں آپ کے مثبت رویہ اور قابلِ اعتراض بات کو ختم کرنے کی یقین دہانی سے تنازعہ کو سمیٹنے کے حوالہ سے میں آپ کی جانب سے قطعاً مطمئن رہا جبکہ دوسرے فریق کے کچھ انتہا پسندوں سے اِس راہ میں رکاوٹ بننے کا خوف دامن گیر رہا۔ بہر حال اُس مجلس میں آپ کی فیاضی واخلاص دیکھ کر مجھے جو خوشی ہوئی تھی اُسے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، بعد ازاں مجلس کو مختصر کر کے ہم دونوں دروازہ کھول کر خوشی کے عالم میں باہر دوسرے اُستاذ بھائیوں کے پاس آئے اور خوشی کیساتھ دھمن سے رُخصت ہو کر میں پشاور

آیا آپ شاید سرگودھا تشریف لے گئے۔ ایسے میں آپ کے موقف کو تسلیم کرنے کے اِس الزام کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔

خدارا انصاف فرمائیں اور مجھے جانبداری اور ہیرا پھیری کرنے اور اپنے مقابلہ میں فریق بننے یا مخالف کا حمایتی ہونے جیسے الزامات سے نوازنے کے بجائے مہربانی کرکے حقائق پر نظر رکھیں، آپ کے مخالفین کے مقابلہ میں مجھے آپ کی عزت اور آپ کے مقام کا تحفظ زیادہ عزیز ہے کیوں کہ آپ کے ساتھ اَن مِٹ روحانی رشتہ ہے جبکہ اظہارِ حق کی راہ میں لاشرقی لاغربی ہوں اور ہم عصر علماء کرام کی رنگینیوں سے برعکس جِبلّیِ الخلقت اور جِبلّیِ الفطرت ہوں حق کے خلاف کسی بھی رشتہ کو خاطر میں نہیں لاتا۔

دوسری اور تیسری بات درست ہیں یعنی میرا کردار ایسا ہی تھا جیسے مجھ سے منسوب کیا گیا ہے لیکن اِس کا یہ مطلب لینا کہ میں نے برادرم محترم کے موقف کو ثابت کرنے کے لیے فضا سازگار بنانے کی کوشش کی حضرت کی خوش فہمی یا غلط فہمی ہے یہی حال اُن کے مخالفین کی طرف سے شور شرابہ کے بارے میں تشویش اضطراب ظاہر کرنے کا بھی ہے حضرت برادرم محترم درست فرمارہے ہیں کہ مجھے اُن کی عزت واحترام کا خیال تھا۔

دوبار حضرت اُستاذی المکرم عطاء محمد (نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف) کے عرس کے مواقع پر حضرت مولانا کے خلاف اُن کے مخالفِ فریق کی طرف سے ہونے والے شور شرابہ دیکھ کر مجھے جو ملال وتشویش ہوئی اُس کا اظہار میں نے متعدد حضرات کے سامنے کیا ہوگا اور اِس کے ساتھ نفی نبوت کے ناکردہ گناہ کے مشئوم نتائج وعواقب کا خوف بھی دامن گیر رہا کیوں کہ برادرم محترم نے ایک ایسے غیر ضروری اور غیر مناسب مسئلہ کو موضوعِ بحث بنایا ہے کہ اُس کا انجام پریشانی واضطراب کے سوا اور کچھ نہیں ہے جہلم میں کچھ لوگوں نے اِس حوالہ سے مولانا کے خلاف جلوس نکال کر منکر نبوت مردہ باد جیسے دل خراش نعرے مروائے اور اشتہار لگوائے جبکہ حقیقت میں حضرت مولانا منکر نبوت ہیں نہ گستاخ نبوت نہ دائرہ اسلام

سے خارج بلکہ صرف اتنا ہے کہ جس غیر ضروری اور ظنی مسئلہ کو اُنہوں نے موضوعِ بحث بنایا ہے اور اپنی کتاب ''تحقیقات'' کو ''اگر پہلے سے نبی ہوتے ایسا ہوتا ویسا ہوتا، اگر پہلے نبی ہوتے ایسا کیوں ہوتا، ویسا کیوں ہوتا، اگر پہلے سے نبی ہوتے فلاں سے اور فلاں سے استفادہ کیوں کرتے، اگر پہلے سے نبی ہوتے بے خبر کیوں ہوتے'' جیسے دل خراش اور غیر مانوس فی الاسلام اندازِ استدلال سے بھر دیا ہے، جو سُوءِ ادب کے وہمہ سے خالی نہیں ہے، جس کو ناجائز و نامناسب اور عظمتِ شانِ نبوی ﷺ کے تقاضوں سے منافی کے سوا اور کچھ نہیں کہا جاسکتا اور الٰہیات کا ہر طالب علم سمجھتا ہے کہ ہر ناجائز کفر نہیں ہوتا اور نہ ہر سُوءِ ادب کا وہمہ دینے والے کسی کلام کی بنیاد پر کسی کو دائرہ اسلام سے خارج کرنا جائز ہے۔ ایسے میں حکم و منصف ہونے کی حیثیت سے فریقین کے اِس ابتلاء افراط کو ظاہر کرنے پر مجھے مجبور کیا گیا ورنہ میں نے فریقین کی کمزوریوں پر پردہ ڈالا تھا۔

حضرت برادرم محترم کی طرف سے مجھ پر لگایا گیا، چوتھا الزام کہ میں نے فیصلہ کرنے میں ہیرا پھیری کی ہے اِس کا جواب میں اللہ تعالیٰ پر چھوڑتا ہوں، واللہ العظیم میں نے قطعاً کوئی ہیرا پھیری نہیں کی۔ مُنصِف و حَکَم کے منصب پر فائز ہوکر ہیرا پھیری کرنا بہت بڑی خیانت اور کبیرہ گناہ ہے جبکہ میں نے اپنے فیصلہ میں فریقین کے مقامِ علم کا احترام کرتے ہوئے اُن کی جملہ بے اعتدالیوں سے بھی صرفِ نظر کیا تھا اور ظنی بلکہ خالصتاً ظنی مسئلہ کو جزمی کہہ کر بے گناہ ملا علی قاری سے منسوب کرنے جیسے درجنوں بے انصافیوں کو ظاہر کرنے سے بھی عنانِ قلم کو روک دیا تھا اور فیصلہ وہ کیا تھا جس میں فریقین کے لیے سکون و راحت کا سامان تھا خاص کر میرے برادرِ محترم کے لیے اِس نامناسب بحث کے دلدل سے نکلنے کا اچھا مخلص تھا، جسے قبول کرکے مجھے دُعاؤں سے نوازنے کے بجائے اُلٹا ہیرا پھیری سُوءِ ظن اور انجانے میں توہین کرنے سے ہمیں نوازتے ہیں تو میں اِسے اللہ تعالیٰ پر ہی چھوڑوں گا۔

آخر میں فریقین سے اُمید کروں گا کہ اپنے حَکَم و فیصل کے اِس مخلصانہ فیصلہ کے بعد تنازعہ کو ختم کرکے لکھے ہوئے سارے مواد کو ضائع کریں گے ورنہ آگے چل کر یہ اُن کے لیے بقرہ بنی اسرائیل سے زیادہ

جان گداز ہوسکتا ہے جس کے مَشئُوم اثرات سے اللہ بچائے۔ نیز فریقِ اول کی فرمائشات کے جوابات اوراصل فیصلہ کی توضیح پر مشتمل ہماری یہ تحریر سابقہ فیصلہ کا ہی تتمّہ ہے اُس سے جدا کوئی چیز نہیں ہے، فریقین کو چاہئے کہ اس کو اِس کے ساتھ ملا کر پڑھیں اور ہمیں دُعاؤں سے نوازیں، اوراپنی زبان وقلم کے عنان کو ضروری وتعمیری اور ناگزیر مسائل کی طرف موڑ دیں۔

والسلام

وَاَنَا الْعَبْدُ الضَّعِیْفُ

پیر محمد چشتی

☆☆☆☆

اصلاح الاوقاف والمساجد

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حضرات علماء کرام اور مفتیان عظام کی خدمت میں محکمہ صوبہ سرحد کی زیر تحویل مساجد کے امام و خطباء اور خادمین وغیرہ سے متعلق مسئلہ پیش خدمت ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ محکمہ اوقاف صوبہ سرحد کی تحویل میں دو قسم کی مساجد ہیں؛

پہلی قسم:۔ وہ مساجد، جن کی امامت اور خطابت اور عملی طور پر دیکھ بھال اصل بانیوں کی اولاد کے ہاتھ میں نسلاً بعد نسلاً چلی آ رہی ہے۔

دوسری قسم:۔ وہ مساجد، جن میں امام وخطیب یا خادم کی حیثیت سے خدمات انجام دینے والے بانیانِ مسجد کی اولاد تو نہیں ہیں لیکن محکمہ اوقاف نے انہیں اِن فرائض پر مقرر کیا ہوا ہے. جس کے متعلقہ مساجد کی دیکھ بھال، تعمیر و مرمت کے حوالہ سے اِن حضرات کا بہت بڑا کردار ہے۔

اِس سلسلہ میں محکمہ اوقاف صوبہ سرحد کا عملی کردار اس حوالہ سے کچھ اس طرح ہے کہ متعلقہ مساجد کی جائیدادوں سے شرح کرایہ متعین کرکے اس کی وصولی کے بعد ان مختلف المقاصد والشرائط اوقاف کی جملہ حاصلات کو یکجا کرکے بینکوں کے سودی کھاتوں میں جمع کیا جاتا ہے اور اسی میں سے محکمہ اوقاف کی اجتماعی ترقی کے باعث کاموں پر صَرف کرنے کے علاوہ ملازمین اور آئمہ و خطباء اور خدام کے لیے مقررہ وظائف بھی ادا کیے جاتے ہیں، ان کے علاوہ ان مساجد کی تعمیر و مرمت و حفاظت اور شرائط و مقاصد واقف کی تکمیل پر محکمہ کی طرف سے عملی طور پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔

بسا اوقات یہ مساجد اتنی خستہ حالت میں ہوتی ہیں کہ دیکھی نہیں جاتیں۔ اس حالت میں چاہے مسجد گر جائے یا نمازیوں کو تکلیف ہو بہر حال محکمہ کو عملی طور پر اس کی اصلاح احوال کی طرف قطعاً

توجہ نہیں ہوتی۔ اولاً تو محکمہ کے اربابِ اختیار کی اس طرف نظر ہی نہیں ہوتی جب آئمہ وخطباء حضرات بار باران کی توجہ اس طرف کراتے ہیں تو یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ اِن مساجد کی تعمیر ومرمت کے لیے فنڈ نہیں ہیں نتیجۃً یہی آئمہ وخطباء عوام کے تعاون سے دن رات محنت کر کے ان مظلوم مساجد کی تعمیر و مرمت کا اضافی بوجھ برداشت کرتے ہیں ورنہ ان خانہ ہائے خدا کے ویران ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔ ایسے حالات میں جب یہ آئمہ وخطباء امامت وخطابت کی مسؤلیت کے ساتھ ساتھ مساجد کی تعمیر و مرمت کا اضافی بوجھ برداشت کر کے ان خانہ ہائے خدا کو آباد رکھتے ہیں، مقصد شرائط واقف کی تکمیل کرتے ہیں، نمازیوں کو ہر طرح کی سہولیات مہیا کرتے ہیں لہٰذا ان کی فطرت کا تقاضا ہوتا ہے کہ عمر کا باقی حصہ بھی ان خانہ خدا کے ساتھ حسب سابق مربوط رہتے ہوئے گزار دیں لیکن اس کے برعکس کسی پیشگی معاہدہ وشرائط کے بغیر محکمہ کی طرف سے اُنہیں پنشن پر فارغ کر کے جبراً بے دخل کر دیا جاتا ہے لہٰذا مندرجہ ذیل تین مسائل سے متعلق شرعی فتویٰ صادر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

مذکورہ حالات میں محکمہ اوقاف کی متعلقہ مساجد سے ان حضرات کو بے دخل کرنا از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

ان مساجد کے بانی یا واقف مرحومین کی اولاد میں امامت وخطابت کے قابل باصلاحیت حضرات جو نسلاً بعد نسلاً ان پوسٹوں پر خدمات انجام دیتے چلے آرہے ہیں اور امامت وخطابت کے فرائض انجام دینے کے علاوہ بھی ان مساجد کی مقصد واقف کی تکمیل کے حوالہ سے محکمہ اوقاف کی نسبت زیادہ دیکھ بھال کر سکتے ہیں اور کر رہے ہیں کیا اُنہیں پنشن کے نام پر بے دخل کر کے اُنکی جگہ مرحوم واقفین یا بانیوں کے مقاصد کے برخلاف۔ نیز سابقہ روایات ومعمولات کے برعکس واقفین وبانیوں کی اولاد کے مقابلہ میں اجنبی وغیر یقینی اشخاص کو مقرر کرنا جائز ہو سکتا ہے یا نہیں؟

محکمہ اوقاف کی زیرِ تحویل مساجد، خانقاہوں، درسگاہوں اور مدارس کی بابت اوقاف کی آمدن کی جدا جدا حیثیتوں کو جو کسی میں زیادہ کسی میں کم بلکہ بعض میں حد سے زیادہ اور بعض میں

متعلقہ مساجد وغیرہ کی اصل ضروریات ومصارف سے بھی کم وناکافی ہیں، ختم کرکے سب کوخلط ملط کرکے مصرف میں لانے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا)......المستفتیان؛

1۔مولانا محمد خسرو، پیش امام وخطیب جامع مسجد گنج علے خان پشاور

2۔قاری عبدالسمیع، پیش امام وخطیب جامع مسجد حاجی طورہ قل بائے پشاور

3۔نورالحق نور، جامع مسجد ہشتنگری پشاور

4۔مولانا محمد بشیر احمد چشتی، پیش امام وخطیب جامع مسجد میاں نصیر احمد پشاور

5۔مولانا محمد اشرف علی قریشی، خطیب جامع مسجد اندرون بجوڑی گیٹ پشاور

6۔مولانا قاری محمد اسحاق، پیش امام وخطیب جامع مسجد بزازاں پشاور شہر

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَهٗ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾......صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمِ

سوال نمبر 1 کا جواب یہ ہے کہ ان پوسٹوں پر ان کی تقرری جس وقت عمل میں لائی گئی تھی اس وقت اگر دیگر سرکاری محکموں کے مستقل ملازمین کی طرح ان کے لیے بھی بشمول جیبی فنڈ، پنشن، رہائش کے لیے الاؤنس، سواری الاؤنس، علاج معالجہ کے مصارف وغیرہ سہولیات ولوازمات معروفہ سمیت عمر کی خاص حد کے بعد ریٹائرڈمنٹ کا التزام محکمہ اوقاف کے اتھارٹی افسران اور ان پوسٹوں پر مقرر کیے جانے والے حضرات کے مابین قولاً، عملاً یا عرفاً وعادۃً یا اس محکمہ کی طرف سے بطور مقررہ اصول مشہورہ معلومہ اور ضوابط معروفہ کے تحت ہوا تھا تو دیگر سرکاری محکموں کے ملازمین کی ریٹائرڈمنٹ کے جواز

طرح ہی ان حضرات کو بھی پنشن پر بے دخل کرنا بلاشک وتردد جائز ہوگا اس لیے کہ اللہ کا فرمان؛

''وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا'' (1)

یعنی باہمی کیے ہوئے جائز وعدوں اور معاہدوں کو پورا کیا کرو ورنہ ان کی خلاف ورزی کرنے کی صورت میں باز پرس کی جائے گی۔

نیز فرمایا؛

''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ'' (2)

یعنی اے اہل ایمان باہمی جائز معاہدوں کو پورا کیا کرو۔

اسی طرح قرآن وحدیث کی وہ صریح نصوص جن میں معاہدوں کی خلاف ورزی کرنے والوں کو مستحق عذاب قرار دیا گیا ہے جن کی روشنی میں کل مکاتب فکر اہل اسلام فریقین کے مابین طے پانیوالے جائز معاہدوں کی پابندی کو فرض اور خلاف ورزی کرنے کو گناہ کبیرہ تصور کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا نصوص کے عین مطابق اِس صورت میں فریقین تقرری کے وقت التزام کردہ شرائط وضوابط پر عمل کرنے کے شرعاً پابند ہیں ورنہ اگر تقرری کے وقت اس طرح کا التزام نہیں تھا بلکہ اِن پوسٹوں پر بطور اجیر خاص مقرر کر کے ماہوار مقررہ وظائف دینے اور لینے کی حد تک التزام تھا عام اس سے کہ حد عمر پنشن سے لے کر دیگر مراعات وسہولیات کے نہ ہونے کی تصریح ہو یا اس سے سکوت وخاموشی ہو اور تقرری کے بعد بھی محکمہ کی طرف سے بطور اضافی اصول وضوابط اِن باتوں کا اعلان وتشہیر اور اِن پوسٹوں پر متعین حضرات کی طرف سے اُن کے التزام وتسلیم کا کوئی عمل وجود میں نہ آیا ہو تو ایسی صورت میں 60 ساٹھ سال کی عمر میں یا اس کے بعد بھی کسی صورت میں بھی انہیں جبراً ریٹائرڈ کر دینا اللہ کے دین میں جائز نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ وہ فرض منصبی کی ادائیگی سے عاجز یا کسی ایسی علت کے مرتکب نہ ہو جائیں جس کی وجہ سے وہ اس منصب کے قابل نہیں رہتے۔ فقہ حنفی کی معتبر ترین کتاب فتاویٰ بحر الرائق

---

(1) الاسراء، 34۔ (2) المائدہ، 1۔

میں کہ؛

''اُسْتُفِيْدَ مِنْ عَدَمِ صِحَّتِ عَزْلِ النَّاظِرِ بِلَاجَنْحَةٍ عَدَمُهَالِصَاحِبِ وَظِيْفَةٍ فِيْ وَقْفٍ بِغَيْرِ جنحةٍ وَعَدَمِ اَهْلِيَّةٍ''(1)

یعنی شرعی عذر وعلت کے بغیر وقف کے منتظم کونوکری سے نکالنے کی عدم صحت کا جومسئلہ بیان ہوا ہے اس سے یہ استفادہ ہوا کہ وقف کے کسی ملازم وتنخواہ دار کو بھی بغیر وجہ شرعی اور عدم اہلیت کے ثبوت کے بغیر برخواست کرنا جائز نہیں ہوسکتا۔

اور فقہ اسلامی کا یہی فتویٰ مزید تعمیم کے ساتھ مذہب حنفی کی ایک اور کتاب فتاویٰ خیریہ میں بھی موجود ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں؛

''لَايَجُوْزُ عَزْلُ صَاحِبِ وَظِيْفَةٍ بِغَيْرِ جنحةٍ''(2)

یعنی کسی شرعی علت کے بغیر کسی تنخواہ دار ملازم کو بے دخل کرنا جائز نہیں ہوسکتا۔

ظاہر ہے کہ صدیوں سے جاری اس فتویٰ پراب تک مسلمانوں کا تعامل چلا آرہا ہے۔جس کے مطابق ظلم و ناانصافی سے بچنے کے لیے غیر مسلم انصاف پسند عدالتوں میں بھی عمل ہورہا ہے۔

اور یہ حکم طبقہ اول یعنی مستقل سرکاری ملازمین اور مذکورہ مراعات وپنشن اور حد عمر تک ملازمت کے پابند طبقہ کے لیے نہیں ہوسکتا اِس لیے کہ وہ مذکورہ قرآنی آیات ونصوص کے مطابق حسب معاہدہ عرفی 60 سال کی عمر میں ریٹائرڈ ہونے کے پابند ہیں جس میں کوئی ظلم ہے نہ ناانصافی بلکہ طبقہ دوم یعنی تقرری کے وقت ان تمام قیودات سے آزادومحروم اور خالی ملازمین جوفقط ڈیوٹی دینے اور تنخواہ لینے پر مقرر ہوئے تھے، مراد ہیں جن کی مدت ملازمت یعنی مساجد کے متعلق مذکورہ پوسٹوں پر ان کے اجیر خاص ہونے کی مدت پوری عمر ہے یا جب تک ان میں ڈیوٹی دینے کی صلاحیت موجود ہوگی اس وقت

(1) فتاویٰ بحر الرائق، ج5، ص227۔

(2) فتاویٰ خیریہ، کتاب الوقف، ج1، ص151۔

تک ہے گویا فقہاء اسلام کے اس متفقہ فتویٰ کا منطقی نتیجہ ان دو دائمہ مطلقہ قضیوں کی شکل میں موجود ہے۔

پہلی شکل:۔ تقرری کے وقت جملہ مراعات وریٹائرمنٹ کی قیودات سے خالی ان پوسٹوں پر مقرر حضرات کی ملازمت دائم ہوگی جب تک وہ زندہ ہیں۔

دوسری شکل:۔ تقرری کے وقت جملہ مراعات وریٹائرمنٹ کی قیودات سے خالی ان پوسٹوں پر مقرر حضرات کی ملازمت دائمی ہوگی جب تک وہ ملازمت کے قابل رہیں گے۔

اس کی علت یہ ہے کہ ان پوسٹوں پر مقرر حضرات کی ملازمت از قبیل عقد اجارہ خاص ہے۔ جس کی صحت کے لیے دیگر شرائط ولوازمات کی طرح ان پوسٹوں پر انکی تقرری کے وقت مدت اجارہ کا بیان ''صراحتاً، دلالۃً تعاطیاً یا عرفاً'' معلوم ہونا ضروری ہے جیسے سرکاری ملازمین کے طبقہ اول کے عقد اجارہ کے لیے ان کی تقرری کے وقت مستقل سرکاری ملازمین کی مخصوص حدِ عمر تک کے ملکی قوانین کی موجودگی سے ان کی مدت ملازمت اور ملازمت سے متعلقہ جملہ مراعات وسہولیات اور تنخواہ کے استحقاق کی مدت دلالۃً معلوم ہے۔ جس کی بدولت یہ ملازمت جائز قرار پاتی ہے۔

اسی طرح سرکاری ملازمین کے طبقہ دوم کے زمرہ میں ان پوسٹوں پر ان حضرات کی تقرری کے وقت حد عمر کی قید، ریٹائرمنٹ کی شرائط وضوابط سے متعلق ملکی قوانین کا موجود نہ ہونا۔ نیز ان حضرات کی ان پوسٹوں پر تقرری سے قبل ان سے سابق خطباء واماموں کی مدت العمر ان پوسٹوں پر ملازم رہنے کی صدیوں سے جاری سابقہ روایات یہ سب ایسے عوامل ہیں جو دلالت کر رہے ہیں کہ ان پوسٹوں پر ان حضرات کی تقرری کے وقت ان کی مدت ملازمت پوری عمر ہونا معلوم تھی یا کم از کم جب تک ان کی ڈیوٹی دینے کی صلاحیت قائم ودائم رہنے تک کی مدت فریقین کو معلوم تھی ورنہ ان پوسٹوں پر مدت العمر ملازمت کرنے والے مرحومین سے لے کر زندوں تک اور ان کی تقرری کرنے والے افسران مجاز مرحومین سے لے کر زندہ افسران تک صدیوں پر مشتمل روایات کا غیر شرعی وناجائز ہونے کے ساتھ

ساتھ یہ تمام تر سلسلہ دراز اجارہ فاسدہ ہوکر تقرر ہونے والے اور انہیں تقرر کرنے والے دونوں فریقوں کو غلط کار قرار دینے کے مترادف ہوتا ہے کیوں کہ مدتِ ملازمت مذکورہ طریقوں میں سے کسی ایک طریق سے بھی معلوم نہ ہوتو ملازمت اجارہ فاسدہ بن جاتی ہے جس کا جان بوجھ کرارتکاب کرنیوالے فریقین معصیت کار قرار پاتے ہیں، لہٰذا مساجد اوقاف کی ان پوسٹوں پر مقرر حضرات کے حق میں قدیم الایام سے اس جاری عمل کو توڑ کر اوقاف کی قدیم روایت کو معصیت قرار دینا یا اسے نظر انداز کرنا اسلاف کی تضلیل اور اوقاف سے متعلقہ اسلامی قوانین کی خلاف ورزی اور ظلم و ناانصافی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ فتاویٰ خیریہ میں اس کے متعلق اسلامی دفعہ بایں الفاظ موجود ہے۔

''عُمِلَ بِالْاِسْتِفَاضَةِ وَالْاِسْتِيْمَارَاتِ الْعَامَةِ الْمُسْتَمِرَّةِ مِنْ تَقَادُمِ الزَّمَانِ''(1)

یعنی اوقاف سے متعلق قدیم روایات پر عمل کیا جائے گا۔

اسی فتاویٰ پر یہ الفاظ بھی موجود ہیں؛

''يُنْظَرُ اِلَى الْمَعْهُوْدِ مِنْ حَالِهِ فِيْمَا سَبَقَ مِنَ الزَّمَانِ فَيُبْنٰى عَلٰى ذٰلِكَ لِاَنَّ الظَّاهِرَ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ذٰلِكَ عَلٰى مُوَافَقَةِ شَرْطِ الْوَاقِفِ وَهُوَ الْمَظْنُوْنُ بِحَالِ الْمُسْلِمِيْنَ فَيُعْمَلُ عَلٰى ذٰلِكَ''(2)

یعنی اوقاف کے معاملہ میں گزشتہ روایات کو دیکھ کر اس کے مطابق عمل کیا جائے گا کیوں کہ ظاہری حال کا تقاضا یہی ہے کہ اسلاف واقف کی شرط کے مطابق ایسا کرتے رہے ہیں اور اپنے مسلمان اسلاف کے متعلق ایسا ہی گمان کیا جاسکتا ہے لہٰذا ان ہی کی اس قدیم روایت پر عمل کیا جائے گا۔

---

(1) فتاویٰ خیریہ، ج1، کتاب الوقف، ص123 مطبوعہ دارالمعرفت بیروت۔

(2) فتاویٰ خیریہ، کتاب الوقف، ج1، ص122، مطبوعہ دارالمعرفت بیروت۔

فتاویٰ فتح القدیر میں بھی فقہ اسلامی کی یہی دفعہ بایں الفاظ موجود ہے:

''اُمِرْنَا بِاِبْقَاءِ الْوَقْفِ عَلٰی مَا کَانَ'' (7)

یعنی مسلم اوقاف سے متعلقہ مسائل کو ان کی سابقہ روایات پر قائم رکھنے کا ہمیں حکم ہوا ہے۔

مساجد واوقاف سے متعلق فقہاء اسلام کی بیان کردہ صدیوں سے اسلامی دستاویزات میں موجود ان دفعات واحکام کے ہوتے ہوئے پنشن کے نام پر حقیری رقم کے عوض ان حضرات کو ان کے جائز حقوق سے محروم کرنا، مذہبی احکام کو پامال کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ الغرض جس علت ودلیل کی بنیاد پر سرکاری ملازمین کے طبقہ اول کو عمر کی مقررہ حد پوری کرنے کے بعد ریٹائرڈ یا بے دخل کرنا جائز ہے اِسی دلیل سے دوسرے طبقہ کو جبراً ریٹائرڈ کر کے بے دخل کرنا ناجائز وحرام اور غداری ہے۔ اِس لیے کہ اول طبقہ کی مقررہ حد عمر پوری ہونے کے بعد اس کے ریٹائرمنٹ کا جواز قرآن شریف کی مذکورہ آیت اور فقہاء کرام کی مذکورہ عبارت سے بطور عبارت النص ثابت ہو رہا ہے لیکن دوسرے طبقہ کو اس پر قیاس کر کے ریٹائرڈ کرنے کے عدم جواز بطور دلالۃ النص یا اشارۃ النص ثابت ہو رہا ہے۔ نیز معاہدوں کی پابندی کے لیے ان شرعی احکام ونصوص کی جو علت ہے یعنی ظلم وتعدی اور ناانصافی سے پاک معاشرہ قائم کرنا وہ ان دونوں میں یکساں موجود ہے جیسے طبقہ اول کو عمر کی مخصوص حد کو پہنچنے سے قبل بلاوجہ بے دخل کرنے یا ریٹائرمنٹ کی عمر کو پہنچنے کے بعد فریقین میں سے کسی ایک کا معاہدہ کی خلاف ورزی کے باعث حرکت کرنا، ان نصوص وتصریحات کے منافی ہو کر معاہدات کے حوالہ سے غداری، ظلم وناانصافی اور معاشرتی ناہمواری کو جنم دے سکتا ہے۔ اِسی طرح دوسرے طبقہ کو اُس کی موت یا ناقابل ملازمت ہونے سے قبل اس کی مرضی کے خلاف ریٹائرڈ کرنے میں بھی ظلم، ناانصافی اور معاشرتی ناہمواری جیسے گناہ پیدا ہو سکتے ہیں۔

---

(1) فتاویٰ فتح القدیر، ج5، کتاب الوقف، ص 440، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر فتاویٰ بحر الرائق، ج5، ص 227۔

یہ الگ بات ہے کہ اگر یہ ملازمین ازخود پنشن لینے یا کسی اور مراعات حاصل کرنے کے عوض خود کو ریٹائرڈ کرنے کی درخواست دیں اور محکمہ بھی اسے منظور کرے تو فریقین کی باہمی رضا مندی سے اِن کا خود کو بے دخل کرنا اور محکمہ کا انہیں معاوضہ دینے کے بعد بے دخل کرنا جائز ہے جیسے طبقہ اول کا عمر کی مخصوص حد کو پہنچنے سے قبل اپنی مرضی سے خود کو بے دخل کرنے کی درخواست دینے اور محکمہ کا اسے منظور کرنے کی صورت میں فریقین کی باہمی رضامندی سے جائز ہوتا ہے اِس لیے کہ ان سب صورتوں میں کسی فریق پر ظلم وتعدی نہیں ہو رہا لیکن بغیر معاہدہ پنشن و دیگر مراعات کے اِن پوسٹوں پر کام کرکے محض مقررہ تنخواہ پانے والے ملازمین (دوسرے طبقہ) کو جنکے تصور میں سابقہ حالات و روایات اور عرف وتعاہُد کے عین مطابق مدت العمر ان مساجد کو آباد کرتے ہوئے بدستور انکے ساتھ منسلک وملازم رہنا ہے، کو ان کی مرضی کیخلاف ریٹائرڈ کرنا یا پنشن کے نام پر حقیر رقم اب کے ہاتھ میں تھما کر بے دخل کرنا ظلم عظیم ہے۔ جس کے متعلق نبی اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ''اَلظُّلْمُ ظُلُمٰتٌ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ'' یعنی اس دنیا میں طاقتور کا کمزور پر ظلم کرنا قیامت کے دن بہتیرے ظلموں کی شکل اختیار کرکے اس کے لیے باعث عذاب ہوگا یا یہ کہ اس دنیا میں زور آور کا کمزور پر ظلم کرنا قیامت کے دن اس ظالم کے لیے اندھیریوں کے عذابوں میں مبتلا ہونے کا سبب ہوگا۔ بہر حال اِس طبقہ کو اِن کی مرضی کے برعکس پنشن کے نام سے اِس غیر معروف، غیر معتاد اور ناپسندیدہ طریقہ سے ریٹائرڈ کرنا کسی کے منہ سے اس کا لقمہ حلال ظلماً چھیننے کے مترادف ہے۔ جس کی اجازت مسلمانوں کے کسی مذہب میں بھی نہیں دی جاسکتی۔

دوسرے سوال کا شرعی جواب یہ ہے کہ ان مساجد کے بانی اور واقف مرحوم حضرات کی اولاد یا اولاد در اولاد میں جو شخص بھی اِن پوسٹوں پر مقاصد وشرائط واقف وبانی کے مطابق فرائض انجام دینے کے قابل موجود ہونگے تو اللہ کے دین میں اُن ہی کو ترجیح ہے بالخصوص اس صورت میں جبکہ سابقہ روایات بھی اسی طرح سے چلی آرہی ہوں۔ اِس طرح کے معروضی حالات میں پنشن کے نام پر حقیر سی رقم

انہیں تھما کر بے دخل کرنے کی اجازت کسی مذہب میں بھی نہیں ہے۔

اِس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ امامت و خطابت یا اِن پوسٹوں پر فرائض انجام دینا اُن کی میراث ہے، ایسا ہرگز نہیں ہے اِس لیے کہ امامت و خطابت میراث نہیں ہیں بلکہ اصل بانی اور واقف کی اولاد اور انکی نسل میں ہونے کی بنا پر دوسرے اجنبی اشخاص کے مقابلہ میں یہ حضرات فطرتاً و طبعاً اپنے بزرگوں کی اِن یادگاروں کی آبادکاری اور ان کے مقاصد کی تکمیل پر توجہ دینے کی بنیاد پر زیادہ مستحق ہیں۔ فتاویٰ درمختار میں ہے؛

''مَادَامَ اَحَدٌ يُصْلِحُ التَّوْلِيَةَ مِنْ اَقَارِبِ الْوَاقِفِ لَا يُجْعَلُ الْمُتَوَلِّي مِنَ الْاَجَانِبِ لِاَنَّهُ اَشْفَقُ وَمِنْ قَصْدِهِ نِسْبَةُ الْوَقْفِ اِلَيْهِمْ'' (1)

یعنی جب تک اصل بانی اور واقف کی قریبی اولاد و نسل میں وقف کی دیکھ بھال کرنیکی صلاحیت وقابلیت والا کوئی شخص موجود ہوگا اس وقت تک اجنبی کو اس کی دیکھ بھال پر مقرر نہیں کیا جائے گا اِس لیے کہ اس کا نسبی و قریبی اس کی وقف کردہ چیز پر زیادہ شفقت کرنے والا ہوتا ہے اور واقف کے مقاصد میں یہ بھی ہوتا ہے کہ اس کی وقف کردہ چیز کی نسبت بھی اسی کے خاندان کی طرف قائم رہے جسکی تکمیل اسی صورت میں ہوسکتی ہے کہ اس کے اپنے قریبی خاندان میں قابل تولیت شخص کو ہی نگران مقرر کیا جائے۔

جب تولیت کا یہ حال ہے کہ اصل واقف و بانی کی اولاد و خاندان میں صاحبِ صلاحیت شخص کے ہوتے ہوئے اجنبی کی تولیت جائز نہیں ہوسکتی تو ایسی صورت میں اجنبی کی امامت و خطابت بدرجہ اولیٰ نہیں ہوسکتی اس لیے کہ فقہاء کرام نے اِس حکم کی علت دو چیزیں بتائیں ہیں؛

پہلی چیز:۔ اپنے بزرگوں کی وقف کردہ چیز پر شفقت و توجہ۔

دوسری چیز:۔ مقصد واقف کی تکمیل۔

---

(1) فتاویٰ در مختار، ج1، ص389 مطبوعہ مجتبائی دھلی۔

اِس سلسلہ میں فتاویٰ ردالمحتار میں ہے؛

''مِنْ قَصْدِ الْوَاقِفِ نِسْبَتُ الْوَقْفِ اِلَیْهِ'' (1)

یعنی واقف کے مقاصد میں یہ بات بھی شامل ہوتی ہے کہ اس وقف کی نسبت اس کے اور اس کے خاندان کی طرف قائم رہے۔

اِن دونوں علتوں کی روشنی میں مقصدِ واقف کی تکمیل متولی کی نسبت امام وخطیب کی شکل میں زیادہ ہوتی ہے اِس لیے کہ متولی کا عالم دین ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ امین غیر خائن، عادل غیر فاسق اور مقصدِ واقف کو سمجھ کر اُس پر عمل کرنے والا مسلمان ہونا ہی کافی ہے لہٰذا ان اوصاف کے حامل ہوتے ہوئے شریعت کے علم سے بے خبر و جاہل بھی ہوسکتا ہے جبکہ امام وخطیب کا ان اوصاف کے ساتھ ساتھ عالم دین ہونا بھی ضروری ہے لہٰذا عالم دین اور ''اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا'' (2) ہونے کے ناطے وہ جاہل متولی کے مقابلہ میں مسجد پر زیادہ شفیق اور مقصد واقف کی تکمیل کی طرف زیادہ متوجہ ہوگا، مگر یہ کہ اُس کی خیانت و نااہلی ظاہر ہوجائے۔

تقاضائے علم کے علاوہ ان پوسٹوں پر کام کرنے والے خطباء و امام حضرات اور انکے مقابلہ میں محکمہ اوقاف کے اہل کار (متولی) حضرات کی خدمات کو تقابلی نظر سے دیکھا جائے تو اس رسمی متولی کے مقابلہ میں اِن حضرات کی خدمات، مساجد پر شفقت، انتظام و انصرام، مقصدِ واقف کی تکمیل، نمازیوں کی سہولت اور مساجد کی دیکھ بھال اور حسنِ انتظام ان کی اہمیت و افضلیت اور دوام استحقاق پر شاہد عادل ہیں۔ لہٰذا فقہاء کرام کے مذکور فتویٰ کے زیادہ مستحق رسمی متولیوں کے مقابلہ میں یہی حضرات قرار پائیں گے جن کے مساعی جمیلہ سے یہ مساجد آباد ہیں، نمازیوں کو سہولیات میسر ہیں، تعمیر جدید و مرمت اور مقصد واقف و بانی کی تکمیل ہورہی ہے اور محکمہ اوقاف کی جانب سے مقررہ وظائف کے عوض محض

---

(1) فتاویٰ رد المحتار، ج3، ص411، مطبوعه دار احیاء التراث العربی بیروت۔

(2) فاطر، 28

امامت یا خطابت کی مسؤلیت کی انجام دہی سے کئی گنا زیادہ محکمہ اوقاف (متولی) کی مسؤلیات کی ادائیگی کے اضافی بوجھ بھی برداشت کر کے مقصد واقف پر عمل کرنے کے باعث بن رہے ہیں لہٰذا فقہاء کرام کی عبارت میں مذکورہ دونوں علتوں کے مطابق تفصیلی دلیل اس طرح ہوگی۔

شرعی حکم ومدعا:۔ان حضرات کی موجودگی میں اوروں کوان پوسٹوں پر مقرر کرنا ظلم ہے۔

صغریٰ:۔کیوں کہ ایسا کرنا اوقاف پر شفقت کے خلاف ہے۔

کبریٰ:۔اوراوقاف پر شفقت کے خلاف ہر عمل ظلم ہے۔

نتیجہ:۔لہٰذا ان حضرات کی موجودگی میں اوروں کو ان پوسٹوں پر مقرر کرنا ظلم ہے۔

شرعی حکم ومدعا:۔ان حضرات کے ہوتے ہوئے اوروں کو ان پر مقرر کرنا ناجائز ہے۔

صغریٰ:۔کیوں کہ ایسا کرنا مقصد واقف کے منافی ہے۔

کبریٰ:۔اور جو کام بھی مقصد واقف کے منافی ہے وہ ناجائز ہے۔

نتیجہ:۔لہٰذا ان حضرات کے ہوتے ہوئے اوروں کو ان پوسٹوں پر مقرر کرنا ناجائز ہے۔

اس کے علاوہ ان پوسٹوں پر ان حضرات کا مدت الایام سے فرائض انجام دینے کی جو روایت ہے وہ بھی فقہاء کرام کی تصریحات کے مطابق ان کے حق میں وجہ ترجیح ہے جس کی بلاوجہ شرعی خلاف ورزی کرنا ظلم وزیادتی اور ناروا ہے۔فقہ حنفی کی معتبر ترین فتاویٰ خیریہ میں ہے؛

''اِذَا وُجِدَ شَرْطُ الْوَاقِفِ فَلَا سَبِیْلَ اِلٰی مُخَالَفَتِهٖ وَاِذَا فُقِدَ عُمِلَ بِالْاِسْتِفَاضَةِ وَالْاِسْتِمَارَاتِ الْعَادِیَةِ الْمُسْتَمِرَّةِ مِن تَقَادُمِ الزَّمَانِ اِلٰی هٰذَا الْوَقْتِ''(1)

یعنی جب اصل بانی اور واقف کی طرف سے اس سلسلہ میں شرط پائی جائے تو پھر اُس کی خلاف ورزی کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے اور جب یہ شرط نہ پائی جائے تو پھر قدیم ایام سے اب تک جو طریقہ چلا آرہا ہے اُسی پر عمل کیا جائے گا۔

(1) فتاویٰ خیریه، حصه1، کتاب الوقف، ص 123،مطبوعه دارالمعرفت بیروت۔

اور اسی فتاویٰ میں یہ تصریح بھی موجود ہے کہ؛

''اِذَا اشْتَبَهَتْ مَصَارِفُ الْوَقْفِ يُنْظَرُ اِلٰى الْمَعْهُوْدِ مِنْ حَالِهٖ فِيْمَا سَبَقَ مِنَ الزَّمَانِ فَيُبْنٰى عَلٰى ذٰلِكَ لِاَنَّ الظَّاهِرَ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ذٰلِكَ عَلٰى مُوَافِقَةِ شَرْطِ الْوَاقِفِ وَ هُوَ الْمَظْنُوْنُ بِحَالِ الْمُسْلِمِيْنَ فَيُعْمَلُ عَلٰى ذٰلِكَ''(1)

یعنی جب وقف کے مصارف و معاملات میں جواز و عدم جواز کا اشتباہ پیدا ہو جائے تو قدیم الایام کے طریقہ کار کو دیکھ کر اسی کے مطابق کیا جائے گا کیوں کہ قدیم الایام مسلمانوں کے اس طریقہ عمل سے یہی معلوم ہو رہا ہے کہ وہ شرط واقف کے مطابق ہی ایسا کرتے رہے ہیں اور مسلمانوں کے متعلق اسی طرح اچھا گمان کیا جاتا ہے لہٰذا اسی طریقہ قدیم پر ہی عمل کیا جائے گا۔

مسلم اوقاف اور مساجد کے معاملات میں فقہاء کرام کی بیان کردہ اس اسلامی دفعہ اور صدیوں سے معمول بہ طریقہ کار سے تفصیلی استدلال اس طرح ہوگا۔

شرعی حکم و مدعا:۔ ان حضرات کو پنشن دے کر بے دخل کرنا قطعاً ناجائز ہے۔

صغریٰ:۔ اس لیے کہ ایسا کرنا اوقاف سے متعلقہ قدیم طریق کار کی خلاف ورزی ہے۔

کبریٰ:۔ اور اوقاف سے متعلقہ قدیم طریق کار کی خلاف ورزی ناجائز ہے۔

نتیجہ:۔ لہٰذا ان حضرات کو پنشن دے کر بے دخل کرنا قطعاً ناجائز ہے۔

تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ محکمہ اوقاف کا یہ عمل سراسر ناجائز اور اوقاف کے متعلق اسلامی دستاویزات کی خلاف ورزی ہے۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب فتاویٰ درمختار میں ہے کہ؛

''اِتَّحَدَ الْوَاقِفُ وَالْجِهَةُ وَقَلَّ مَرْسُوْمُ بَعْضِ الْمَوْقُوْفِ عَلَيْهِ جَازَ لِلْحَاكِمِ اَنْ يَصْرِفَ مِنْ فَاضِلِ الْوَقْفِ الْاٰخَرِ اِلَيْهِ لِاَنَّهُمَا حِيْنَئِذٍ كَشَيْءٍ وَاحِدٍ وَاِنِ اخْتَلَفَ

---

(1) فتاویٰ خیریہ، حصہ 1، کتاب الوقف، ص 122، مطبوعہ دارالمعرفت بیروت۔

اَحَدُهُمَا بِاَنْ بَنٰی رَجُلَانِ مَسْجِدَیْنِ اَوْ رَجُلٌ مَسْجِدًا وَمَدْرَسَةً وَوَقَفَ عَلَیْهِمَا اَوْقَافًا لَایَجُوْزُ لَهٗ ذٰلِکَ''(1)

یعنی اگر کسی ایک مسجد یا مدرسہ کی آمدنی اس کی ضروریات کو پورا کرنے سے کم ہو اور اس کے مقابلہ میں دوسرے کی آمدنی ضروریات سے بھی زیادہ ہو تو اگر واقف اور جہت دونوں ایک ہوں تب تو حاکم وقت کو اس زیادہ آمدنی والی جگہ کے حاصلات و آمدن میں سے اِس کم آمدن والی جگہ پر صَرف کرنا جائز ہے ورنہ اگر واقف و جہت میں سے ایک جدا ہو جیسے دو آدمیوں نے الگ الگ مسجدیں بنا کر ان کے مصارف کے لیے جائیدادیں وقف کیں یا ایک ہی آدمی نے ایک جگہ مسجد بنائی اور دوسری جگہ مدرسہ بنایا اور ان کے مصارف کے لیے جائیدادیں وقف کیں تو ایسی صورت میں حاکم وقت کو اُن میں سے ایک کی آمدن دوسرے پر صرف کرنا جائز نہیں ہو سکتا۔

فقہاء کرام نے اِس عبارت میں جن احکام شرعیہ کا اظہار کیا ہے اُن کی تشریح و توضیح اور تجزیہ اس طرح ہے۔

جواز کی شکلیں:۔

① ایک شخص نے ایک سے زیادہ جگہوں میں متعدد مسجدیں بنا کر اُن کے مصارف کے لیے الگ الگ جائیدادیں وقف کیں۔ مرورِ ایام کے ساتھ کسی وقت میں اُن میں سے ایک پر موقوفہ جائیداد کی آمدنی و حاصلات اُس کی جائز ضروریات و مصارف کو پورا کرنے سے کم و ناکافی ہوئے جبکہ دوسری پر موقوفہ جائیداد کی آمدنی و حاصلات اُس کے مصارف سے زیادہ ہوتے ہیں تو اس وقت وافر آمدنی والے کی آمدن میں سے کم آمدن والے پر خرچ کرنا جائز ہے اِس لیے کہ اِس صورت میں جہتِ وقف اور واقف ایک ہیں۔

(1) فتاویٰ در مختار، ج1، ص380، مطبوعہ مجتبائی دھلی۔

② ایک شخص نے ایک سے زیادہ جگہوں میں متعدد دینی مدارس بنا کر ان کے جائز مصارف و اخراجات کے لیے الگ الگ جائیدادیں وقف کیں بعد میں مرورِ ایام کے ساتھ ان میں سے ایک کی آمدنی اس کے جائز مصارف کو پورا کرنے سے کم ہوئی جبکہ دوسرے کی آمدن اس کے جائز مصارف سے زیادہ ہے تب بھی زیادہ آمدن والا مدرسہ کی آمدن میں سے کم آمدن والا مدرسہ پر خرچ کرنا جائز ہے۔

③ ایک ہی شخص نے متعدد جگہوں میں ایک سے زیادہ ایک ہی نوعیت کے رفاہی ادارہ جیسے ہسپتال، جائز دنیوی تعلیم گاہیں، مسافر خانے، خانقاہیں وغیرہ بنا کر ان کے اخراجات و مصارف کے لیے الگ الگ جائیدادیں وقف کیں بعد میں تاریخ کے کسی دور میں ان میں سے ایک پر موقوفہ جائیداد کی آمدن اس کے مصارف کو پورا کرنے سے کم ہوئی جبکہ دوسرے کی آمدن اس کے مصارف سے زیادہ ہے تو ایسی صورت میں زیادہ آمدن والے ادارہ کی آمدن میں سے کم آمدن والے کے مصارف کو پورا کرنا جائز ہے یعنی ایک ہسپتال کی وافر آمدن سے دوسرے ہسپتال کے مصارف کو پورا کرنا یا ایک خانقاہ کی زائد آمدن سے دوسری کم آمدن والی خانقاہ کی ضروریات کو پورا کرنا یا ایک درس گاہ کی زائد آمدن سے دوسرے کم آمدن والی درسگاہ کی ضروریات کو پورا کرنا جائز ہے۔

④ ایک شخص نے دو جگہوں میں مسجدیں بنائیں لیکن ان کے مصارف کے لیے اپنی طرف سے جائیداد وقف نہیں کی لیکن ایک اور مسلمان نے ان دونوں کے لیے الگ الگ جائیدادیں وقف کیں بعد میں مذکورہ صورت پیدا ہوئی۔

⑤ چند مخصوص اشخاص نے ایک جگہ مشترکہ طور پر مسجد بنائی اور ان ہی اشخاص نے اس مسجد پر مشترکہ جائیداد وقف کی بعد ازاں ان ہی اشخاص نے دوسری جگہ مسجد بنا کر اس کے مصارف کے لیے بھی علیٰحدہ جائیداد وقف کی اس کے بعد حالات نے مذکورہ صورت پیدا کی۔

⑥ ایک شخص نے دو جگہوں میں جدا جدا مسجدیں بنا کر وقف کیں لیکن ان کے مصارف کے لیے اپنی طرف سے کوئی جائیداد وقف نہیں کی جبکہ اس کے سوا چند اور مسلمانوں نے مل کر مسجد اول کے لیے کچھ جائیدادیں وقف کیں اور ان ہی چند اشخاص نے مشترکہ طور پر دوسری مسجد کے لیے بھی کچھ جائیدادیں وقف کیں جس میں ان مخصوص واقفین علی المسجد الاول میں سے کوئی شخص ابھی مرا نہیں ہے بلکہ سب کے سب موجود ہیں اور سب نے مل کر دوسری مسجد پر وقف کئے ہیں عام اس سے کہ ان واقفین کی جانب سے وقف ہونے والی جائیداد برابر ہو یا کسی کی طرف سے کم اور کسی کی طرف سے زیادہ ہو بہر حال جیسے مسجد اول پر جائیدادیں وقف کرنے میں وہ سب شریک تھے دوسری مسجد پر وقف کرنے میں بھی وہ سب شریک فی الوقف ہوں جن کے ساتھ کوئی اور شخص شریک نہیں ہے، بعد میں مذکورہ صورت حال پیدا ہوئی۔

⑦ ایک شخص نے ایک سے زیادہ جگہوں میں مدارس دینیہ قائم کر کے وقف کر دیئے جن کے مصارف کے لیے کوئی جائیداد وقف نہیں کی جبکہ دوسرے شخص یا چند مخصوص اشخاص نے مل کر مشترکہ طور پر اپنی طرف سے ان کے مصارف کے لیے علیحدہ علیحدہ جائیدادیں وقف کیں، مثال کے طور پر چار آدمیوں نے اپنی مشترکہ جائیداد تعدادی 20 جریب زمین میں سے ان چار مساجد کے لیے ہر مسجد پانچ پانچ جریب جدا جدا کر کے وقف کر دی اس تقسیم میں اگر کمی بیشی ہو جائے تب بھی کوئی فرق نہیں آتا۔ مرور ایام کے تقاضا سے بعد میں ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ ان میں سے ایک کی آمدنی کم ہو کر مصارف کے لیے ناکافی ہوئی یا بالکل ختم ہوئی جبکہ دیگر تینوں کی آمدنی ان کے مصارف سے بھی زیادہ ہوئی۔

⑧ ایک سے زیادہ چند اشخاص نے مل کر مشترکہ طور پر ایک مسجد بنا کر سب نے مشترکہ طور پر اس کے مصارف کے لیے جائیدادیں وقف کیں اور بعد میں ان سب واقفین و بانیان مسجد اول نے دوسری جگہ میں بھی ایک یا ایک سے زیادہ مزید مسجدیں بنا کر ان کی آبادکاری و مصارف کے لیے

بھی جائیدادیں مشترکہ طور پر وقف کیں، بعدازاں کسی زمانہ میں مذکورہ صورت حال پیدا ہوئی۔

⑨ چند اشخاص نے مشترکہ طور پر ایک دینی مدرسہ بنا کر اس کے مصارف کے لیے سب نے مشترکہ طور پر جائیدادیں وقف کیں بعدازاں ان سب نے مل کر دوسری جگہ میں بھی ایک یا ایک سے زیادہ دینی مدارس قائم کر کے ان کے مصارف کے لیے سب نے مشترکہ طور جائیدادیں وقف کیں، بعد میں مذکورہ صورت پیدا ہوئی۔

⑩ چند اشخاص نے مل کر دنیوی درسگاہ برائے افادہ عامۃ المسلمین قائم کر کے اس کے مصارف کے لیے مشترکہ طور پر جائیدادیں وقف کیں اس کے بعد ان سب نے مل کر دوسری جگہ ایک یا ایک سے زیادہ اسی نوعیت کی دنیوی درس گاہیں قائم کر کے ان کے مصارف کے لیے جائیدادیں وقف کیں، مرورایام کے ساتھ بعد میں مذکورہ صورت حال پیدا ہوئی۔

اِن تمام صورتوں میں زیادہ آمدن والے وقف کی آمدن میں سے لے کر کم آمدن والے وقف پر صَرف کرنا جائز ہے کیوں کہ ان سب صورتوں میں واقف وبانی اور جہت ونوعیتِ وقف دونوں ایک ہیں گویا ان سب صورتوں کے جواز پر فقہی وتفصیلی استدلال اس طرح ہوگا؛

شرعی حکم ومدعا:۔ ان سب صورتوں میں زیادہ آمدنی والے اوقاف کی آمدن میں سے کم آمدنی والے اوقاف پر صرف کرنا جائز ہے۔

صغریٰ:۔ کیوں کہ ان سب صورتوں میں واقف اور جہتِ وقف ایک ہیں۔

کبریٰ:۔ جہاں پر یہ دونوں ایک ہوتے ہیں وہیں پر زیادہ آمدن والے سے کم آمدن والے پر صرف کرنا جائز ہوتا ہے۔

حاصل استدلال ونتیجہ:۔ لہٰذا ان سب صورتوں میں زیادہ آمدن والے سے کم آمدن والے پر صرف کرنا جائز ہے۔

عدم جواز کی صورتیں:۔

① ایک شخص نے ایک جگہ مسجد اور دوسری جگہ میں مدرسہ بنا کر ان کے مصارف کے لیے الگ الگ جائیدادیں وقف کیں بعد میں ان میں سے ایک کی آمدن کم ہو کر جائز مصارف کے لیے ناکافی ہوئی جبکہ دوسرے کی آمدن اس کے مصارف سے زیادہ ہے۔

② ایک شخص نے ایک جگہ مسجد اور دوسری جگہ خانقاہ بنا کر ان کے مصارف کے لیے علیٰحدہ علیٰحدہ جائیدادیں وقف کیں بعد میں کسی وقت ایک کی آمدن اس کے مصارف سے کم و ناکافی ہوئی جبکہ دوسرے کی آمدن اس کے مصارف سے زیادہ ہے۔

③ ایک شخص نے ایک جگہ مسجد اور دوسری جگہ ہسپتال یا کوئی اور رفاہی اور مفاد عامہ کی غرض سے کوئی چیز بنا کر ان کے مصارف کے لیے علیٰحدہ علیٰحدہ جائیدادیں وقف کیں، بعد میں مذکورہ صورت حال پیدا ہوئی۔

④ ایک سے زیادہ اشخاص نے مشترکہ طور پر ایک مسجد بنا کر اس کے مصارف کے لیے مشترکہ طور پر جائیدادیں وقف کیں اور ان ہی اشخاص میں سے ایک نے دوسری جگہ میں بھی ایک یا ایک سے زیادہ مسجدیں بنا کر اپنی طرف سے ان کے مصارف کے لیے جائیدادیں وقف کیں، بعد میں کسی وقت مذکورہ صورت حال پیدا ہوئی۔

⑤ ایک سے زیادہ چند اشخاص نے مل کر مشترکہ طور ایک مسجد بنا کر سب نے مشترکہ طور پر اس کے مصارف کے لیے جائیدادیں وقف کیں اور ان ہی اشخاص نے دوسری جگہ میں مشترکہ طور پر اللہ کی رضا مندی کے لیے دینی یا دنیوی مدرسہ بنا کر سب نے متفقہ اور مشترکہ طور پر اس کے مصارف کے لیے جائیدادیں وقف کیں بعد میں مذکورہ صورت حال پیدا ہوئی۔

⑥ چند اشخاص نے مل کر اپنی مشترکہ زمین میں دینی مدرسہ بنا کر اُس کے مصارف کے لیے بھی مشترکہ طور پر جائیدادیں وقف کیں جبکہ ان واقفین میں سے ایک نے دوسری جگہ میں بھی ایک

دینی مدرسہ وقف بنا کر اُس کے مصارف کے لیے اپنی طرف سے جائیداد وقف کی، بعد میں مذکور صورتحال پیدا ہوئی۔

⑦ چند اشخاص نے مل کر مشترکہ طور پر ایک رفاہی ادارہ مثلاً دنیوی درس گاہ بنا کر وقف کر دیا اور اس کے مصارف کے لیے مشترکہ طور پر جائیدادیں وقف کیں اور ان ہی واقفین و بانیوں میں سے ایک نے دوسری جگہ اسی نوعیت کی دنیوی درس گاہ بنا کر اپنی طرف سے اس کے مصارف کے لیے علٰیحدہ وقف کی، بعد میں مذکورہ صورتحال پیدا ہوئی۔

⑧ ایک شخص نے ایک جگہ فی سبیل اللہ مسجد بنائی جس کے مصارف کے لیے کوئی جائیداد وقف نہ کر سکا، بعدازاں اسی شخص نے دوسری جگہ بھی مسجد بنائی اس کے مصارف کے لیے بھی اپنی طرف سے کوئی جائیداد وقف نہ کر سکا لیکن اس کے سوا کسی اور مسلمان یا مسلمانوں نے مسجد اول یا مسجد ثانی کے مصارف کے لیے جائیدادیں وقف کیں اور ان کے مقابلہ میں کسی اور مسلمان یا مسلمانوں نے اُس دوسری مسجد کے لیے بھی اپنی طرف سے جائیدادیں وقف کیں، بعد میں مذکورہ صورتحال پیدا ہوئی۔

⑨ ایک شخص نے ایک جگہ میں ایک مسجد بنائی اور دوسری جگہ مدرسہ یا کوئی اور رفاہی ادارہ بنا کر وقف کر دیا لیکن ان دونوں کے مصارف کے لیے اپنی طرف سے کوئی جائیداد وقف نہیں کی جبکہ کسی اور مسلمان یا مسلمانوں نے اُن دونوں کے لیے علٰیحدہ علٰیحدہ جائیدادیں وقف کیں، جس کے بعد مذکورہ صورتحال پیدا ہوئی۔

⑩ چند اشخاص نے مل کر رضائے الٰہی کے لیے وقف مدرسہ بنایا اور انہوں نے ہی دوسری جگہ بھی وقف مدرسہ بنایا لیکن کسی ایک کے لیے بھی ان وقفی عمارتوں کے سوا اور کوئی جائیداد وقف نہیں کی جبکہ کسی اور نے ان میں سے ایک کے مصارف کے لیے اپنی طرف سے جائیداد وقف کی اور کسی اور نے اُن میں سے دوسرے مدرسہ کے مصارف کے لیے اپنی جائیداد وقف کی، بعدازاں

مذکورہ صورتحال پیدا ہوئی۔

⑪ چند اشخاص نے مل کر ایک مسجد بنائی اور انہوں نے ہی دوسری جگہ دوسری مسجد بنائی لیکن اپنی طرف سے کسی ایک کے لیے بھی کوئی جائیداد وقف نہیں کی جبکہ دیگر چند اشخاص نے مل کر اپنی مشترکہ جائیداد مسجد اول پر وقف کی، بعدازاں اُن ہی مخصوص افراد میں سے ایک نے دوسری مسجد کے مصارف کے لیے اپنی انفرادی جائیداد وقف کی، بعدازاں گردشِ ایام نے مذکورہ صورتحال پیدا کردی۔

⑫ چند اشخاص نے مل کر ایک مسجد بنائی، بعدازاں دوسری جگہ انہی اشخاص نے دوسری مسجد بنائی لیکن انہوں نے ان مسجدوں کے علاوہ کوئی جائیداد اُن کے مصارف کے لیے وقف نہیں کی جبکہ دوسرے شخص یا اشخاص نے اُن میں سے کسی ایک مسجد کے لیے انفرادی یا اشتراکی جائیداد وقف کی، بعدازاں اُس واقف نے یا ان سب شریک واقفین نے دوسری مسجد کے لیے بھی کوئی جائیداد وقف کرنا چاہا تو کوئی اور مسلمان ان کے ساتھ شامل ہوکر اُس نے بھی اپنی انفرادی یا مسلمانوں نے اُن کے ساتھ شامل ہوکر اپنی انفرادی جائیداد یا مشترکہ اس دوسری مسجد کے لیے وقف کی، بعد ازاں کسی وقت میں مذکورہ صورتحال پیدا ہوئی۔

⑬ کسی ایک شخص نے ایک مسجد یا خانقاہ یا مدرسہ یا کوئی اور رفاہی ادارہ بنا کر فی سبیل اللہ وقف کیا ہے عام اس سے کہ اپنی طرف سے اُس کے مصارف کے لیے کوئی جائیداد وقف کی ہے یا نہیں لیکن بعد میں متعدد علاقوں سے کثیر تعداد میں مسلمانوں نے اُس کی آبادکاری کی غرض سے اس کے مصارف کے لیے جائیدادیں وقف کی ہیں جس کے نتیجہ میں اُس کی آمدنی اس کے مصارف سے بہت زیادہ ہے جبکہ دوسری جگہ اسی بانی کی بنائی ہوئی دوسری مسجد یا کسی اور کی بنائی ہوئی دوسری مسجد پر جائیداد موقوفہ کی آمدن سے اُس کی ضروریات پوری نہیں ہوتی۔

ان تمام صورتوں میں وافر آمدن والے کی آمدن کو کم آمدن والی مسجد یا دیگر اوقاف پر صَرف کرنا فقہاء

کرام کی مذکورہ تصریح کے مطابق ناجائز و خیانت اور حرام ہے۔ ان تمام صورتوں کا فقہی و تفصیلی استدلال اس طرح ہوگا؛

شرعی حکم و مدعا:۔ اِن تمام صورتوں میں زیادہ آمدن والے اوقاف کی آمدن کو کم آمدن والے اوقاف پر خرچ کرنا خیانت ہے۔

صغریٰ:۔ اِس لیے کہ اِن سب میں واقف اور جہت وقف مختلف ہیں۔

کبریٰ:۔ جس جگہ بھی جہت وقف اور واقف مختلف ہوں وہیں پر زیادہ آمدن والے اوقاف کی آمدن کو کم آمدن والے اوقاف پر خرچ کرنا خیانت ہے۔

حاصل استدلال ونتیجہ:۔ لہٰذا ان تمام صورتوں میں زیادہ آمدن والے اوقاف کی آمدن، کم آمدن والے اوقاف پر خرچ کرنا خیانت ہے۔

موجودہ وقت کے محکمہ اوقاف کی طرف سے مساجد اوقاف کے اماموں، خطیبوں، خادموں اور جائیداد اوقاف و مساجد سے متعلق بے اعتدالیوں، لاپرواہیوں اور ناجائز تجاوزات کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ اس محکمہ کو بھی گورنمنٹ کے دیگر اداروں اور اِن سب مساجد کی مذکورہ پوسٹوں پر متعین حضرات کو گورنمنٹ کے دیگر ملازمین پر قیاس کر کے سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا چاہتے ہیں حالانکہ اوقاف کے معاملات واحکام گورنمنٹ کے دیگر اداروں کے معاملات و احکام سے شرعی نکتہ نگاہ میں جدا ہیں۔ اوقاف کے بہت کم احکام و مسائل دوسرے اداروں کے ساتھ یکساں ہوں گے ورنہ اِس ادارہ کے اکثر احکام، معاملات اور اس کے ملازمین کے مسائل دیگر حکومتی اداروں کے مسائل واحکام سے مختلف ہیں۔ اس لیے اسلامی فقہ کی کتاب الوقف میں اس کے مسائل و معاملات کی بابت مستقل وجدا اور امتیازی دفعات وقوانین مذکور ہیں۔ محکمہ اوقاف کے ارباب اختیار کی شرعی مسؤلیت ہے کہ سب سے پہلے خود انہیں سمجھیں بعد ازاں اُن پر عمل کریں اور کرائیں اِس لیے کہ اوقاف سے متعلق نہایت احتیاط درکار ہے۔

اِس سلسلہ میں ایک قابلِ توجہ مسئلہ یہ بھی ہے کہ:۔ استفتاء کرنے والے حضرات کو بالخصوص اور دیگر خطباء کرام کو بالعموم عالم دین اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ذمہ دار ہونے کے ناطے سے خود اپنے کردار پر بھی غور کرنا چاہئے کہ وہ اپنی تقریروں میں کس حد تک اللہ کے فرمان ''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ''(1)، ''وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ ''(2) پر عمل کر رہے ہیں اِس لیے کہ محکمہ اوقاف کے اہلکاروں کی یہ بے اعتدالیاں، نا انصافیاں قال اللہ وقال الرسول کی روشنی میں یقیناً معصیت اور اپنی شرعی مسؤلیت سے عدول وتجاوز کے زمرہ میں شمار ہوتے ہیں لیکن آجکل علماء کرام وخطباء عظام محراب ومنبر سے مذہب کے نام پر جو تعصب ومنافرت پھیلا رہے ہیں، اِسے بھی جائز نہیں کہا جاسکتا کیوں کہ مسلمانوں میں تفریق کلمہ کا گناہ محکمہ اوقاف کے مذکورہ سنگین گناہوں سے زیادہ سنگین ہیں۔

اَيُّهَا الْعُلَمَاءُ الْكِرَامُ اتَّحِدُوْا اتَّحِدُوْا اِتَّحِدُوْا اِتَّحِدُوْا عَلَى الْاَقْدَارِ الْمُشْتَرَكَةِ وَفِي الْاِتِّحَادِ نِجَاتُكُمْ جَمِيْعًا

پیر محمد چشتی 17/6/2001

دار العلوم جامعہ غوثیہ معینیہ پشاور شہر

☆☆☆☆☆

(1) آل عمران، 103۔ (2) الانفال، 46۔

ہر افضل و اعلیٰ سے برتر نبی

میرا مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے علاقہ میں تبلیغی جماعت والوں نے یہ مسئلہ مشہور کیا ہوا ہے کہ مسجد کا مرتبہ آنحضرت ﷺ کے مرتبہ سے افضل ہے۔ اِس سلسلہ میں یہ لوگ ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہیں کہ؛

ایک دفعہ کسی صحابی نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ؛ ''یا رسول اللہ ﷺ اللہ کے دربار میں آپ کا مرتبہ زیادہ اونچا ہے یا مسجد کا؟'' تو اُس کے جواب میں اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ؛

''میرا مرتبہ مسجد سے کس طرح افضل ہوسکتا ہے جبکہ ہر روز پانچ بار نماز کے لیے میں مسجد میں جاتا ہوں مسجد ایک بار بھی میرے پاس نہیں آتی لہٰذا مسجد کا مرتبہ مجھ سے زیادہ افضل ہے لیکن قرآن شریف میرے اُوپر نازل ہوتا ہے اِس لئے میرا مرتبہ قرآن شریف کے مرتبہ سے زیادہ افضل ہے۔''

میرا مقصد یہ ہے کہ تبلیغی جماعت والے جن سے کوئی جگہ خالی نہیں ہے ہر جگہ یہ مسئلہ بیان کرتے ہیں کسی نے اُن کی اِس بات کو رد نہیں کیا بلکہ مستند علماء بھی اُن کی تائید کرتے ہیں جبکہ میرا دل اِسے تسلیم نہیں کرتا مہربانی کر کے اس کی پوری وضاحت اور شرعی فتویٰ شائع کریں۔

السائل...... محمد مراد خان فاروقی بمقام سوڑ اسپور ضلع چترال

جواب:۔ یہ مسئلہ کہ مسجد کا مرتبہ حضور سرورِ کائنات رحمتِ عالم ﷺ سے افضل ہے اسلامی مسئلہ ہرگز ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ شیطانی مسئلہ ہے۔ جس کے دل میں ذرّہ برابر ایمان ہوگا وہ اس طرح کا تصور بھی نہیں کرسکتا میرے وجدان کے مطابق مسلمانوں کے ایمان کا دشمن شیطان نے قرآن شریف کی سورۃ مریم، آیت نمبر 83 کے عین مطابق کسی نمبر دو بزرگ یا عالم کی شکل میں اِسے مشہور کیا ہوگا۔ بالیقین

اسلام کے حوالہ سے اور رسول اللہ ﷺ کا جھوٹا حوالہ دے کر مسلمانوں کا اس طرح سے عقیدہ خراب کرنے والوں کو دنیا چاہے تبلیغی بزرگ کہے یا مستند عالم، دیو بندی کہے یا بریلوی، شیعہ کہے یا سنی، اہل تقلید سمجھے یا اہل حدیث وہ اِنسی شیطان ہی ہوتے ہیں۔

اللہ کا سچا دین کسی خود ساختہ فرقہ میں منحصر نہیں ہے نہ کسی کا محتاج ہے بلکہ وہ تو ایک چمکتا ہوا نور ہے جس سے سب مستفیض ہو سکتے ہیں جس کے اُصول میں اختلاف کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی لیکن اِنسی شیطانوں نے مختلف شکلوں میں اُس کے مسلّمہ و متفقہ اور غیر متنازعہ مسائل میں سوراخ پیدا کر کے مسلمانوں کے لیے مذہبی اُلجھن و پریشانیاں پیدا کر دی ہیں اُن میں سے ایک یہ مسئلہ بھی ہے۔ مختلف مکاتب فکر اہل اسلام میں آج تک کسی نے بھی یہ نہیں کہا ہے کہ دنیا میں کوئی بڑی سی بڑی اور عظیم سے عظیم مسجد بھی اللہ کے رسول سے افضل ہو سکتی ہے۔

مسجد کی حقیقت یہ ہے کہ زمین کا وہ حصہ ہے جسے ہر طرف سے بندوں کے حقوق سے جُدا کر کے عام اہل اسلام کے لیے نماز کی ادائیگی کی غرض سے وقف کی گئی ہو، محل عبادت ہونے کی وجہ سے عظمت و تقدس و فضیلت کی مستحق ہے۔ جس وجہ سے اُس کی بے ادبی گناہ اور اُس کی عزت و ادب بجالانا ثواب ہے لیکن اللہ کے رسول کی بے ادبی کرنے والا ہمیشہ کے لیے رِندۂ درگاہ ہو کر مردود و ملعون قرار پا کر توبہ کی توفیق سے بھی محروم ہو تا ہے ۔ جیسے قرآن شریف کی سورۃ اسراء، آیت نمبر 48 اور سورۃ الحجرات، آیت نمبر 2 سے مفہوم ہو رہا ہے۔ اور دنیا بھر کی تمام مساجد محل عبادت ہونے کی نسبت سے یکساں فضیلت کی حامل اور مشترک فی التقدس ہونے کے باوصف مساجد ثلاثہ کو اِس کے علاوہ اضافی نسبت حاصل ہونے کی بنا پر اُن کا مقام و مرتبہ اور فضیلت بھی دنیا بھر کی دوسری مساجد سے اُس ترتیب کے مطابق زیادہ ہے۔ جس کا ذکر حدیثوں میں آیا جس کی تفصیل سے غالباً ہر خاص و عام واقف ہیں لیکن اللہ کے آخری نبی اپنے تمام اوصاف و کمالات میں یکتا و بے نظیر ہیں۔ عام ابناء جنس کو چھوڑ کر اللہ کے دیگر مقدس انبیاء و مرسلین کے انفرادی کمالات اور محیّر العقول اوصاف و فضائل سے بھی

آپ ﷺ کے انفرادی کمالات واوصاف بے مثل، اعلیٰ، مافوق اور افضل ہیں۔

اِس مسئلہ کو نبوت اور اُس کے لوازمات سے متعلقہ مباحث میں کل مکاتب فکر اہل اسلام کے متخصصین علم کلام نے اپنی اپنی کتب کلامیہ میں بلا اختلاف لکھا ہوا ہے۔ جس میں کسی بھی مذہب اسلام میں دورائے نہیں ہیں۔ ہزار ہا مسائل میں اختلافات موجود ہونے کے باوجود تمام مکاتب فکر اہل اسلام اس مسئلہ پر یکساں عقیدہ رکھتے ہیں کہ کل کائنات ازقسم زمین وآسمان، زمان ومکان، جن وانس، اولیاء، انبیاء، مرسلین، مقرب فرشتے حملۃ العرش وغیرہ سب سے افضل اور اللہ کی نگاہ میں سب سے اونچا مقام ومرتبہ فضیلت والی مخلوق اگر ہے تو وہ صرف اور صرف ذاتِ پاک محمد مصطفیٰ ﷺ ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی، شیخ اکبر محی الدین ابن عربی، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی جیسے مسلمہ اُولیاء اُمت کی تعلیمات کے مطابق تو نا صرف دنیا بھر کی مساجد بلکہ جملہ خلائق کی تخلیق وایجاد بھی ''لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ'' روایت کے مطابق آپ ﷺ کی خاطر وجود میں لایا گیا ہے۔

مقامِ افسوس ہے کہ جس محیر العقول، عظیم سے عظیم تر مقامات ومراتب اور علی الاطلاق کل کائنات پر فضیلت رکھنے والے بندۂ خالق، آقائے کائنات، جمیع کمالات وفضائل کے اصل الاصول اور واسطہ خلق الی الخالق ﷺ کی شریعت سے منسوب ہونے کے واسطہ سے دنیا بھر کی اِن مساجد کو محل عبادت ہونے کا شرف حاصل ہو کر وہ واجب التنظیم قرار پائیں اور جن کے دستِ اقدس سے تعمیر ہونے کی فضیلت رساں نسبت کی بدولت مسجد نبوی دوسری مساجد پر پچاس گنا زیادہ فضیلت پائے اور جن کی فیض رساں نسبت کی برکت سے چوبیس گھنٹوں کی پنجگانہ نمازیں پچاسگانہ کے برابر فضیلت پائیں اور جن کے جسدِ اطہر کے ساتھ لگنے کی فیض رساں نسبت سے روضۂ اطہر کا حصہ عرش علی سے افضل قرار پائے اور جو اپنی ہر صفت وکمال کے حوالہ سے تمام اہل اسلام کے متفقہ عقیدہ کے مطابق جملہ کائنات سفلیہ وعلویہ سے علی الاطلاق افضل قرار پائے۔ ایسے جوہر کمال پر اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی مسجدوں کو افضل قرار دینے کے شیطانی عقیدہ کو اسلامی کہنے کی جسارت کرنے والے اسلام کے یہ دوست نما دشمن

نہ صرف خود بدعت میں مبتلا ہیں بلکہ خلق خدا کو بھی دعوت و تبلیغ کے نام پر طرح طرح کی بدعات و اعتقادی گمراہیوں میں مبتلا کر رہے ہیں۔ قابلِ رحم ہے مسلمانوں کا وہ معاشرہ جس میں اس قسم کے لوگ راج کرتے ہیں، جس میں سادہ لوح عوام اسلام کے ان نادان دوستوں کو مذہبی رہبر و رہنما تصور کرتے ہیں جس میں ان نمبر دو بزرگوں کو لگام ڈالنے والے بامعنی علماء حق موجود نہیں ہیں۔

جب کل مکاتب فکر اہل اسلام کے مسلّمہ مذہبی دستاویزات اِس بات پر متفق ہیں کہ کائنات کا کوئی ایک فرد بھی اللہ کے حبیب خاتم النبین رحمت عالم ﷺ سے زیادہ مرتبہ والا نہیں ہے۔ جب کل مکاتب فکر اہل اسلام کے خواص و عوام کا متفقہ عقیدہ ہے کہ دنیا کی تمام مساجد سے افضل ترین مساجد ثلاثہ یعنی مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ اور مسجد الحرام بھی اِس افضل خلق اللہ اعظم ﷺ سے افضل نہیں ہو سکتیں، جب پیشروان اسلام اِس بات پر متفق ہیں کہ بیت المعمور اور عرش معلی بھی اِس خلیفۃ اللہ الاعظم فی الارض سے افضل نہیں ہو سکتے تو پھر اندھوں میں سرداری کرنے والے کانوں کا یہ کہنا کہ مسجد کی فضیلت پیغمبر سے افضل ہے۔ سلف و صالحین سے کٹ کر نیا مذہب ایجاد کرنے کی بنیاد ڈالنے کے مترادف ہے۔

اِس کی ایسی مثال ہے جیسے آج سے ڈیڑھ سو سال قبل فتنۂ قادیانی کے ایجاد ہونے سے بھی پہلے ہندوستان کے ایک مشہور مذہبی مدرسہ کے بانی مہتمم نے کہا تھا کہ:

> ”پیغمبر اسلام ﷺ کے نبی آخر الزمان ہونے کا عقیدہ رکھنا نادان جاہلوں کا خیال ہے۔ جبکہ میرے جیسے دانا مبلغین کے نزدیک آنخضرت ﷺ کے بعد اگر کوئی دوسرا نبی پیدا ہو جائے تب بھی کوئی فرق نہیں آئے گا۔“

لیکن فرق اتنا ہے کہ اُس وقت جائز و ناجائز کی تمیز رکھنے والے علماء کرام موجود ہوتے تھے، تو کل مکاتب اہل اسلام کے حق بین، حق شناس اور حق گو علماء کرام نے اُسے مسترد کر دیا۔ کسی اہل تقلید نے اُسے جائز سمجھا نہ اہل حدیث نے، کسی اہلسنت نے اُس کی تائید کی نہ کسی اہل تشیع نے اور نہ کسی بریلوی نے استحسان کی نگاہ سے اُسے دیکھا نہ کسی دیوبندی نے۔ یہاں تک کہ اُس کے بعد اسی کو بنیاد بنا کر مرزا

غلام احمد قادیانی نے فتنۂ قادیانیت کا فساد کھڑا کیا تب بھی سب نے ملکر بیک آواز اُس کے خلاف جدوجہد کی لیکن موجودہ دور میں کھرے کھوٹے کی اور جائز ناجائز کی تمیز رکھنے والے علماء کرام کا ہر مکتب فکر میں فقدان ہوتا جارہا ہے۔

جب سے دینی مدارس سے حاصل ہونے والی سند کو علم کا معیار سمجھنے کا رواج ہوا ہے اُس وقت سے علم رفت جہل آمد کا دور دورہ ہے ایسے میں اسلام کے اِن نادان دوستوں کو اُن کی اِن غلطیوں پر تنبیہ کون کرے۔ اسلام کے نام پر اسلام ہی کی جڑیں کاٹنے والے اندھیرے کے شکار اِن قابلِ اصلاح حضرات کو صراط مستقیم پر کون ڈالے اور اصل و نقل کی تمیز کون بتائے۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ صرف مساجد پر بلکہ جملہ خلائق پر ہمارے آقا و مولیٰ نبی اکرم رحمتِ عالم ﷺ کی علی الاطلاق افضلیت کا مسئلہ جملہ اہل اسلام کے اور تمام مکاتب فکر مسلمانوں کے مابین متفقہ ہونے کی بنا پر قطعی یقینی اور نا قابل تشکیک ہے۔

جب اِس قسم کے لوگوں نے اس میں بھی سوراخ پیدا کر کے مسلمانوں کے ایمان کے لیے خطرہ پیدا کیا تو دیگر مسائلِ فقہ کا خدا ہی حافظ۔ اِس مسئلہ کے حوالہ سے سلف صالحین سے منقول اسلامی عقائد کو ملاحظہ کیجئے فتاوی درمختار میں کتاب الحج کے اندر مکہ اور مدینہ کے مابین تفاضل کے اختلافی بحث کے ضمن میں لکھا ہے۔

"وَمَكَّةُ اَفْضَلُ مِنْهَا عَلَى الرَّاجِحِ اِلَّا مَاضَمَّ اَعْضَائَهُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ فَاِنَّهُ اَفْضَلُ مُطْلَقًا حَتّٰى مِنَ الْكَعْبَةِ وَالْعَرْشِ وَالْكُرْسِيِّ"

یعنی راجح قول کے مطابق مکہ مدینہ سے افضل ہے مگر مدینہ شریف کی زمین کا جو حصہ رسول اللہ ﷺ کے جسدِ اطہر کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے کیونکہ وہ علی الاطلاق ہر اعتبار سے مکہ سے افضل ہے۔ بلکہ کعبۃ اللہ اور عرش و کرسی سے بھی افضل ہے۔

فتاوی درمختار کی اِس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے فتاوی ردالمحتار یعنی فتاویٰ شامیہ نے لکھا ہے؛

"وَالْخِلَافُ فِيْمَا عَدَا مَوْضِعِ الْقَبْرِ الْمُقَدَّسِ فَمَاضَمَّ اَعْضَائَهُ الشَّرِيْفَةَ

فَهُوَ اَفْضَلُ بِقَاعِ الْاَرْضِ بِالْاِجْمَاعِ"

یعنی مکہ و مدینہ کے مابین تفاضل کا جو اختلاف ہے قبر اقدس والی جگہ کے ماسوا میں ہے۔ اِس لئے کہ مدینہ شریف کی زمین کا جو حصہ رحمتِ عالم ﷺ کے جسدِ اقدس کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے، اُس کے تمام روئے زمین کے حصوں سے افضل ہونے پر اِجماع اُمت ہے۔(1)

الشفاء بحقوق المصطفیٰ ﷺ لقاضی عیاض، ج2، ص163، المشرح بشرح مُلا علی القاری میں ہے؛

"وَلَاخِلَافَ اَنَّ مَوْضِعَ قَبْرِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ بِقَاعِ الْاَرْضِ"

یعنی اہل اسلام میں اس بات پر قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کی جگہ پوری روئے زمین کے تمام حصوں سے زیادہ افضل ہے۔

اِس کی وجہ بتاتے ہوئے اس کے شارح مُلا علی القاری نے لکھا ہے کہ؛

"اَیْ بِشَرَفِ قَدْرِهٖ وَكَرَمِهٖ عِنْدَرَبِّهٖ"

یعنی تمام روئے زمین کے حصوں سے آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک والی جگہ کے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی قدر و منزلت اور عزت و جاہ اللہ کی نگاہ میں سب سے زیادہ ہے۔

اور شارح شفا قاضی عیاض مُلا علی القاری نے اِسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ؛

"مَاعَدَاالتُّرْبَةِالسَّكِيْنَةِ فَاِنَّهَااَفْضَلُ مِنَ الْكَعْبَةِ بَلْ مِنَ الْعَرْشِ"(2)

یعنی مکہ و مدینہ کے مابین تفاضل کا جو اختلاف ہے وہ آنحضرت ﷺ کی قبر والی جگہ کے ماسوا میں ہے کیوں کہ حضرت اقدس ﷺ کی قبر والی جگہ بلا اختلاف کعبہ سے افضل ہے بلکہ عرش سے بھی افضل ہے۔

تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں ہے؛

"وَفِی خُلَاصَةِالْوَفَاءِ لِسَّمْهُوْدِی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَيْهِ نَقَلَ عَيَاضُ وَقَبْلَهُ اَبُو

(1) فتاوی شامی، ج2، ص287۔ (2) شرح شفا، ج2، ص162۔

الْوَلِيْدِ وَغَيْرُهُمَا الْإِجْمَاعَ عَلٰى تَفْضِيْلِ مَاضَمَّ الْأَعْضَاءَ الشَّرِيْفَةَ حَتّٰى عَلَى الْكَعْبَةِ كَمَا قَالَهُ ابْنُ عَسَاكِرٍ فِي تُحْفَتِهِ وَغَيْرُهُ بَلْ نَقَلَ التَّاجُ السُّبْكِيُّ عَنْ ابْنِ عَقِيْلِ الْحَنْبَلِيِّ أَنَّهَا أَفْضَلُ مِنَ الْعَرْشِ ''(1)

یعنی حضرت امام سمہودی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِ کی کتاب (خلاصۃ الوفاء) میں ہے کہ امام عیاض اور اُن سے بھی پہلے امام ابوالولید نے اور اُن کے علاوہ پیشروان اسلام نے اِس بات پر اُمت مسلمہ کا اجماع بیان کیا ہے کہ زمین کا جو حصہ سرور کائنات ﷺ کے جسد اطہر کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے وہ مکہ سے افضل ہے بلکہ بیت اللہ شریف سے بھی افضل ہے۔ جیسے امام عساکر نے یہ بات اپنی کتاب (تحفہ) میں اور اُس کے علاوہ بھی کتابوں میں لکھی ہے بلکہ امام تاج الدین السبکی نے امام ابن عقیل حنبلی سے نقل کیا ہے کہ قبر انور عرش سے بھی زیادہ افضل ہے۔

سلف صالحین کی اِن تصریحات کے ہوتے ہوئے اِن قابل رحم نادانوں کا اس بے بنیاد گمراہ کن اور غیر اسلامی عقیدہ کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے حدیث کا حوالہ دینے سے معلوم ہو رہا ہے کہ وہ یہ جرم عظمتِ شانِ نبوت کو گھٹانے کی غرض سے دانستہ طور پر کر رہے ہیں۔ فی الواقع اگر اِس مسئلہ کی بابت رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث موجود ہوتی تو سلف صالحین ہرگز اُس کی مخالفت نہ کرتے، اُس کے خلاف عقیدہ نہ رکھتے اور فرمودۂ رسول کے خلاف اتفاق و اجماع ہرگز نہ کرتے کیوں کہ ایسا کرنا صریح گمراہی ہے جبکہ گمراہی پر اجماع کرنے سے اللہ نے اُمتِ مسلمہ کو بچایا ہوا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر (رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا) کی روایت سے مرفوع حدیث ہے۔

''قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ اللّٰهَ لَايَجْمَعُ أُمَّتِيْ عَلٰى ضَلَالَةٍ''(2)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ میری امت اجابت کو گمراہی پر متفق نہیں کریگا۔

---

(1) تنقیح الفتاوی الحامدیہ، جلد2، صفحہ 367۔

(2) مشکوٰۃ شریف، ص 30۔

خلاصہ کلام:۔

اِس سلسلہ میں جس حدیث کا حوالہ دیا جاتا ہے اُس کا قطعاً کوئی وجود نہیں ہے، یہ صریح جھوٹ ہے رسول اللہ ﷺ پر بہتان و افتراء ہے، جس پر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے؛

"مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّءْ مَقْعَدًا مِنَ النَّارِ" (1)

کتاب البطن سے ایجاد کر کے سادہ لوح عوام میں مشہور کی جانی والی اِس گمراہ کن بات کو حدیث رسول کہہ کر بیان کرنے والے چاہے جس جماعت، مذہب و نظریہ سے بھی تعلق رکھتے ہوں خود بھی اللہ کے رسول پر بہتان باندھنے کے کبیرہ گناہ میں مبتلا ہیں اور دوسروں کو بھی مبتلا کر رہے ہیں۔ اِس کے بعد وہ اگر کوئی اور گناہ نہ بھی کریں تو صرف یہی ایک گناہ اُن کے جھوٹے ہونے اور دوزخ کے مستحق ہونے کے لیے کافی ہے، جیسے مرفوع حدیث میں فرمایا گیا ہے؛

"كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَاسَمِعَ" (2)

یعنی انسان کا جھوٹا اور دوزخی ہونے کے لیے یہی ایک گناہ کافی ہے کہ جو بھی سنے بلا تحقیق اُسے آگے بیان کرتا پھرے۔

دین کے نام پر ایسی ہی بے دینی پھیلانے والوں کے متعلق اللہ کے رسول نے پیشگی ارشاد فرمایا ہے؛

"يَكُوْنُ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُوْنَ كَذَّابُوْنَ يَاتُوْنَكُمْ مِنَ الْاَحَادِيْثِ بِمَالَمْ تَسْمَعُوْا اَنْتُمْ وَلَا آبَائُكُمْ فَاِيَّاكُمْ وَاِيَّاهُمْ لَايُضِلُّوْنَكُمْ وَلَايَفْتِنُوْنَكُمْ" (3)

یعنی آخر زمانہ میں باطل کو حق کے نام سے مروّج کرنیوالے جھوٹے پیدا ہونگے جو حدیث کے نام سے ایسی ایسی نا آشنا باتیں تمہیں بیان کریں گے۔ جو تم نے اور تمھارے آباواجداد نے بھی کبھی نہ سنی ہوں تو اُن کی صحبت سے بچو تا کہ وہ تمہیں گمراہ نہ کر سکیں اور تمہیں گناہ گار نہ کر سکیں۔

---

(1) ابن ماجہ شریف، ص 5۔ (2) مشکوٰۃ شریف، صف 28۔
(3) مشکوٰۃ شریف، ص 28

حقیقت یہ ہے کہ مساجد اللہ اور نبی اللہ کے مابین تفاضل کی باتیں کرنے والے یا اللہ کے نبی کے ماوراء العقل والحواس مراتب عظمیٰ کو گھٹا کر عبادت گاہوں سے بھی کم بتانے والے اِن قابل رحم حضرات کو سوچنا چاہئے کہ تفاضل کا تصور دو ہم نوع چیزوں کے مابین قابل غور ہو سکتا ہے۔ جبکہ یہاں پر نہ صرف نوع جُدا ہے بلکہ جنس بھی جدا جدا ہیں تو پھر ایسی گفتگو کرنے کا کیا جواز ہو سکتا ہے۔ سچ کہا گیا ہے

اِذَا کَانَ الْغُرَابُ دَلِیْلَ قَوْمٍ ...... سَیَهْدِیْهِمْ طَرِیْقَ الْهَالِکِیْنَا

ازمنہ وامکنہ کی طرح مساجد اللہ بھی محض عبادت گزار مسلمانوں کی سہولت کی خاطر وجود میں لائی جاتی ہیں اور دوسرے متبرک ومقدس مقامات وازمنہ کی طرح ہی یہ قابل احترام آبادیاں بھی مسلمانوں کے لیے حصول مقاصد کے ذرائع کے زمرہ میں شمار ہونے کی بنا پر اُن کا مرتبہ عام عبادت گزار مسلمانوں کے مرتبہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا تو پھر اُنہیں اللہ کے نبی سے افضل بتانے والوں کو اپنی اِس غلط تبلیغ پر نظر ثانی کرنے کے ساتھ توبہ بھی کرنا چاہئے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَسْرَارِ عِبَادِهٖ

حَرَّرَهُ الْعَبْدُ الضَّعِیْفُ

پیر محمد چشتی 26/02/2002

☆☆☆☆

معیارِ ایمان

میرا سوال یہ ہے کہ مسلمان ہونے کے لیے کون کون سی شرائط ہیں اور مسلمان ہونے کا معیار کیا ہے؟ کیا اِس میں مسالک کا اختلاف ہوسکتا ہے یا سب کے نزدیک ایک ہی معیار ہے؟

کئی سالوں سے کچھ حضرات کے فتوؤں کی بنا پر ہمارے وطن عزیز پاکستان کے اندر افراط و تفریط پھیلی ہوئی ہے اور اسلام کے نام سے ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں یا ایک دوسرے کو کافر و مشرک قرار دیتے ہوئے صرف اپنے مخصوص نظریہ کے لوگوں کو ہی مسلمان کہنے کی جو روش چل رہی ہے کیا اسلام میں اس کی گنجائش ہوسکتی ہے؟

مہربانی کرکے میرے ان دونوں سوالوں کا قرآن و حدیث کے حوالہ سے واضح اور مفصل جواب شائع کرکے ثواب دارین حاصل کریں تاکہ نوجوان نسل کو اسلام اور کفر کی بنیادی تمیز کا علم ہوسکے اور فرقہ داریت کی لعنت سے ملک و ملت کو نجات مل سکے۔

السائل...... محمد سہیل، یو ای ٹی یونیورسٹی پنجاب، شعبہ انجینئرنگ

جواب:۔ اس سوال کی اوّل شق کا جواب یہ ہے کہ معیار و مدار ایمان میں اہل اسلام کے متفرق مسالک کے مابین قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ تمام مدعیان اسلام اِس بات پر متفق ہیں کہ نبی اکرم رحمت عالم ﷺ کی دی ہوئی تعلیمات و احکام کو حق جان کر انہیں اپنی عملی زندگی پر لاگو کرنے کا نام اسلام ہے اسی کو شریعت کی زبان میں ایمان بھی کہتے ہیں۔ تقریباً تمام مکاتب فکر اہل اسلام کی کتب کلامیہ و دیگر قابل اعتماد کتب اسلامیہ میں قدرے لفظی اختلاف کے ساتھ مومن مسلمان ہونے کے لیے معیار اِس طرح بتایا گیا ہے۔

''اَلْاِیْمَانُ ھُوَ التَّصْدِیْقُ بِجَمِیْعِ مَاجَآءَ بِہٖ النَّبِیُّ ﷺ اِجْمَالًا فِیْمَا عُلِمَ اِجْمَالًا وَ تَفْصِیْلًا فِیْمَا عُلِمَ تَفْصِیْلًا''

یعنی رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی جملہ تعلیمات پر یقین رکھنے کا نام ایمان واسلام ہے۔ اگر ان تعلیمات نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کا علم اجمالی طور پر ثابت ہو تو اُن کے ساتھ تصدیق بھی اجمالی ہوگی اور اگر ان کا علم تفصیلی طور پر ثابت ہو تو ان کے ساتھ تصدیق بھی تفصیلی ہوگی۔

دنیا کے کسی بھی خطہ میں رہنے والا فرد جملہ تعلیماتِ پیغمبر ﷺ پر اظہار یقین کرنے کے بعد جب تک واضح طور پر اس کے منافی عقیدہ کا حامل نہ ہو جائے اس وقت تک اُسے مومن مسلمان جاننا اور اس کی جان و مال عزت و آبرو اور جملہ حقوق کی پاسداری سب پر لازم ہونے کی طرح اسے کافر کہنا یا اس کی جان و مال عزت و آبرو کو نقصان پہنچانا سب پر قطعی حرام ہے جیسا مرفوع حدیث میں آیا ہے۔ نبی اکرم رحمتِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا؛

''اَلْکَفُّ عَمَّنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لَا تُکَفِّرُہُ بِذَنْبٍ وَلَا تُخْرِجُہُ مِنَ الْاِسْلَامِ بِعَمَلٍ''(1)

یعنی اسلام کی بنیادی تعلیمات میں شامل ہے کہ جس کسی نے بھی کلمہ توحید پڑھ کر اس ضمن میں جملہ تعلیمات اسلام کی حقانیت پر اطمینان کا اظہار کیا تو اُسے مسلمان جان کر اُس کی جان و مال عزت و آبرو اور حقوق کی پاسداری کی جائے اور اس اظہار یقین کے بعد کسی بھی گناہ کی بنیاد پر اُسے کافر نہ کہا جائے اور کسی بڑے سے بڑے گناہ کے ارتکاب کرنے پر بھی اسے اسلام سے خارج ہونے کا فتویٰ نہ دیا جائے۔

اِس حدیث میں کلمہ توحید اور توحید کلمہ کو باہم لازم و ملزوم قرار دیا گیا ہے کہ جس طرح کلمہ توحید کا پڑھنا ضروری ہے۔ اُسی طرح اُس پر ایمان رکھنے والے جملہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس کلمہ طیبہ کے

---

(1) مشکوٰۃ شریف، ص 17۔

لوازمات میں اپنے تمام ہم کاروں کا احترام کریں اپنی جان و مال کو عزیز جاننے کی طرح اُنکی جان و مال کو بھی عزیز جانیں اپنے جملہ حقوق کی پاسداری کرنیکی طرح اُن کے حقوق کی بھی پاسداری کریں جس چیز کو اپنے لیے عزیز جانیں دوسروں کے لیے بھی اُسے عزیز جانیں اور جسے اپنے لیے ناگوار تصور کرتے ہیں ان کے حق میں بھی ناگوار جانیں جیسے صحاح ستہ کی حدیث میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا؛

"لَایُؤْمِنُ اَحَدُ کُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ"

یعنی کوئی شخص اس وقت تک صحیح معنی میں مومن نہیں ہوسکتا جب تک دوسرے مسلمانوں کے لیے تحفظ حقوق کا جذبہ پسند نہیں کرتا جسے اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

صحاح ستہ میں وہ مرفوع حدیث بھی موجود ہے۔ جس میں سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص اس وقت تک صحیح معنی میں مومن مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک تحفظ حقوق کے منافی جو حرکات اپنے حق میں ناگوار سمجھتا ہے دوسرے مسلمانوں کے حق میں بھی ناگوار نہ سمجھے۔ ایمان کا یہ معیار جن لوگوں میں پایا جائے اُنہیں عمارت کے اجزاء کی طرح ایک دوسرے کے لیے باعث تقویت ہونے کے ساتھ تشبیہ دے کر ارشاد فرمایا گیا۔

"اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ کَا لْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضُہٗ بَعْضًا" (2)

یعنی مسلمان ایک دوسرے کے لیے ایسا ہونا چاہئے جیسے ایک عمارت کی دیوار کے اجزاء ایک دوسرے کے لیے باعث تقویت ہوتے ہیں۔

توحید کلمہ کے منافی جملہ حرکات کو ایمان کے منافی عمل قرار دیتے ہوئے ایک اور مرفوع حدیث میں ارشاد فرمایا؛

"سُبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُہٗ کُفْرٌ"

مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اُس کے ساتھ لڑنا کفر ہے۔

---

(1) بخاری شریف، ج2، ص890۔

محصل مفہوم اِس کا یہ ہے کہ مسلمانوں کے حق میں کافر، مشرک اور بدعتی جیسے الفاظ استعمال کرنا جو بدترین گالی وتوہین ہے حدودِ شریعت سے نکلنے کے مترادف جرم ہے اور ان پر مسلح حملہ کرنا کفرانِ نعمت ہے۔

ایک اور مرفوع حدیث جس میں اس قسم کی منافی ایمان حرکت کو اسلام سے خارج ہونے کے مترادف قرار دیا ہے حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں؛

''مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السَّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا''(1)

یعنی جس مدعی اسلام نے بھی دوسرے مسلمانوں پر مسلح حملہ کیا تو وہ مسلمان کہلانے کا قابل نہیں ہے۔

اِس قسم کی احادیث طیبہ کا شمار اکائیوں یا دہائیوں میں نہیں بلکہ سینکڑوں کی تعداد میں موجود ہے جن کے موارد استعمال اور عبارۃ النص حسب مواقع مختلف ہونے کے باوصف توحید کلمہ یعنی اتحاد بین المسلمین کی اہمیت پر دلالت کرنا ان سب میں قدر مشترک ہے۔ اِسی طرح ذخیرہ احادیث کے سلسلہ میں کلمہ توحید کی اہمیت کے بعد سب سے زیادہ تاکید توحید کلمہ وتحفظ بیضۃ الاسلام یعنی اتحاد بین المسلمین کی بتائی گئی ہے۔ جس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کلمہ توحید پڑھ کر دائرہ اسلام میں شامل ہونے والے جملہ مسلمانوں میں توحید کلمہ کا التزام چاہتا ہے کلمہ توحید اور توحید کلمہ کے مابین اتصال چاہتا ہے انفصال نہیں، جوڑ چاہتا ہے توڑ نہیں زندگی کے ہر مرحلہ و ہر شعبہ، زمان و مکان کے ہر دور و ہر گوشہ میں ہر مدعی اسلام سے تحفظ بیضۃ الاسلام کی خاطر شیرازہ بندی واتحاد چاہتا ہے انتشار وافتراق نہیں۔

ایک اشتباہ اور اُس کا جواب:۔

یہاں قارئین کے ذہنوں میں یہ اشتباہ پیدا ہوسکتا ہے کہ جب اللہ جل جلالہ جملہ مسلمانوں سے اتحاد چاہتا ہے اور کلمہ توحید کے ساتھ توحید کلمہ کا التزام چاہتا ہے تو پھر اللہ کی یہ مراد پوری کیوں نہیں ہوتی

(1) بخاری شریف، ج2، ص1074۔

حالانکہ اللہ کے فرمان ''فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ''(1) یعنی اس کی شان یہ ہے کہ جس چیز کا وہ ارادہ کرتا ہے وہ ہو کر رہتی ہے۔ نیز مرادِ الٰہی کا بالفعل متحقق نہ ہونا بظاہر مستلزم عجز ہے۔ جس سے اللہ کی ذات پاک ہے۔ جس کا تقاضا یہی تھا کہ مرادِ الٰہی کے عین مطابق دنیا کے تمام مسلمان متحد ہوتے۔ بیضۃ الاسلام پر متفق ہو کر اس کے محافظ ہوتے اور مرادِ الٰہی کی تکمیل کر کے اتحاد بین المسلمین کا عملی اظہار کرتے جبکہ زمینی حقائق اس کے برعکس ہیں بظاہر یہ معمہ دو حالتوں سے خالی نظر نہیں آ رہا۔

پہلی حالت:۔ اللہ نے مسلمانوں کے اتحاد کا ارادہ ہی نہیں فرمایا بلکہ ان کے اختلاف کا ارادہ فرمایا ہے جو بالفعل متحقق ہے۔

دوسری حالت:۔ اللہ نے تو ان کے اتحاد کا ارادہ فرمایا ہے لیکن شیطانی حرکات کی بناء پر ان کا ارادہ افتراق اللہ کے ارادۂ اتحاد پر غالب آیا ہے۔

لیکن ان میں سے اول تو اُن سینکڑوں نصوص کے خلاف ہونے کی بناء پر نا قابل قبول ہے۔ جو بیضۃ الاسلام اور اتحاد بین المسلمین کے مرادِ الٰہی ہونے پر قرآن وحدیث کی شکل میں موجود ہیں۔ دوم اِس لیے مردود و نا قابلِ توجہ ہے کہ وہ قادر مطلق جل جلالہ کے عجز کا اشارہ دے رہا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اشتباہ اللہ کے وصف ارادہ کو صحیح طریقے سے نہ سمجھنے کی بنا پر پیدا ہو رہا ہے در اصل اللہ کے وصف ارادہ کی دو قسمیں ہیں اول ارادہ تکوینی ہے جو اللہ کے فرمان ''اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ''(2) جیسی متعدد آیات میں مذکور ہے۔ جو علم الٰہی کے تابع ہونے کی بناء پر اُسی کے مطابق ہوتا ہے۔ جو جملہ کائنات کو بلا تخصیص محیط ہے۔ جس کے متعلق کا تخلف محال و ناممکن ہے۔ یعنی ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ اس ارادہ کے مطابق اللہ کسی چیز کے کرنے یا کرانے کا ارادہ کرے لیکن وہ متحقق نہ ہونے پائے۔ اللہ کے فرمان ''فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ''(3) جیسے تمام نصوص کا مصداق ومظہر یہی ارادہ ہے۔ جبکہ دوسری قسم ارادہ تشریعی ہے۔ جو اللہ کے فرمان ''یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ

(1) البروج، 16۔ (2) النحل، 40۔ (3) البروج، 16۔

الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ''(1) جیسے نصوص کثیرہ میں مذکور ہے جو شرائع انبیاء اور اللہ کے اوامر و نواہی کے ساتھ متعلق ہے۔ جو انسانوں کے اختیاری افعال کے ساتھ خاص ہے جس کے متعلق کا تخلف محال و ناممکن نہیں ہے یعنی ایسا ہو سکتا ہے کہ اس ارادہ کے مطابق اللہ انسان سے کسی کام کے کرنے کا مطالبہ کرے اور اُس کے کرنے میں اپنی رضا مندی و خوشنودی بتائے لیکن وہ انسان کے ہاتھوں متحقق نہ ہونے پائے اللہ کے ان دونوں ارادوں کے مابین اس معنوی فرق کے علاوہ مصداق کے اعتبار سے بھی فرق ہے۔ وہ یہ ہے کہ بسا اوقات ارادہ تکوینی بغیر ارادہ تشریعی کے پایا جاتا ہے جیسے افعال مکلفین کے ماسوا جملہ کائنات کا وجود اسی ارادہ تکوینی کا مرہون منت ہے۔ جس میں ارادہ تشریعی موجود نہیں ہے اسی طرح اللہ نے انسانوں کو جن کاموں کی بجا آوری کا امر کیا ہے۔ لیکن وہ ان پر عمل نہیں کر رہے ہیں ایسی تمام جگہوں میں اللہ کا ارادہ تشریعی تو پایا جاتا ہے جبکہ ارادہ تکوینی موجود نہیں ہے اور کبھی یہ دونوں اکٹھے بھی پائے جاتے ہیں جیسے انسانوں کے ہاتھوں مامورات شرعیہ کی بجا آوری کرنے کی صورت میں کیوں کہ ان اعمال کے وجود میں دو چیزوں کو دخل ہوتا ہے؛

پہلی چیز:۔ عمل کرنے والے انسان کے ارادہ و اختیار اور حرکت کو جسے سبب ارتکابی بھی کہا جا سکتا ہے، دراصل مامورات شریعہ کے حوالہ سے انسان اسی پر مکلف ہوتا ہے۔ یہی وہ بنیاد ہے جس پر ثواب و عذاب کا دارومدار ہے۔

دوسری چیز:۔ اللہ کے ارادہ تکوینی کو جسے خالقیت سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے جس کا ظہور انسانی عمل کے بعد متصلاً ہوتا ہے۔ جو محض عادت الٰہی اور نظام کائنات میں اسباب و مسببات کے مابین مربوط خودکار نظام قدرت کا تابع ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

''وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ''(2)

یعنی اللہ نے ہی تمہیں اور تمہارے اعمال کو بھی پیدا فرمایا ہے۔

---

(1) البقرہ،185۔ (2) الصافات،96۔

علم منطق کے شائقین کی خوش طبعی کے لیے یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے ان دونوں ارادوں کے مابین عموم وخصوص من وجہہ کی نسبت قائم ہے۔ مراد اللہ یا ارادۃ اللہ کی اس تفصیل کو سمجھنے کے لیے (شیخ زادہ علی البیضاوی، جلد2، صفحہ 596 ''وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ'' (التکویر،30)...... طریقہ محمدیہ، ج1 اور اس کی شرح الحدیقۃ لغدیر الندیہ، ج1، ص262 تا263 ...... شرح مقاصد، ج2، صفحہ 145 تا148 ...... شرح عقائد وخیالی، احیاء علوم الدین، ص91 تا92 ...... کشف المرادفی شرح تجدید الاعتقاد، صفحہ 332) کو دیکھا جاسکتا ہے۔

اللہ کی صفت تکوین کی ان دونوں قسموں کو جدا جدا سمجھنے کے بعد اصل اشتباہ کا جواب واضح ہوگیا کہ اللہ نے جملہ مسلمانوں سے توحید کلمہ اور اتحاد بین المسلمین قائم کرنے کا جو مطالبہ کیا ہے۔ اور اُسے اپنی مراد و پسند بتایا ہے یہ اس کے ارادہ تکوینی کے قبیل سے نہیں ہے جس کا تحقق ضروری ہوتا ہے۔ بلکہ ارادہ تشریعی کے زمرہ میں شامل ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ جس سے اللہ نے کلمہ توحید پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہونے کا مطالبہ کیا ہے۔ اُن سب سے توحید کلمہ یعنی اتحاد بین المسلمین کی فضا قائم کر کے بیضۃ الاسلام کی عزت، وقار اور استحکام کا بھی مطالبہ کیا ہے۔ جیسے کلمہ توحید کو بنیاد اسلام قرار دیا ہے ویسے ہی توحید کلمہ کو بھی استحکام اسلام کی بنیاد قرار دیا ہے جیسے کلمہ توحید پڑھنے والوں کو پسند کرتا ہے ویسے ہی توحید کلمہ کے سلسلہ میں جدوجہد کرنے والوں کو پسند کرتا ہے جیسے کلمہ توحید کے منکرین سے ناراضگی فرماتا ہے ویسے ہی توحید کلمہ کے منافی حرکات کرنے والے برائے نام مسلمان سے بھی کراہت و ناپسندیدگی کا اظہار فرماتا ہے۔ الغرض کلمہ توحید اور توحید کلمہ کی فرضیت میں اس کے سوا کوئی اور فرق نہیں ہے کہ کلمہ توحید پر ایمان لانے کا مطالبہ بلا تخصیص ہر فرد بشر سے کیا گیا ہے جبکہ توحید کلمہ یعنی اتحاد بین المسلمین کا مطالبہ صرف اور صرف ان سعادت مند افراد سے کیا گیا ہے۔ جنہیں کلمہ توحید پر توفیق ایمان نصیب ہو چکی ہوتی ہے۔ جس کے بعد نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جیسے فرائض کی طرح ہی اتحاد بین المسلمین کا عمل بھی سب پر فرض عین قرار پاتا ہے۔ اِس سلسلہ میں صحاح ستہ کی کتب احادیث میں مذکور فرامین

رسول اللہ ﷺ کو بغور پڑھ کر ان کے مطابق تبلیغ کرنے کی ضرورت ہے۔

اللہ کے رسول نبی اکرم رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا؛

''لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا عَھْدَ لَہٗ''

یعنی جس کے پاس عہد و میثاق کی پاسداری نہیں اس کے پاس ایمان بھی نہیں ہے۔

لیکن افسوس کیساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اِس حدیث شریف کے مفہوم کو صرف سماجی و معاشرتی ماحول میں عہد شکنی کیساتھ خاص سمجھ کر کلمہ طیبہ پڑھنے کے ضمن میں اللہ کیساتھ کیے ہوئے عہد و پیان کی خلاف ورزی کرنے کو نظر انداز کیا جا رہا ہے حالاں کہ اس میں ''لَا عَھْدَ لَہٗ'' کا جملہ اپنے عموم کی بنا پر ہر واجب الوفاء عہد و پیان کو شامل ہے جن میں سب سے اولین سب سے اہم اور سب سے زیادہ قابل اہتمام وہ عہد و پیان ہے جو کلمہ توحید پڑھنے کی شکل میں مؤمن مسلمان اپنے خالق و مالک جل جلالہ کے ساتھ کر رہا ہوتا ہے کیوں کہ کلمہ طیبہ کا شرعی مقصد و مفہور تمام اہل ملل ونحل کے نزدیک یہی ہے کہ اِسے پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہونے والا شخص اللہ کے ساتھ اس بات کا عہد و پیان کرتا ہے۔ کہ اے اللہ میں دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کرتا ہوں کہ تیری طرف سے پیغمبر اسلام ﷺ کے ذریعہ عائد کردہ جملہ احکام شرع پر حسب استطاعت عمل کروں گا۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری میں ہے؛

''اِنَّ الْمُرَادَ بِالشَّھَادَۃِ تَصْدِیْقُ رَسُوْلِ اللّٰہِ فِیْمَاجَآءَ بِہٖ''(1)

یعنی کلمہ شہادت پڑھنے سے مقصد رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے جملہ احکام پر عملی تصدیق کا عہد کرنا ہوتا ہے۔

عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں ہے؛

''اِنَّ الشَّھَادَۃَ بِرَسَالَتِہٖ تَتَضَمَّنُ تَصْدِیْقَہٗ بِمَاجَآءَ بِہٖ''(2) یعنی رسول اللہ ﷺ کی

---

(1) فتح الباری شرح صحیح البخاری، ج1، ص50۔

(2) عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، ج1، ص183۔

رسالت کی شہادت دینے کا مقصد ان کی لائی ہوئی شریعت کے جملہ احکام پر عملی تصدیق کے ساتھ عہد و پیمان کرنے کو متضمن ہوتا ہے۔

اقتضاء الصراط المستقیم میں موجود ہے کہ؛

"وَالشَّهَادَةُ بِاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ تَتَضَمَّنُ تَصْدِيْقَهُ فِيْ كُلِّ مَااَخْبَرَ وَ طَاعَتَهُ فِيْ كُلِّ مَااَمَرَ فَمَااَثْبَتَهُ وَجَبَ اِثْبَاتُهُ وَمَانَفَاهُ وَجَبَ نَفْيُهُ" (1)

یعنی رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے ساتھ کلمہ طیبہ میں شہادت دینے سے شرعی مقصد آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے جملہ احکام کے ساتھ عملی تصدیق کا اقرار کرنا ہے کہ جس کام کو کرنے کا حکم دیا ہے اسے کرنا لازم ہے اور جس کام سے منع فرمایا ہے اُس سے اجتناب کرنا لازم ہے۔

مسلمانوں کے کس مکتبِ فکر سے متعلق اہلِ علم نہیں جانتے کہ بیضۃ الاسلام کا تحفظ اور اتحاد بین المسلمین قائم کرنے کا حکم شریعت محمدی کے جملہ مامورات شرعیہ میں کلمہ توحید کے بعد سرِ فہرست ہے۔ نیز کفر و شرک سے بچنے کے بعد تمام منہیات شریعہ میں افتراق بین المسلمین کے جرم سے بچنے کی سب سے زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ اس طرح سے کلمہ طیبہ پڑھنے والا ہر فرد اِس کلمہ توحید کے ضمن میں اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ دیگر فرائض اسلام پر عمل کرنے کا عہد و میثاق کرنے کی طرح توحید کلمہ یعنی اتحاد بین المسلمین قائم کرنے کے فریضہ پر عمل کرنے اور افتراق بین المسلمین کے جرم سے بچنے کا بھی عہد و پیمان کر چکا ہوتا ہے۔ جس کے بعد عملی زندگی میں اس کے منافی سرگرمیوں میں ملوث ہونے والوں کو حدیث شریف میں بے ایمان قرار دیا گیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا؛

"مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السَّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا" (2)

یعنی مسلمانوں پر حملہ کرنے والا ہمارے طریقہ کا نہیں ہو سکتا۔

---

(1) اِقتضاء الصراط المستقیم، ص 452۔

(2) بخاری شریف، ج 2، ص 1074۔

اس حدیث شریف میں اگرچہ صراحۃً مسلح تصادم کرنے والے مجرموں کو بے دین قرار دیا گیا ہے لیکن ایک دوسرے سے منافرت، عصبیت، تنگ نظری وفرقہ واریت کی تعلیم وتربیت دے کر انجام کار اس مسلح تصادم تک پہنچانے والے مجرم بھی اس کا حصہ ہیں کیوں کہ بے دینی اور کفر تک پہنچانے کے سبب بننے والے ہر قول وعمل پر کفر ہی کے احکام لاگو ہوتے ہیں جبکہ ''مُقَدِّمَةُ الْكُفْرِ كُفْرٌ وَمُقَدِّمَةُ الْمَعْصِيَةِ مَعْصِيَةٌ'' کے مسلمہ اُصول سے قطع نظر بھی اہل اسلام کے مابین منافرت وعصبیت کا ماحول پیدا کرنے کا موجب ہر قول وعمل بجائے خود گناہ کبیرہ ومعصیت ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا؛

''سُبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ''(1)

یعنی مسلمان کو گالی دینا معصیت اور اس کے ساتھ لڑنا کفر ہے۔

اس حدیث شریف میں بھی سباب وقتال کو جو فسق وکفر قرار دیا گیا ہے لسانی سے لیکر علاقائی اور دنیوی سے لیکر مذہبی جھگڑوں، تفرقہ بازیوں اور فتنہ پردازیوں کی جملہ صورتوں کو شامل ہے لیکن افسوس ہے اسلامی درسگاہوں کے اُن مسند نشین حضرات پر جو حدیث نبوی شریف کی اِس جامعیت وشمول سے صرف نظر کرتے ہوئے اِسے محض دنیوی جھگڑوں کے ساتھ مختص ہونے کی تعلیم دیتے ہیں جبکہ دنیوی جھگڑوں کی نسبت مذہبی جھگڑے زیادہ خطرناک ومشئوم ہوتے ہیں۔ اُن کے متعدی جراثیم زیادہ مہلک ومحیط ہوتے ہیں اور ان کے مہلک اثرات سے اہل اسلام کے مابین افتراق وانتشار پیدا ہونے کے سبب دین ودنیا دونوں کا نقصان ہوتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا؛

''لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِیْ كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ''(2)

یعنی میرے بعد ایک دوسرے کی گردن مارنے کے جرم میں مبتلا ہو کر کافر نہ ہونا۔

اس حدیث میں مذہبی جدال وقتال کو کفر قرار دیا گیا ہے ورنہ سید عالم ﷺ کی حیات طیبہ میں صحابہ کرام

(1) مسلم شریف، ج1، ص58۔

(2) بخاری شریف، ج2، ص1074۔

کے مابین دنیوی جدال وقتال اور جھگڑوں کا سلسلہ بشری تقاضوں کے مطابق کبھی کبھی جاری رہا کرتا تھا جو اہل علم حضرات سے پوشیدہ نہیں ہے لیکن آپ ﷺ نے کبھی بھی ان دنیوی جھگڑوں کو کفر سے تعبیر نہیں فرمایا اگر علماء کرام، اصحاب مدارس اور محراب ومنبر کے حوالہ سے مسلمانوں کے رہبر ورہنما حضرات اور نہ ہی صرف اسی ایک حدیث کی صحیح تبلیغ کرتے ہوئے مذہبی جھگڑ بندیوں، تفرقہ بازیوں، منافرتوں اور فرقہ بندیوں کی سُو عاقبت سے اپنے اپنے ماحول کے مسلمانوں کو آگاہ کریں اتحاد بین المسلمین کی اہمیت کو اُجاگر کریں اور اپنی مذہبی مسئولیت کا احساس کریں تو اس سے نہ صرف بیضۃ الاسلام کا تحفظ اور اتحاد بین المسلمین کے فریضہ کی بجا آوری ہوگی بلکہ اقوام عالم کی صف میں بھی مسلمانوں کا بول بالا ہو سکتا ہے جو عین منشاء پیغمبر ومرضی مولیٰ اور مقصود اسلام ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا؛

”مَنْ اَتَاكُمْ وَاَمْرُكُمْ جَمِيعٌ عَلٰى رَجُلٍ وَاحِدٍ يُرِيْدُ اَنْ يَشُقَّ عَصَاكُمْ اَوْ يُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ فَاقْتُلُوْهُ“(1)

یعنی کسی رہبر ورہنما کی قیادت میں جب دین اسلام پر اتفاق واتحاد کے ساتھ عمل ہو رہا ہو ایسے میں اگر کوئی شخص تمہارے پاس آکر مذہب کے نام پر پراکندگی پھیلا کر بیضۃ الاسلام کو توڑنے اور مسلمانوں کا شیرازہ بکھیرنے کی کوشش کرے تو اُسے قتل کرو۔

اس حدیث شریف میں افتراق بین المسلمین پیدا کرنے والوں کی سزا قتل بتا کر انہیں مرتدین کے برابر مجرم قرار دیا گیا ہے کیوں کہ مرتد سے متعلق صحاح ستہ کی حدیث میں ”مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ“ یعنی جس نے بھی اپنا دین بدلا اُسے قتل کرو۔ الفاظ ترکیب اور حکم اِس حدیث کے الفاظ وترکیب اور حکم کی طرح ہی ہیں گویا مذہبی فرقہ واریت برپا کرکے مسلمانوں کی صف میں بے اطمینانی منافرت اور تفریق پیدا کرنے والے مجرم بھی مرتد کی طرح ہی واجب القتل ہیں کاش اسلام کے ان قطعی احکام کو عملی کرنے کے لیے صالح قیادت ہوتی مخلص قوت نافذہ ہوتی اور کلمہ توحید کی اہمیت کی طرح ہی توحید کلمہ کی اہمیت

---

(1) مشکوٰۃ شریف، ص 320۔

کا احساس رکھنے والے حکمران ہوتے تو کسی بھی مذہبی مجرم کو فروعی اور فقہی اختلافات کو اصول کا درجہ دیکر بیضۃ الاسلام میں سوراخ پیدا کرنے کی جرأت کبھی نہ ہوتی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا؛

''اِذَابُوْیِعَ لِخَلِیْفَتَیْنِ فَاقْتُلُوْا الآخَرَ مِنْهُمَا ''(1)

یعنی مسلمانوں کی جائز قیادت کی موجودگی میں اگر کوئی چالاک ونفس پرست شخص اس کی مخالفت کرکے لوگوں کو اپنی قیادت کی طرف مائل کرکے ان سے بیعت لینے لگے تو اس دوسرے کو قتل کرو۔

اس حدیث شریف میں ایسے شخص کو قتل کرنے کا حکم محض اس جرم کی بنا پر کیا گیا ہے کہ وہ افتراق بین المسلمین کا سبب بن رہا ہے ورنہ اختلاف رائے کی مخالفت اسلام نے کبھی نہیں کی۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا؛

''اِنَّهُ سَیَكُوْنُ هَنَاتٌ وَهَنَاتٌ فَمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّفَرِّقَ اَمْرَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَهِیَ جَمِیْعٌ فَاضْرِبُوْهُ بِالسَّیْفِ كَائِنًامَنْ كَانَ''(2)

یعنی اسلام کے سوداگروں کے ہاتھوں طرح طرح کے فسادات و پراکندگیاں رونما ہوں گی تو جس نے بھی امت مسلمہ کے اتفاق واتحاد کو توڑنے کا ارادہ کیا اس کا سر قلم کرو چاہے کوئی بھی ہو۔

اِس حدیث شریف میں بھی بیضۃ الاسلام کے تحفظ اور اتحاد بین المسلمین کے منافی حرکات کا ارتکاب کرنے والے دانستہ مجرموں کی واحد سزا قتل ہی بتائی گئی ہے۔ اتحاد بین المسلمین کی فرضیت اور افتراق بین المسلمین کے حرام ہونے سے متعلق مشتے نمونہ از خروارے اِن فرامین رسول ﷺ میں تفریق بین المسلمین کا باعث بننے والے مجرموں مذہبی سوداگروں اور مذہب کے نام پر منافرت پھیلا کر بیضۃ الاسلام میں سوراخ پیدا کرنے والوں کو کہیں طریقہ اسلام سے خارج، کہیں شرارُ خلق اللہ، کہیں غیر مسلم،

(1) مشکوٰۃ شریف، ص320۔ (2) مشکوٰۃ شریف، ص320۔

کہیں اسلام کے دشمن، کہیں سب سے زیادہ مستحق عذاب اور کہیں واجب القتل قرار مسلمانوں کو اِس بات کا سبق دیا گیا ہے کہ اگر ان مجرموں کا بروقت علاج نہ کیا گیا تو ان کی منفی سرگرمیوں کے نتیجہ میں پوری ملت اسلامیہ کا شیرازہ بکھر سکتا ہے، مسلم قوم کی عزت و وقار خاک میں مل سکتی ہے، اور ان معدودے چند مذہبی سوداگروں کی منفی ریشہ دوانیوں کا انجام مسلم امت کے زوال پر منتج ہوسکتا ہے، جس کے بعد من حیث القوم سرپستی، بزدلی محتاجی اور بے ہمتی کے سوا اُنہیں کچھ اور میسر نہیں آ سکتا۔ اِسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً''(1)

یعنی اُس نقصان کے اسباب سے بچو جو نہ صرف تمہارے مجرموں کو ہی پہنچے گا بلکہ پوری اُمت کو اپنے لپیٹ میں لے گا۔

کلمہ توحید پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہونے والوں پر توحید کلمہ کی فرضیت واہمیت کی تاکید کرنے کے ساتھ تفریق کلمہ کی بدانجامیوں سے بھی سب سے زیادہ آ گاہی اس لئے دلائی گئی ہے کہ اس ناسور کے ہوتے ہوئے کوئی بھی دوا کارگر نہیں ہوتی کوئی عبادت و نیکی قبول نہیں ہوتی اور کسی وقت بھی اُمت مسلمہ اپنی عظمت رفتہ کو دوبارہ بحال کرنے کے قابل نہیں ہوسکتی اِسی لیے اللہ نے قرآن شریف میں فرمایا؛

''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا''(2)

یعنی اصول اسلام پر سب مل کر رہو اور پراگندگی اختیار مت کرو۔

نیز فرمایا؛''وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ''(3)

یعنی ایسا نہ ہونے پائے کہ باہمی جھگڑوں کی وجہ سے بزدلی و بے ہمتی اور حمیت اسلامی سے محرومی تمہارا مقدر بن جائیں۔

---

(1) الانفال،25۔ (2) آل عمران،103۔ (3) الانفال،46۔

نیز فرمایا؛ ''وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ'' (1)

یعنی جس نے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے مقررہ اصولوں کی مخالفت کی تو اللہ اسے بدترین مصائب میں مبتلا کرے گا۔

نیز فرمایا؛ ''وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا'' (2)

یعنی نظام مصطفیٰ ﷺ کی واضح ہدایات وتعلیمات معلوم ہو جانے کے بعد جس نے بھی ان کی مخالفت کی اور جملہ اہل اسلام کے متفقہ طریقے کے برعکس روش اختیار کی تو ہم بھی اسے اس کی اپنی حالت پر ہی چھوڑ دیتے ہیں اور انجام کار اسے جہنم پہنچا دیتے ہیں جو بدترین ٹھکانا ہے۔

بے محل تقلید کے خول سے نکل کر اگر قرآن شریف کے ان مقامات پر غور کیا جائے تو ہر ایک کو معلوم ہوگا کہ امت مسلمہ کی موجودہ زبوں حالی اور زوال وانحطاط میں سب سے بڑا دخل باہمی شقاق ونفاق اور تشتت وافتراق کو ہے۔ کیونکہ سورۃ انفال، آیت نمبر 46 میں مسلمانوں کے باہمی جھگڑوں کو ان کی بزدلی وبے ہمتی اور بے حمیتی کو مستلزم بتایا اور سورۃ انفال، آیت نمبر 13 میں نظام مصطفیٰ ﷺ کے بنیادی اصول وتعلیمات میں سوراخ پیدا کرنے کو بدترین عذاب کا سبب بتایا۔ جبکہ سورۃ نساء، آیت نمبر 115 میں نظام مصطفیٰ ﷺ کی وحدت مرکزیت سے نکل کر اپنے مخصوص نظریات کا پرچار کرنے کے لیے ڈیڑھ اینٹ کی جداگانہ مسجد آباد کرنے والوں کو ان کی منحوس حالت پر چھوڑ کر انجام کار رسوا کرنے کا اعلان کیا۔ ''وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ'' (3) فرما کر عزت وسربلندی کی زندگی کو حاصل کرنا عملی ایمان کے ساتھ مشروط قرار دیا۔ ''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً'' (4) فرما کر اسلام کے تمام بنیادی احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا حکم دیا۔ اور سورۃ البقرہ، آیت نمبر 85 میں

---

(1) الانفال، 13۔ (2) النساء، 115۔

(3) آل عمران، 139۔ (4) البقرہ، 208۔

اسلام کے دعویدار ہونے کے باوجود من پسند احکام پر عمل کرنے اور خواہش نفس کے برخلاف احکام کی دیدہ ودانستہ خلاف ورزی کرنے کی سزا دنیوی رسوائی وپستی کے ساتھ اُخروی عذاب قابل غور بتایا۔ اِن متعدد آیات وفرامین خداوندی کو یکجا کرکے دیکھنے سے نتیجہ ظاہر ہورہا ہے کہ کلمہ توحید پڑھ کر اللہ کے ساتھ توحید کلمۃ المسلمین کی مسئولیت پر عمل کرنے کا عہد وپیمان کرنے کے بعد اسے اپنی دنیاوی خواہشات پر قربان کرنا، مسلمان ہونے کے بعد اس کے اس اہم اور بنیادی فریضہ کو پامال کرنا، بیضۃ الاسلام کا تحفظ کرکے اسلام کو تقویت پہنچانے کی مسئولیت پر عمل کرنے کی بجائے مسلمانوں کے درمیان تفرقہ پیدا کرکے اسلام کو کمزور کرنا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی منشاء وفرمان کے مطابق اتحاد بین المسلمین کے لیے جدوجہد کرنے کی بجائے افتراق بین المسلمین کا باعث بننے والے کردار میں مبتلا ہونے کی وجہ سے ان آیات کریمہ میں مذکور سزائیں مجازات اعمال کے فطری نظام عدل کے عین مطابق مسلمانوں کو مل رہی ہیں۔ جب تک اس ناسور کا علاج نہیں ہوگا اس وقت تک مسلمانوں کی حالت بہتر نہیں ہوگی، اِس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

”فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ“ (1)

یعنی اُن کے اِن مصائب میں کوئی کمی کی جائے گی نہ ان کی کوئی مدد کی جائے گی۔

لیکن یہاں بھی ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس قسم آیات کو محض زمانہ نزولِ قرآن کے وقت موجود اہل کتاب کے ساتھ خاص ہونے کا تاثر قائم کرکے اپنی کوتاہیوں سے صرف نظر کی جاتی ہے۔ اللہ کے جامع کلام کے اِن عام الفاظ کو محل خاص کے ساتھ مختص کرکے اس کتاب ہدایت کو لاشعوری میں کتاب حکایت قرار دیا جارہا ہے اور الفاظ کے عام احکام کو خصوصیت نسل سے قطع نظر ہر دور کے بد عہدوں، خواہش پسندوں اور حدود اللہ پامال کرنے والے نافرمانوں پر منطبق کرکے انہیں تنبیہ کرنے کی بجائے اپنی آنکھ کے شہتیر کو چھوڑ کر دوسرے کی آنکھ کے بال کو موردِ الزام ٹھہرانے کی عادت بنالی گئی

(1) البقرہ، 86۔

ہے ورنہ ناسور کا مرض جس نسل یا جس قوم کو جس دور میں بھی لگ جائے اس کے منحوس اثرات ونتائج کا اس پر مرتب ہونا ایک فطری بات ہے۔ جس میں کسی تخصیص کی گنجائش ہو سکتی ہے نہ استثناء کی۔ مقامِ غور ہے کہ زمانہ نزول قرآن کے وقت موجود اہل کتاب یہودیوں کے آباؤ اجداد کی بدعہدیوں اور اللہ کے اور اس کے رسول کے ساتھ کیے ہوئے عہد و پیمان سے عملی انحراف جیسے جرائم کی سزا جب اُنہیں ذلت و پستی اور احتیاج وزوال کی شکل میں دی گئی تھی جس کی خبر قرآن شریف کے ذریعہ ہر خاص وعام کو حاصل ہے تو پھر ان ہی جرائم کی موجودگی میں اُمتِ مسلمہ کا مذکورہ فطری سزاؤں سے بچنے کی یا تخصیص و مستثنیٰ ہونے کی کونسی شرعی دلیل موجود ہے؟ جبکہ سورۃ بقرہ کی آیت نمبر 38 جیسے نصوص سے عموم مساوات کے ساتھ استمرار مساوات بھی مستفاد ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے میری دعا ہے کہ اُمتِ مسلمہ کے مذہبی رہنماؤں کو اس سے عبرت حاصل کرنے کی توفیق دے۔

ایک شبہ کا ازالہ:۔ یہاں پر قارئین کے ذہنوں میں یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ مذہبی فرقہ واریت کی فضا پیدا کر کے افتراق بین المسلمین کے سبب بننے والے مجرموں کی تعداد پانچ فیصد سے زیادہ نہیں ہے تو پھر ان معدودے چند مجرموں کی سزا پوری مسلم اُمت کو دینا کہاں کا انصاف ہے؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ تعداد کے اعتبار سے یہ مجرم اگرچہ معدودے چند ہیں لیکن مسلم معاشرہ میں انہیں مذہبی قیادت حاصل ہونے کی بنا پر زندگی کے تمام شعبوں کے ساتھ وابستہ افرادِ اُمت کی ان کے ساتھ مذہبی وابستگی ہوتی ہے اور انہیں تقدس کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ نیز عبادات سے لے کر خوشی و غمی اور مذہبی رسوم تک مسائل کے حوالہ سے تمام گوشہ ہائے زندگی سے وابستہ افرادِ ملت ان کے فتوؤں کے مطابق زندگی گزارنے پر مجبور ہوتے ہیں اور مسلم معاشرہ میں کوئی بھی زاویہ حیات ایسا نہیں ہے جس میں مذہب کے حوالہ سے یہ حضرات دخیل کار نہ ہوں۔ ایسے حالات کے ہوتے ہوئے ان شریروں کے اس جرم سے خواص امت کے ماسوا عام افرادِ ملت کا محفوظ رہ جانا عادتاً ناممکن ہے۔ شاید ایسے حالات سے متعلق نبی اکرم رحمت عالم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہو؛

"اَلْمَعْصُوْمُ مَنْ عَصَمَهُ اللّٰهُ"

یعنی ایسے حالات میں وہی محفوظ رہ سکتا ہے جسے اللہ بچائے۔

اِن حالات کا منطقی نتیجہ ہے کہ افرادِ ملت کی اصلاح وفساد کا دارومدار عام حالات میں ان حضرات کی اصلاح وفساد پر ہے۔ اگر یہ صحیح ہوں گے تو ان کی اتباع میں افرادِ امت کی غالب اکثریت صحیح ہوگی اگر یہ فاسد ہوں گے تو اِن کی اتباع میں افرادِ امت بھی فساد میں مبتلا ہونگے۔ شاید اِسی نکتہ کی طرف نبی اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے؛

"اَلَا اِنَّ شَرَّ الشَّرِّ شِرَارُ الْعُلَمَاءِ وَاِنَّ خَيْرَ الْخَيْرِ خِيَارُ الْعُلَمَاءِ" (1)

یعنی اس بات میں شک کرنے کی گنجائش نہیں ہے کہ ہر شر سے بدترین شر فرقہ واریت پھیلانے والے فسادی علماء ہیں اور ہر خیر سے بڑھ کر باعث خیر بیضۃ الاسلام کی حفاظت کر کے دنیا کو خیر پہنچانے والے علماء ہیں۔

اِس جواب سے سوال کی دوسری شق کا جواب بھی معلوم ہوا کہ جب تمام مکاتب فکر اہل اسلام کے لیے معیارِ ایمان میں کوئی فرق نہیں ہے سب کے نزدیک نبی اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ تعلیمات پر یقین کرنے کے ساتھ نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو زندگی کے ہر شعبہ میں بطور نظام حیات تسلیم کرنے کا نام ایمان ہے تو پھر اس تسلیم ورضا کے بعد جب تک اس کے منافی قول وعمل کا صراحۃً ثبوت نہیں ہوگا اس وقت تک کسی پر کفر کا فتویٰ دینا خود اپنے آپ کو کافر قرار دینے کے مترادف ہوگا جیسے مرفوع حدیث میں نبی اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اَيُّمَا امْرِئٍ قَالَ لِاَخِيْهِ كَافِرٌ فَقَدْ بَاءَ بِهَا اَحَدُهُمَا اِنْ كَانَ كَمَا قَالَ وَاِلَّا رَجَعَتْ عَلَيْهِ" (2) یعنی جس نے بھی رشتہ اسلام کے ساتھ منسلک کسی شخص یا قوم و

(1) مشکوٰۃ شریف، ص 37۔

(2) صحیح مسلم شریف، ج 1، کتاب الایمان، باب بیان حال ایمان من قال لاخیه المسلم یا کافر، ص 57، مطبوعه مکتبه آرام باغ کراچی

جماعت کو کافر کہا تو اس کا وبال ان میں سے ایک پر ضرور پڑے گا جسے کہا ہے اگر وہ ایسا ہی تھا تو بات اپنے ٹھکانے پر لگی ورنہ خود اس پر پلٹے گی۔

اس قسم کی احادیث کی تشریح کرتے ہوئے محدثین اور فقہائے اسلام نے جو تحقیقات کیں ہیں ان سب کا خلاصہ اور لبِ لُباب فتاوٰی درّ مختار میں اِس طرح لکھا ہوا موجود ہے؛

''عُزِّرَ الشَّاتِمُ بِیَا کَافِرُ وَھَلْ یَکْفُرُ اِنِ اعْتَقَدَ الْمُسْلِمَ کَافِرًا نَعَمْ وَاِلَّا فَلَا''(1)

یعنی کسی مسلمان کو کافر کہہ کر پکارنے والے کو تعزیر (کوڑے لگائے جائیں گے) کسی مسلمان کو کافر کہنے والا شخص خود کافر قرار پائے گا یا نہیں اِس سلسلہ میں درست و قابل فتویٰ بات یہ ہے کہ اگر مسلمان کو کافر سمجھ کر اُسے کافر کہتا ہے تو خود کافر ہوگا ورنہ محض گالی کے طور پر کہہ رہا ہو تو خود کافر نہیں ہوگا بلکہ تعزیر لگانے کے مستحق ہوگا۔

فتاوٰی درّ مختار کی اس عبارت کی توجیہ کرتے ہوئے فتاوی ردالمختار یعنی فتاویٰ شامی نے لکھا ہے؛

''لِاَنَّہٗ لَمَّا اعْتَقَدَ الْمُسْلِمَ کَافِرًا فَقَدِ اعْتَقَدَ دِیْنَ الْاِسْلَامِ کُفْرًا''(2)

یعنی رشتہ اسلام کے ساتھ منسلک کسی شخص، قوم یا کسی جماعت کو کافر سمجھنے والا خود اِس لیے کافر قرار پاتا ہے کہ اس نے دینِ اسلام کے اصل معیار کو کفر سمجھا۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِاَسْرَارِ عِبَادِہٖ

حَرَّرَہُ العبد الضعیف

پیر محمد چشتی 21/3/2002

☆☆☆☆☆

---

(1) فتاوٰی درّمختار، باب التعزیر، ج 1، ص 327۔

(2) فتاوٰی شامی، ج 1، ص 183، باب التعزیر۔

عید میلا د النبی ﷺ اور ہماری ذمہ داریاں

قوموں کی تاریخ میں بعض دن اپنی اہمیت یا عظمت کی وجہ سے یادگار کی حیثیت حاصل کر لیتے ہیں پھر سال بہ سال اُنہیں منایا جاتا ہے، ان ایّام میں ہونے والے واقعات پر خوشی یا غم کا اظہار ہوتا ہے ان واقعات سے جو عبرتیں اور اور نصیحتیں حاصل ہوتی ہیں ان پر غور وفکر ہوتا ہے اور اس طرح ماضی سے مستقبل کے لیے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ حضورِ اکرم نورِ مجسم ﷺ کی تشریف آوری کا دن کسی ایک قوم یا قبیلے کے لیے تاریخی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ یہ تمام انسانیت کے لیے یادگار دن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا؛

''وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ''(1)

ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام خلائق کو آرام وراحت پہنچانے کے لیے۔

کوئی اعتراف کرے یا نہ کرے حقیقت یہ ہے کہ تمام اقوامِ عالم کی گردنیں محمد رسول اللہ ﷺ کے بارِ احسان سے جھکی ہوئی ہیں۔ دنیا میں جہاں کہیں عدل واحسان، صدق وصفاء، رحم وکرم، ہمدردی، غمخواری، محبت ومؤدت، امن وآشتی، ایثار وقربانی کے جتنے اوصاف کریمانہ پائے جاتے ہیں ان سب کا سلسلہ تعلیمِ محمدی ﷺ سے ہی جا کر ملتا ہے۔

عید کے معنی ہیں خوشی اور میلاد کے معنی ہیں پیدائش، تو ''عیدِ میلادُ النبی ﷺ'' کے معنی ہوئے نبی آخر الزماں رحمتِ عالم ﷺ کی پیدائش کی خوشی۔ آپ ﷺ کی پیدائش ومیلاد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی وہ تمام نعمتیں وابستہ ہیں جو نہ صرف نوعِ بنی آدم کو شامل ہیں بلکہ جملہ کائنات کو محیط ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس باعثِ وجودِ کائنات رحمتِ عالم ﷺ کی پیدائش پر نوعِ انسان کے علاوہ دیگر خلائق کا خوشی منانا بھی

(1) الانبیاء، 107۔

اسلامی دستاویزات میں لکھا ہوا موجود ہے، اِس مختصر مقالہ میں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔

مختصراً یہ کہ عیدِ میلادُ النبی ﷺ یعنی سرورِ انبیاء رحمت عالم ﷺ کی پیدائش کی خوشی منانا جس جائز طریقہ سے بھی ہو" واقعات و معجزات اور میلاد کے ذکر سے" ہو یا "سیرت طیبہ و اُسوۂ حسنہ" اور "اوصاف جمیلہ" کے بیان کرنے سے ہو۔ مخصوص کمالاتِ نبوت، خاندانی شرافت اور ماوراء العقل قوت علمی و عملی اور خصائص کے تذکرے کرنے سے ہو یا فخرِ بنی آدم ﷺ کی عالمگیر تعلیمات و تبلیغات کے بیان کرنے سے ہو، بہرصورت میلاد النبی ﷺ کی خوشی منانا شعار مومن اور مقتضاء ایمان ہے۔ مطلوب شرع، محبوب رب کریم، ذریعہ نجات، وسیلہ قرب رب العالمین ہے اور یہ مجلس میلاد پاک معظم، محترم، مقدس، عظیم المرتبت عبادت، قابل قدر و عزت، لائق قبولیت اور مقبولِ بارگاہِ رب العزت ہے۔ کیوں نہ ہو جبکہ رب العزت جل جلالہ نے خود فرمایا ہے؛

"وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" (1)

اے محبوب ﷺ! ہم نے تمہارا چرچا بلند کیا ہے۔

اِس محفلِ پاک کو بنا کرنا ثواب ہی ثواب، اِس میں خدمت کرنا ثواب، حاضرین کو کھانا کھلانا ثواب، پانی پلانا ثواب، اہل مجلس کی اعانت کرنا ثواب، بانی مجلس کے ساتھ ہر قسم تعاون کرنا ثواب، شریک محفل قاری و سامع جملہ حاضرین کی عزت و احترام کرنا ثواب، انہیں آرام و راحت پہنچانے کے لیے جو قدم بھی اُٹھایا جائے ثواب ہی ثواب ہے۔ بہتر اور سزاوار تو یہ ہے کہ اس محفل پاک میں اخیار، ابرار، نیک و صالح ہی جمع ہوں اور فساق و فُجار اور بدکار معصیت کار توبہ کیے بغیر اور خود کو گناہوں کی آلودگی سے پاک و صاف کیے بغیر اس محفلِ پاک میں شامل ہونے سے پرہیز کریں کہ عظمتِ شان اس محفل کی نہایت عظیم و اعلیٰ ہے اور جب تک اس محفلِ پاک میں شامل رہے، ظاہر و باطن ہر اعتبار سے نہایت مؤدب، مہذب، باوقار، خشوع و خضوع، خلوص و محبت، نہایت فروتنی، عاجزی و انکساری کے ساتھ بیٹھیں

(1) الانشراح، 4۔

اور اُسوۂ حسنہ یا سنتِ طیبہ اور تعلیمات و تبلیغات و احکام صاحبِ میلاد ﷺ کے سننے کی سعادت حاصل کریں تو صدقِ قلب کے ساتھ اس پر عمل کرنے اور اپنی عملی زندگی کو اس کے مطابق بنانے کا عزم کریں۔ سابقہ کوتاہیوں سے توبہ کریں، اپنے خاندان، قوم قبیلہ، خویش و اقارب، یار دوست احباب اور سوسائٹی کو صاحبِ میلاد، باعثِ وجودِ کائنات رحمتِ عالم ﷺ کی سیرتِ طیبہ پر عمل کرنے کی دعوت دیں، اِس طرح اگر اِس محفلِ پاک کے جملہ آدابِ شریعۃ و مقاصدِ اسلامیہ کا احترام برقرار رکھا گیا تو یہ محفلِ پاک اپنی پاکیزگی و روحانیت اور نورانیت کی وجہ سے سامعین و حاضرین کے لیے باعثِ عمل ہونے کی بنا پر ان کی نجات و حسنِ عاقبت کا وسیلہ بن سکے گی۔ برخلاف اس کے کہ بانی و حاضرین کے عقیدہ میں دینی و مذہبی جذبہ معیارِ شریعت کے مطابق نہ ہو، خلوصِ نیت، خشوع و خضوعِ قلب نہ ہو، معصیت سے پرہیز، گناہ سے گریز نہ ہو، فسق و فجور اور حرام کاری سے اجتناب نہ ہو، اُصولِ اسلام کو فروعاتِ اسلام سے جدا سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہوں، حقیقتِ میلاد اور رسمِ میلاد کے درمیان تمیز کرنے کی صلاحیت سے تہی دامن ہو، زنا، فجور، دھوکہ بازی، فریب کاری، وعدہ خلافی، منشیات کے کاروبار، ملاوٹ، سود خوری، گراں فروشی اور حق تلفی میں مبتلا ہوں۔ حدود اللہ سے غفلت، تکبر سے اُلفت اور سیاہ کاری میں شہرہ آفاق ہوں۔ ضمیر فروشی، بدکلامی، بدعملی میں مشہور ہوں اور شریعتِ مقدسہ کے احکام کو پامال کرتے ہوں۔ مسلمانوں کے ساتھ غم خواری و ہمدردی کے مذہبی جذبہ سے لاتعلق ہوں۔ میلاد النبی ﷺ کی اس عظیم نسبت کے آداب سے غافل، احکامِ شرع پر عمل کرنے سے کاہل، میلادُ النبی ﷺ منانے کے شرعی فلسفہ کو سمجھنے سے جاہل اور اس عظیم نسبت سے متعلق سوءِ ادب، نامناسب حرکت اور خلافِ تعظیم قول و عمل کے انجامِ بد سے بے خبر و بے باک ہوں اور جرأت و جسارت کے ساتھ اس عظیم المرتبت، رفیع النسبت محفل میں بیٹھیں اور اس قسم کے بے عمل ریاکار، سیاسی یا مذہبی سوداگر جو اس مقدس نسبت کو محض دنیاوی شہرت اور سادہ لوح مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے وسیلہ و ذریعہ بنانے والے، جو اس عظیم المرتبت نسبت سے ترتیب پانے والے اجتماعات کو اتحاد بین

المسلمین کے لیے سیڑھی بنانے اور ''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعاً وَّلَا تَفَرَّقُوْا '' (1) کے حکم محکم اور تعلیم ابدی کی تبلیغ کرنے ''وَلَاتَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِیْحُکُمْ '' (2) کے حکم اکید وعید شدید سے اجتناب کرنے کی تلقین کرنے اور ''اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ '' (3) جیسی ایمانی صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے، سامعین کو طریقہ پیغمبر علیہ السلام پر عمل کرنے، مشنِ پیغمبر ﷺ کی تکمیل کرنے، صاحبِ میلاد ﷺ کی رضا و خوشنودی کو پا کر اُن کی شفاعت کے مستحق ہونے، اُن کے طریقہ کے خلاف زندگی بسر کر کے اُن کی ناراضگی اور اُن کی شفاعت سے محرومی کے شرعی احکام کو بیان کر کے ان اجتماعات کو قوتِ اسلام و استحکامِ ملت اور باعثِ اتحاد بین المسلمین بنانے کی بجائے اپنے مذموم دنیوی مقاصد کے حصول کی غرض سے کرایہ کے لائے گئے ڈوم، قوال اور مقرروں کے ذریعہ وقتی نمائش، موضوع روایات، غیر اسلامی اندازِ تبلیغ، باعثِ نفرت بیانات اور اِفتراق و اِنتشار بین المسلمین کے باعث بننے والے خطابات اور اُصول و فروع کے مابین فرق کو سمجھنے سے قاصر قابل رحم سامعین کو دیگر مسالک اہل اسلام کے خلاف نفرت دلانے، دل آزاری کرانے، مذہبی تعصب و فرقہ واریت پھیلانے والی تقریروں کے لیے میدان سازگار کرنے اور سیرۃ النبی ﷺ یا میلادُ النبی ﷺ کے مقدس نام کے در پردہ خلافِ طریقہ پیغمبر ﷺ ماحول پیدا کرنے والے منتظمین محفل اپنے ہم مشرب لوگوں کو اکٹھا کریں اور اِس قسم لوگوں کے زیادہ اکٹھے ہونے کو کامیابی کا معیار تصور کریں۔ ہم فکر و ہم خیال، لَفاظ، بدعمل، اُجرتی مقرر کی لفاظی و اداکاری کے ذریعہ اجتماع کو صوتی و سماعی عیاشی کا سامان مہیا کر کے معاشرہ کو یہ تاثر دیں کہ یہی محفلِ میلاد ہے۔ یہی صوتی و سماعی عیاشی دینِ اسلام کا حصہ، حُبِّ خدا اور حُبِّ رسول ﷺ ہے، یہی مطلوبِ شرع و عشقِ رسول ﷺ ہے۔ تو ایسی صورت میں اس عظیم المرتبت رفیع النسبت مقدس محفل کی بے ادبی و بے احترامی کی کیا حد ہوگی۔ (فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی) خصوصاً جبکہ مقرر بھی اُجرتی لفاظ ہو، سنتِ نبی ﷺ پر عمل کرنے کی توفیق سے محروم ہو، مقصدِ میلاد سے نا آشنا ہو

---

(1) آل عمران، 103۔ (2) الانفال، 46۔ (3) الفتح، 29۔

اس پر طُرہ یہ کہ جو کچھ بیان کرے معیارِ شریعت کے خلاف، غیر معتبر، غیر مستند، صریح جھوٹ اور شریعت مقدسہ پر بہتان ہو۔ تراشیدہ و خراشیدہ جھوٹے افسانے ہوں جن کو سُن کر نا سمجھ سامعین دادِ تحسین دیں اور ان باطل واہیات، موضوعات تراشیدہ اکاذیب کو اسلام کا حصہ جانیں۔ نتیجتاً غیر اسلام کو اسلام جانیں، ایسے حالات میں اِس مقدس و پاک مجلس کی کیا قدر و منزلت باقی رہ جاتی ہے جبکہ مقصدِ میلادُ النبی ﷺ حاصل نہ ہو، مقصود و مطلوبِ شرع نہ ہو، صاحبِ میلادِ رحمتِ عالم ﷺ کی شریعت پر عمل نہ ہو، اُن کی تحریک، اُن کے مشن، اُن کے نصب العین کو نصب العین نہ بنایا جائے، دین اسلام کے حوالہ سے جس علم و عمل کو اپنانے کی اُنہوں نے تاکید کی ہے اور جس کے لیے طائف سیم لے کر بدر تک اور جنگِ اُحد سے لے کر حنین تک کی تکالیف و مصائب کو برداشت فرمایا، اُس کی عملی تلاش و جستجو نہ ہو۔ اِس مقدس محفل کو ذریعہ نجات و بخشش، گزشتہ کی سیاہ کاریوں سے توبہ و پشیمانی اور آئندہ زندگی کو اُسوۂ حسنہ کے مطابق بنانے، صاحبِ میلاد ﷺ کی مرضی کو پانے، اُن کے مشن، اُن کی تحریک، اُن کے قانون و فرامین کو اپنی ذات، خاندان، معاشرہ و سماج میں مروج کرنے کے لیے عزم و ارادہ کا ذریعہ بنانا مقصود نہ ہو تو یہ مجلس حقیقتاً مقصدِ میلاد و مطلوبِ شرع اور روحِ میلاد سے خالی بلکہ محض رسمِ میلاد اور میلادُ النبی ﷺ یا سیرۃُ النبی ﷺ کے نام سے ایک رسمی اجتماع ہے یا اُس مقدس نام کے درپردہ سیاست یا مذہبی دوکانداری ہے۔ جس سے مذکورہ شرعی مقاصد کا حصول ناممکن ہے۔

عیدِ میلادُ النبی ﷺ یا سیرۃُ النبی ﷺ کے اجتماعات کے حوالہ سے مذکورہ ناقابل انکار مفاسد، سُوء ادب، بارگاہِ نبوت کے آداب کے خلاف حرکات کی بناء پر اصل عیدِ میلادُ النبی ﷺ سے انکار کرنا، اسے گناہ یا ممنوع شرعی قرار دینا ایسی حماقت ہے جیسے کوئی ماؤف العقل شخص اپنے لباس کی میل و غلاظت دور کرنے کی بجائے اصل لباس کو ناجائز کہہ کر اُتار پھینکے۔ یا یوں سمجھئے کہ کسی نا سمجھ انسان کو غلط طریقہ سے نماز ادا کرتے ہوئے دیکھ کر اصل نماز کو ہی ناجائز قرار دے اور اسے نماز پڑھنے سے ہی منع کرے، ورنہ اصل میلادُ النبی ﷺ شہ رگ اسلام ہے، منبعِ ایمان ہے و مبداءِ شریعت ہے، مطلوب قرآن و مرضی رحمٰن ہے

ذریعہ تبلیغ واشاعتِ اسلام ہے اور دعوتِ خیر واعمال صالحہ کی ترغیب، گناہوں سے بچنے کی تنبیہ، اور رحمتِ عالم ﷺ کی سُنتِ طیبہ واُسوۂ حسنہ پر عمل کر کے سعادت دارین حاصل کرنے کا بہترین سبب ہے۔ تبلیغات کل مذاہب ومسالکِ اسلامیہ کا محور ہے، مرکزِ اتحاد اہل اسلام ہے، نکتۂ اتحاد فرزندان توحید ہے۔

دشمنِ اسلام انگریز کا متحدہ ہندوستان پر قبضہ جمانے سے قبل متحدہ ہندوستان میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے حوالہ سے تبلیغِ اسلام کا غالب ذریعہ یہی میلاد النبی ﷺ کے اجتماعات ومحافل مقدسہ ہوا کرتی تھیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مجدد الف ثانی، حضرت فضل امام خیر آبادی اور حضرت امداد اللہ مہاجر مکی جیسے عظماء ومراجع اہلِ اسلام، پیشوایانِ مذہب اور بلا تفریق کل اہلِ ہند مسلمانانِ اہل سنت کے مسلمہ مذہبی قائدین کی نگرانی وسرپرستی میں منعقد ہونے والی محافل واجتماعاتِ میلاد النبی ﷺ کے شُہرہ آفاقی کا علم تاریخ کے کس طالب علم سے پوشیدہ رہ سکتا ہے۔ صاحبِ میلاد باعثِ وجودِ کائنات رحمتِ عالم ﷺ نے خود بنفس نفیس اپنا میلاد بیان فرمایا۔ حدیث کی معتبر ترین کتاب ترمذی کے مطابق حضور ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا میں کون ہوں؟ صحابہ ؓ بولے آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا؛

”محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں، اللہ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو ان میں سے مجھے بہتر لوگوں میں رکھا، پھر ان کے بھی دو حصے کیے اور مجھے اچھے حصے میں رکھا، پھر ان کے قبیلے بنائے اور مجھے سب سے اچھے قبیلے میں رکھا پھر ان کے خاندان بنائے اور مجھے اچھے خاندان سے کیا۔ لہٰذا میں سب لوگوں میں ذات اور خاندان کے لحاظ سے بہتر ہوں۔“ (ترمذی)

نفسِ میلاد النبی شریف کا انعقاد قرون اولیٰ سے لے کر اب تک مختلف مسالک اہل اسلام بلا نکیر اپنے اپنے حالات کے مطابق کرتے آئے ہیں۔ حضرت محدث ابن جوزی، امام جلال الدین سیوطی، امام یوسف نبہانی، حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی جیسے غیر

متنازعہ اور مسلمہ پیشوایانِ اہلِ اسلام کا عمل ہی ان کے عقیدت مند مسلمانوں کی تسلی کے لیے کافی ہے۔ بالفرض اگر اس سلسلے میں پیشوایانِ اہلِ اسلام سے بھی کچھ ثابت نہ ہوتا پھر بھی قرآن شریف کی یہ آیت کریمہ ہی "وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ" (1) اس کے استحباب شرعی ہونے پر شافی دلیل ہے، اِس لیے کہ حضورِ اکرم رحمتِ عالم ﷺ سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہے بلکہ تمام مذاہب اہلِ اسلام کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے سلسلہ میں رحمتِ عالم ﷺ سب سے بڑی نعمت ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت کا چرچا کرنا اور اُس کا شکر بجالانا مطلوبِ شرعی ہے تو اِس نعمتِ عظمیٰ ﷺ کے وجودِ مسعود پر شکر بجالاتے ہوئے اِس کا چرچا بلند کرنا بدرجہ اُولیٰ مطلوبِ شرعی ہوگا۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہو تو کچھ نہ ہو جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے

برکاتِ میلاد:۔ آپ ﷺ کے چچا اُبولہب کو اس کی لونڈی ثوبیہ نے آ کر کہا کہ میرے آقا آپ کے مرحوم بھائی عبداللہ کے گھر نہایت خوبصورت فرزند پیدا ہوا ہے۔ اُبولہب اِس خبر کو سن کر اس قدر خوش ہوا کہ ثوبیہ کو آزاد کر دیا۔ سب مسلمان جانتے ہیں کہ اُبولہب نے نبی کریم ﷺ کی نبوت کو تسلیم نہیں کیا تھا بلکہ اُس نے اپنی ساری زندگی آپ ﷺ کی دشمنی میں صَرف کر دی تھی ایسا کافر کہ قرآن مجید میں پوری سورۃ "تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ" (2) اُس کی مذمت میں اُتری، باوجود اِس کے کہ حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی کا جو فائدہ اُس کو حاصل ہوا وہ دیکھئے۔ بخاری شریف میں ہے:

"جب اُبولہب مرا تو اُس کے گھر والوں نے اُس کو خواب میں بہت بُرے حال میں دیکھا، پوچھا کیا گزری؟ اُبولہب نے کہا، تم سے علیٰحدہ ہو کر مجھے خیر نصیب نہیں ہوئی، ہاں مجھے اِس (کلمے کی انگلی) سے پانی ملتا ہے (جس سے میرے عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے) کیوں کہ میں نے (اِس انگلی کے اشارے سے اپنے بھتیجے (محمد ﷺ) کی ولادت کی خوشی میں) ثوبیہ کو آزاد کیا تھا۔"

---

(1) الضحی، 11۔ (2) لہب، 1۔

غور فرمایئے! اُبولہب کا فر تھا ہم مومن، وہ دشمن ہم غلام، اُس نے بھتیجے کے پیدا ہونے کی خوشی منائی تھی رسول کے ہونے کی نہ، ہم رسول علیہ کی ولادت کی خوشی کرتے ہیں۔ جب دشمن اور کافر کو ولادت کی خوشی کرنے کا اتنا فائدہ پہنچ رہا ہے تو غلاموں کو کتنا فائدہ پہنچے گا۔

دوستاں را کجا کنی محروم   تو کہ با دشمناں نظر داری

امام المحدثین احمد بن محمد العسقلانی شافعی المصری رحمۃ اللہ علیہ میلاد شریف کرنے والوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ؛

''اُن پر اللہ کے فضلِ عمیم اور برکتوں کا ظہور ہوتا ہے اور یہ میلاد شریف کے خواص میں آزمایا گیا ہے کہ جس سال میلاد شریف پڑھا جاتا ہے وہ سال مسلمانوں کیلیے حفظ وامان کا سال ہو جاتا ہے اور میلاد شریف کرنیوالوں کی مرادیں پوری ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُس شخص پر رحم کرے جو ولادت کی مبارک راتوں میں مسرت وشادمانی کا اظہار کر کے میلاد منایا کرتا ہے۔(1)

شیخ المحدثین حضرت شاہ عبدالحق دہلوی اُس حدیث کی شرح کرتے ہوئے جس میں اُبولہب کو ولادت کی خوشی میں ثوبیہ کو آزاد کرنے سے پانی ملتا ہے، فرماتے ہیں؛

''اِس حدیث میں میلاد شریف منعقد کرنے کا استحباب معلوم ہوتا ہے۔''(2)

حضرت شیخ اسمٰعیل حقی رَحۡمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِ تفسیر روح البیان کے مصنف، آیۃ کریمہ ''مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ'' کے تحت فرماتے ہیں کہ ''میلاد شریف کرنا بھی حضور علیہ کی ایک تعظیم ہے جبکہ وہ بُری باتوں سے خالی ہو۔''

امام سیوطی نے فرمایا ہے کہ ''ہمارے لیے حضور علیہ کی ولادت پر شکر کا اظہار کرنا مستحب ہے۔''

حافظ ابن حجر اور امام سیوطی نے میلاد شریف کی اصل، سُنت سے ثابت کی ہے اور اُن لوگوں کا رد کیا ہے جو میلاد کو بدعت کہہ کر منع کرتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں؛

---

(1) زرقانی علی المواہب، ص 145۔   (2) مدارج النبوۃ، ج2، ص19۔

"میرے والدِ ماجد نے مجھے فرمایا کہ میں میلاد شریف کے دنوں میں حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی میں کھانا پکوایا کرتا تھا۔ ایک سال سوائے بھنے ہوئے چنوں کے کچھ میسر نہ آیا وہی لوگوں میں تقسیم کر دیئے تو حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ بھنے ہوئے چنے آپ ﷺ کے رُوبرو ہیں اور آپ ﷺ بہت مسرُور اور خوش ہیں۔"

میلادُ النبی ﷺ کی اہمیت سب کے نزدیک امرِ مسلّم ہے یہی وجہ ہے کہ میلادُ النبی ﷺ کے مہینہ (ربیع الاول) میں مسلمانوں کے تمام مکاتبِ فکر اپنے ماحول اور پسند کے مطابق مختلف عنوانات کے تحت اِس کا انعقاد کرتے ہیں۔ (عبار اتنا شتی وحسنک واحد)

① کاش ان رفیع النسبت، عظیم المرتبت اجتماعات کو اتحاد بین المسلمین کا ذریعہ بنایا جاتا۔

② بین المسالک اختلافات کی خلیج کو ختم کرنے یا کم کرنے کا ذریعہ بنایا جاتا۔

③ استعمار کے ایجنٹوں کی پیدا کردہ عداوت، منافرت اور فرقہ واریت کو ختم کر کے جذبہ افہام و تفہیم پیدا کرنے کا ذریعہ بنایا جاتا۔

④ سامعہ کی عیاشی، وقتی تماشا اور اختراعی و من گھڑت تصور عبادت کے گھمنڈ میں مبتلا ہونے کی بجائے استحکام اسلام اور وحدت المسلمین کے لیے وسیلہ بنایا جاتا۔

⑤ یہ کانفرنسیں، یہ جلسے، یہ اجتماعات جو ہر سال ماہ ربیع الاول میں ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں منعقد کئے جاتے ہیں، جن میں فرزندانِ توحید کی بڑی تعداد صرف مذہبی جذبہ کے تحت اِس لیے شامل ہوتی ہے کہ اُس کی نسبت آنحضرت ﷺ کی ذاتِ اقدس کے ساتھ ہے۔ عیدِ میلادُ النبی ﷺ کے نام سے ہو یا سیرۃ النبی ﷺ کے نام سے بہر صورت اِس نسبتِ عالیہ، عظیمہ، مقدسہ، مبارکہ، رفیعہ و محبوبہ میں اتنی کشش ہے کہ ہر مومن مسلمان کو اپنی طرف کھینچتی ہے جس کے نتیجہ میں ہر صالح و طالع، ہر عادل و فاجر، ہر نیک و بد، ہر مرد و زن ان اجتماعات میں حاضری کو اپنے لیے ذریعہ بخشش و نجات تصور کرتا ہے جو اُن کے اندر موجود کرشمہ ایمان کا ہی نتیجہ ہے۔

⑥ کاش کہ اداکار قسم کے واعظوں کے ذریعہ اِن مقدس اجتماعات کو وقتی تماشا بنانے کی بجائے طریقہ تبلیغ سے آگاہ متقی پرہیزگار شخصیات کے خطابات کے ذریعہ سادہ لوح سامعین کی عملی زندگی میں اُسوۂ حسنہ کے مطابق اسلامی انقلاب پیدا کیا جاتا۔

⑦ کاش اِن مبارک اجتماعات میں تنگ نظر، متعصب اور فرقہ واریت کا فساد پھیلانے والے اَشخاص کے اِشتعال انگیز خطابات کے ذریعہ فقہی اختلافات رکھنے والے مسالک کے درمیان فرقہ واریت کی آگ بھڑکانے والے فسادیوں کی جگہ مصلحین اور اتحاد بین المسلمین کے داعی اہل علم کے ذریعہ اہلِ اسلام کی شیرازہ بندی کا سامان کیا جاتا۔

⑧ کاش اِن مبارک اجتماعات کے منتظمین اپنے مخصوص و محدود نظریات و خیالات کو سادہ لوح سامعین پر مسلط کر کے دوسرے مسالک کے خلاف محاذ تیار کرنے اور اپنی ڈیڑھ اِنچ کی مسجد کو تقویت پہنچا کر دوسرے کی مسجد ڈھانے، اپنا قد بڑھانے، خود کو اسلامی اور دوسرے کو غیر اسلامی اور اپنے کو ناجی اور دوسرے کو ناری ثابت کرنے کے لیے سعی ناتمام کر کے صاحب میلاد ﷺ کی ناراضگی خریدنے کی بجائے صاحبِ خلقِ عظیم ﷺ کی وسیع تعلیمات، عظیم قوتِ برداشت، صبر و تحمل، ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا حوصلہ، ایک دوسرے کی عزت و احترام کرنے کا سلیقہ، تعصب سے اِجتناب اور باہمی احسان و اتحاد سے متعلق اُسوۂ حسنہ و سنت طیبہ کی تبلیغ کے موجب بنتے۔

اِن عظیم الشان، رفیع النسبت اجتماعات کے منعقد کرنے والے حضرات اگر اپنی مذہبی ذمہ داریوں کا احساس کریں اور انہیں تعمیری بنائیں تو اِس سے معاشرہ کی بڑی اصلاح ہو سکتی ہے۔

فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ فَهَلْ مِنْ مُجِيبٍ لِهٰذَا النِّدَاءِ الْإِسْلَامِيِ الَّذِيْ هُوَ الْوَسِيْلَةُ الْعُظْمٰى لِحِفْظِ بَيْضَةِ الْإِسْلَامِ

والسلام خیر ختام: پیر محمد چشتی

☆☆☆☆☆

امام حسین ؓ کا یزید کے خلاف قیام کا فلسفہ

سوال:۔ ہمارے علاقے میں ایک مولانا صاحب ہیں جو تبلیغی جماعت میں بھی عرصہ دراز سے کام کررہا ہے وہ کہتا ہے کہ امام حسین ؓ نے یزید کا مقابلہ کرکے بڑی غلطی کی ہے کیوں کہ یزید کے ہاتھ پر صحابہ کرام نے بیعت کر کے اُس کو خلیفہ برحق تسلیم کیا ہوا تھا اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے مطابق ایک خلیفہ برحق اور امیر المومنین کی موجودگی میں کوئی دوسرا شخص امیر المومنین بننے کی کوشش کرے اور اُس مقرر شدہ امیر المومنین کی مخالفت کرے، اُسے قتل کرنے کا حکم ہے اور رسولِ خدا ﷺ کا حکم بھی یہی ہے کہ امیر المومنین چاہے جیسا بھی ہو اس کی اطاعت ہر مومن پر فرض ہے اور قرآن شریف میں بھی اللہ کا حکم ہے کہ تم اللہ کی اور اللہ کے رسول ﷺ کی اور امیر المومنین کی اطاعت کیا کرو لہٰذا امام حسین ؓ نے شریعت کے اِن احکام کی خلاف ورزی کرکے گناہ کا ارتکاب کیا تھا جس وجہ سے یزید ابن معاویہ ؓ اور عبداللہ ابن زیاد وغیرہ نے جو انہیں قتل کیا ہے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

یہ لوگ یزید کو سیدنا یزید بھی کہتے ہیں اور امیر المومنین بھی کہتے ہیں۔ یہ حضرات بخاری شریف کی ایک حدیث بھی پیش کرتے ہیں کہ جس میں قسطنطنیہ کے فتح کرنے والوں کو بخشش کا وعدہ کیا گیا ہے اور جس لشکر اسلام نے قسطنطنیہ کو فتح کیا تھا اُس کا امیر الجیش اور سالار یزید ابن معاویہ تھا اس حدیث سے استدلال کرکے یہ حضرات یزید کو امام برحق اور جنتی کہتے ہیں۔ اِس وجہ سے علاقہ کے لوگ پریشان ہیں لیکن ہمارا دل مطمئن نہیں ہوتا، ہم نے پرانے علماء سے اور اپنے باپ دادا سے جو سنا ہے وہ یہ ہے کہ یزید گمراہ، فاسق اور لعنتی شخص تھا اُس نے امام حسین اہل بیت کو ناحق قتل کرکے عظیم ظلم کیا ہے۔ اب اس صورتحال کی روشنی میں میرا سوال یہ ہے کہ ہم کو کیا کرنا چاہئے، اپنے باپ دادا سے جو کچھ سنا اور سمجھا اُسی کو حق جانیں یا اِن لوگوں کی باتوں کو حق سمجھ کر اُس کے مطابق عقیدہ کریں۔

برائے مہربانی قرآن وحدیث اور بزرگانِ دین کی روشنی میں اصل صورتحال کی وضاحت کریں اور جو صورت بھی ہو اُس کے ساتھ شرعی دلیل کا حوالہ دے کر ہماری تسلی کا سامان فراہم فرمائیں۔

السائل...... گلزار احمد ریٹائرڈ ماسٹر معرفت فرہاد جنرل سٹور بازار ضلع دیر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

جواب یہ ہے کہ یزید علیہ ماعلیہ کے متعلق آپ حضرات نے اپنے باپ دادا اور سابق علماء کرام سے جو کچھ سنا وہی درست اور قرآن وحدیث اور سلف وصالحین کے عقیدہ کے عین مطابق ہے اُس کے برعکس جو لوگ یزید جیسے فاسق شخص کو امیر المومنین کہتے ہیں یا اسے بے گناہ قرار دیتے ہیں، وہ بزرگان دین کی تصریحات کے مطابق غلطی کر رہے ہیں۔ اہل اسلام کے کسی بھی مذہب میں یزید کو اچھا انسان یا شریف آدمی نہیں سمجھا گیا ہے چہ جائیکہ امیر المومنین کی عظیم صفت سے یاد کیا جائے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جیسے پاسبانِ اسلام اور جنتی جوانوں کے سردار کے مقابلہ میں یزید جیسے مردود کو حق بجانب کہنے کی جرات وہی لوگ کر سکتے ہیں جو بظاہر مسلمان لیکن درحقیقت دشمنِ اسلام ہوں۔ صحابہ کرام کے عہد سے لے کر اب تک مسلمانوں کے جن طبقوں نے اور جن شخصیات نے اُس کا ذکر کیا ہے اِس قسم کے الفاظ میں کیا ہے کہ وہ بدکردار، بدمعاش، ظالم، شرابی، زانی، مرغ لڑانے، بندر نچوانے، شراب کی محفلیں اور بے حیائی کے بازار گرم کرانے والا دشمنِ اسلام تھا اور اُس کا تین سال نو ماہ کی مدت پر محیط دورِ حکومت تاریخ اسلام کا بدترین دور تھا۔ مورخین کی تصریحات کے مطابق اُس کی موت بھی شراب نوشی کی بدترین حالت میں واقع ہوئی ہے۔

جو لوگ اس کی بیعت کے حوالے سے کہتے ہیں کہ صحابہ کرام نے اسے امامِ برحق جان کر اس کی بیعت کی تھی وہ انجانے میں یا دیدہ دانستہ اسلام کے پردہ میں اسلام کے خلاف کسی پُر اسرار سازش کے تحت نہ صرف کفر کو اسلام اور غلاظت کو پاکیزگی، کانٹے کو پھول، بے حیائی کو حیاء، عداوتِ اسلام کو عین اسلام اور تعفن وبدبو کو کستوری ثابت کرنے کی ناکام کوششیں کر رہے ہیں بلکہ صحابہ کرام کی بھی یہ

کہہ کر گستاخی و توہین کر رہے ہیں کہ وہ اسلام کے دشمن کو امیر المومنین تسلیم کر کے اللہ کے قہر و غضب کو دعوت دے رہے تھے (حاشا وکلا) نورِ نبوت سے فیض یافتہ ہستیوں سے اس طرح کے جرم عظیم و خیانت کا تصور آج تک کسی کو نہیں ہو سکا۔

مسلمہ تاریخی دستاویزات اور اقوال صحابہ و تابعین کی روشنی میں اُس وقت صحابہ کرام و تابعین کا جو کردار تھا اُس کا خلاصہ کچھ یوں ہے کہ نورِ نبوت کے منظور نظر اور درسگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ ماحول کے تربیت یافتہ صحابہ کرام جو اہل حل وعقد کہلاتے تھے اور یزید کی بدکرداری سے آگاہ تھے وہ تو شروع سے ہی اُس بدکردار و بد اطوار کو اس منصب کے لیے نااہل و نامناسب سمجھ کر اس کے مخالف تھے اور جو نورِ نبوت کی درسگاہ سے تربیت یافتہ اہل حل وعقد نہیں تھے یا بعد زمانہ نبوت کی پیداوار تھے اُن میں بعض کو ڈرا دھمکا کر اور بعض کو دنیوی مناصب و مفادات کا لالچ دے کر بیعت کرائی گئی تھی اور کچھ مقدس ہستیاں ایسی بھی تھیں جن کو اس بدکردار کی خباثتوں کا علم ہی نہیں تھا جس وجہ سے مسلمانوں کو انتشار و افتراق سے بچانے کے لیے محض توحید کلمہ کی خاطر بالواسطہ اُس نا ہنجار کی بیعت کی تھی بعد میں اس کی اسلام مخالف حرکتوں کا جوں ہی انہیں علم ہوا تو بلا توقف اُس سے بیزاری کا اظہار کر کے اسے مردود قرار دیا جس کے نتیجہ میں نا ہنجار نے اُن دُنیا پرستوں کا جو ایمان پر کفر کو، آخرت پر دنیا کو اور اسلام پر دنیوی مفادات کو ترجیح دیتے تھے لشکرِ جرار بھیج کر مرکزِ اسلام (مدینۃ الرسول) پر چڑھائی کرا دی جو تاریخ کے اوراق میں یوم حرہ کے دہشت ناک نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں صحابہ کرام کی بڑی تعداد شہید کی گئی اُس مردود کے مقابلہ میں آوازِ حق بلند کرنے والے صحابہ کرام کو نیست و نابود کیا گیا، ان کے گھروں کو لوٹا گیا، ان کے بچوں کو ذبح کیا گیا، ان کی عورتوں کی بے حرمتی کی گئی، تین شب و روز تک مدینۃ الرسول کی مقدس سرزمین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابیات اور صحابہ کرام کی بیویوں، بہنوں اور بیٹیوں، تابعات اور تابعین کرام کی بیویوں، بہنوں اور بیٹیوں کے ساتھ زنا کاری کے لیے کھلے عام استعمال کیا گیا۔ اسلام کے اولین دار الخلافہ و مرکز کو تاراج کیا گیا، مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور ریاض الجنۃ کو یزید

علیہ ماعلیہ کی خونخوار و بدکار شامی افواج (جن میں یہودی، فرنگی اور مجوسی بھی شامل تھے) نے اصطبل بنا دیا۔ اس مھبط وحی و مسند رسول میں یزیدی لشکر کے گھوڑے و خچر باندھے گئے، اہل مدینہ کے قتل عام اور خوف دہشت کی وجہ سے تین شب و روز تک مسجد نبوی ﷺ میں اذان و اقامت اور صلوٰۃ وجماعت کا سلسلہ منقطع رہا سوا اس کے کہ ہر نماز کے اوقات پر روضہ اقدس کے اندر سے اذان و اقامت کی آواز معجزانہ طور پر سنائی دی جاتی تھی۔

یزید کے مشموم ہاتھوں رونما ہونے والے اس منحوس حادثہ فاجعہ کے نتیجے میں کتب حدیث و تواریخ میں مذکور دل دہلا دینے والے ان حیا سوز واقعات کے علاوہ بھی کچھ ایسے ایمان سوز واقعات البدایہ والنہایہ، مروج الذہب، تاریخ طبری جیسی مستند کتابوں میں مذکور ہیں جنہیں یہاں پر ضبط تحریر میں لانے سے حیا مانع ہونے کے ساتھ زبان پر لانا بھی خلاف تہذیب سمجھتا ہوں۔ یزید جیسے خبیث النفس سیاہ کار کی یہ تمام سیاہ کاریاں تاریخ ابن جریر طبری، ج 11، ص 358...... مقدمہ ابن خلدون، ص 217...... البدایہ والنہایہ ص 8، 222، 232، فتح الباری شرح صحیح البخاری ج 7، ص 75...... نبراس، ص 553...... تاریخ الخلفاء، ص 160...... جذب القلوب الی دیار المحبوب، ص 34 سیرۃ حلبیہ، ج 1، ص 268...... تاریخ یعقوبی، ج 2، ص 183...... تاریخ کامل ابن اثیر، ج 3، ص 18...... تذکرہ ابن جوزی، ص 162...... شروح حدیث و تواریخ کی ان کتب کے علاوہ قرآن شریف کی سورۃ محمد آیت نمبر 23، 22 کے تحت بھی اکثر مفسرین نے یزید علیہ ماعلیہ کی اِن غیر اسلامی حرکات کو ذکر کرنے کے بعد اُس پر لعنت بھیجی ہے اور اِن مفسرین کی غیر معمولی تعداد نے اسے منافق قرار دیا ہے، جو محض مسلمانوں پر حکومت کرنے کی خاطر مسلمان بنا ہوا تھا۔

نیز مسلمانوں کی تلوار سے خوف کھا کر اپنے کفر کا اظہار نہیں کر سکتا تھا لیکن اس کے باوجود ''کلُ اِناءٍ یترَشَّحُ بِمافِیہِ'' یعنی برتن میں جو کچھ ہوتا ہے کسی نہ کسی طرح کبھی ظاہر ہو کے رہتا ہے۔ اُس نے بھی سانحہ کربلا کے بعد جب اس کی شقی افواج نے بچے کچے مظلوم اہل بیت کو اور حضرت امام

حسین کے سر اقدس کو نیزہ پر اُٹھائے ہوئے دمشق میں اس کے سامنے پیش کیا اِس پر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے یہ اشعار کہے۔

لَیْتَ اَشْیَاخِیْ بِبَدْرٍ شَھِدُوْا	جَزَعَ الْخَزْرَجِ فِیْ وَقْعِ الْاَسَلْ
قَدْ قَتَلْنَا الْقَوْمَ مِنْ سَادَاتِھِمْ	وَعَدَلْنَا مَیْلَ بَدْرٍ فَاعْتَدَلْ
فَاَھَلُّوْا وَسْتَھَلُّوْا فَرَحًا	ثُمَّ قَالُوْا یَا یَزِیْدُ لَا تَشَلْ
لَسْتُ مِنْ خَنْدَفِ اِنْ لَمْ اَنْتَقِمْ	مِنْ بَنِیْ اَحْمَدَ مَا کَانَ فَعَلْ
وَلَعِبَتْ ھَاشِمٌ بِالْمُلْکِ فَلَا	خَبَرٌ جَاءَ وَلَا وَحْیٌ نَزَلْ

یعنی کربلا کے اس واقعہ سے قبل مدینۃ الرسول کو تاراج کر کے صحابہ کرام کو قتل کرانے کے بعد کربلا میں اہل بیت رسول ﷺ کو قتل کرنے کے ان حیاء سوز واقعات کو اپنی طرف سے رسول اللہ ﷺ سے جنگ بدر کا انتقام قرار دیا جس میں اس کے خاندان یعنی قریش کی شاخ بنواُمیہ کے کافر سرداروں کو جہنم رسید کیا گیا تھا، اپنے ان ایمان سوز اور کفریہ اشعار میں اُس نے کہا ہے؛

”کاش! میرے خاندان کے جو بزرگ بنوالخزرج کے انصار کے ہتھیاروں سے جنگِ بدر میں مارے گئے تھے اب میرے ہاتھوں اپنے انتقام کا مشاہدہ کرتے کہ ہم نے ان کے بہادروں کو قتل کر کے جنگ بدر کا بدلہ چکا دیا۔ اگر وہ میری اِس انتقامی کاروائی کا مشاہدہ کرتے تو فرط مسرت سے مجھے اہلاً وسہلاً کہنے کے ساتھ شاباشی دیتے۔ اگر میں پیغمبر کی اولاد سے اپنے خاندان کے بزرگوں کا بدلہ نہ چکا تا تو بہادر خاندان کا فرد کہلانے کا بھی اہل نہ ہوتا۔ بنوہاشم کے فرزند (نبی کریم ﷺ) نے بادشاہی کو کھیل بنایا تھا جبکہ اُن پر نہ کبھی وحی نازل ہوئی تھی اور نہ اللہ کی طرف سے کوئی غیبی خبر آئی تھی بلکہ یہ سب کچھ اُنہوں نے اپنی بادشاہی کو مستحکم کرنے کی غرض سے خود ہی گڑھا تھا۔“ (1)

(1) تاریخ طبری، ج 11، ص 358۔

اِس قسم غیر مبہم گفتگو میں صریح کفریات جو وقتاً فوقتاً اُس سے ظاہر ہوئیں کو دیکھ کر حضرت امام احمد ابن حنبل، جلال الدین سیوطی، علامہ سعد الدین تفتازانی، محدث ابن جوزی، سید محمود بغداد آلوسی جیسے کل مکاتب فکر علماء اسلام کے سینکڑوں اسلاف نے اُسکے غیر مسلم اور منافق ہونے پر یقین کا اظہار کرتے ہوئے اُس پر مشخص لعنت بھیجی ہے۔ تفسیر روح المعانی کے مصنف سید محمود البغدادی آلوسی حنفی نے لکھا ہے؛

''اَنَا اَقُوْلُ الَّذِیْ یَغْلِبُ عَلٰی ظَنِّیْ اَنَّ الْخَبِیْثَ لَمْ یَکُنْ مُصَدِّقًا بِرِسَالَةِ النَّبِیِّ ﷺ وَاَنَّ مَجْمُوْعَ مَا فَعَلَ مَعَ اَهْلِ حَرَمِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَاَهْلِ حَرَمِ نَبِیِّهٖ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَعِتْرَتِهِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ فِی الْحَیَاتِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ وَمَا صَدَرَ مِنْهُ مِنَ الْمَخَازِیْ لَیْسَ بِاَضْعَفَ دَلَالَةً عَلٰی عَدَمِ تَصْدِیْقِهٖ مِنْ اِلْقَاءِ وَرَقَةٍ مِنَ الْمُصْحَفِ الشَّرِیْفِ فِیْ قَذْرٍ، وَلَا اَظُنُّ اَنَّ اَمْرَهٗ کَانَ خَافِیًا عَلٰی اَجِلَّةِ الْمُسْلِمِیْنَ اِذَاذَاکَ وَلٰکِنْ کَانُوْا مَغْلُوْبِیْنَ مَقْهُوْرِیْنَ لَمْ یَسَعْهُمْ اِلَّا الصَّبْرُ لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا کَانَ مَفْعُوْلًا، وَلَوْ سُلِّمَ اَنَّ الْخَبِیْثَ کَانَ مُسْلِمًا فَهُوَ مُسْلِمٌ جَمَعَ مِنَ الْکَبَائِرِ مَا لَا یُحِیْطُ بِهٖ نِطَاقُ الْبَیَانِ، وَاَنَا اَذْهَبُ اِلٰی جَوَازِ لَعْنِ مِثْلِهٖ عَلْیًا لِتَعْیِیْنِ وَلَوْلَمْ یُتَصَوَّرْ اَنْ یَکُوْنَ لَهٗ مِثْلٌ مِنَ الْفَاسِقِیْنَ، وَالظَّاهِرُ اَنَّهٗ لَمْ یَتُبْ، وَ احْتِمَالُ تَوْبَتِهٖ اَضْعَفُ مِنْ اِیْمَانِهٖ، وَیَلْحَقُ بِهٖ ابْنُ زِیَادٍ وَابْنُ سَعْدٍ وَجَمَاعَةٌ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ عَلَیْهِمْ اَجْمَعِیْنَ وَعَلٰی اَنْصَارِهِمْ وَاَعْوَانِهِمْ وَشِیْعَتِهِمْ وَمَنْ مَالَ اِلَیْهِمْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ مَا دَمَعَتْ عَیْنٌ عَلٰی ابْنِ اَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ الْحُسَیْنِ''(1)

میں کہتا ہوں کہ میرا غالب گمان اس کے متعلق یہ ہے کہ وہ خبیث النفس شخص دراصل رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان نہیں رکھتا تھا اور جو کچھ اُس نے اللہ کے حرم کے بے گناہ مسلمانوں کے ساتھ کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے حرم والے بے گناہوں کے ساتھ کیا ہے اور

---

(1) تفسیر روح المعانی، ج26، ص73، مطبوعہ بیروت داراحیاء التراث العربی بیروت۔

رسول اللہ ﷺ کی آلِ پاک طیب طاہر اور بے گناہوں کے ساتھ اُن کی زندگی میں اور قتل کرانے کے بعد کیا ہے اور اِن کے علاوہ جو باعث شرم رسوا کن قبائح کبیرہ اُس سے صادر ہوئے ہیں یہ سب کچھ قرآن شریف کے ایک مقدس ورق کو اُٹھا کر گندگی میں پھینکنے کے کفر سے بھی زیادہ کفر پر دلالت کرر ہے ہیں اور میں یہ گمان کرتا ہوں کہ اُس خبیث کی بدکرداری و بدمعاشی اُس وقت کے جلیل القدر مسلمانوں سے پوشیدہ نہ تھی لیکن یہ سب کچھ جانتے ہوئے وہ خاموش صابر رہنے پر مجبور تھے اس لیے کہ ظالم و جابر شخصی حکومت کے ہاتھوں وہ سب مغلوب اور ستائے ہوئے تھے، سب کو اپنی جانوں کا خطرہ تھا، اشقیاء کے ہاتھوں تقدیر کا فیصلہ اسی طرح پورا ہونا تھا اور اگر بالفرض اس خبیث کا اسلام تسلیم بھی کیا جائے تو وہ ایسا مسلمان ہوسکتا ہے جس نے کبیرہ گناہوں کا ایسا بوجھ اپنے کندھوں پر اُٹھایا ہے، جس کا بیان ناممکن ہے اور میں اس خبیث النفس شخص پر مشخصاً وتخصیصاً لعنت بھیجنے کے جواز کا قائل ہوں اگرچہ دنیا بھر میں اس جیسے خبیث ترین فاسق کا تصور بھی نہیں ہوسکا اور ظاہری حالات سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اُس خبیث النفس نے کوئی توبہ بھی نہیں کی اور اُس کے توبہ کرنے کا احتمال اس کے ایمان کے احتمال سے بھی زیادہ ضعیف ہے اور ابن زیاد و ابن سعد جیسے اُس کے تمام اہلکار جماعت کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ سب لعنت کے مستحق ہیں۔ ان سب پر اللہ کی لعنت ہو، ان کے آلہ کار بننے والوں، ان کی مدد کرنے والوں، ان کی جماعت والوں پر بھی اور جس جس نے بھی ان کی طرف میلان کیا قیامت تک اُن سب پر لعنت ہو۔ جب تک حضرت امام مظلوم عبداللہ الحسین علیہ السلام کے غم میں مسلمانوں کی آنکھیں روتی رہیں گی اُس وقت تک ان سب پر اللہ کی لعنت کا سلسلہ جاری رہے۔ (آمین)

امام المتکلمین سعد الدین تفتازانی نے شرح عقائد میں فرمایا ہے؛

ترجمہ:۔ "ہم اس خبیث النفس پر لعنت بھیجنے میں کوئی توقف نہیں کرتے بلکہ اُسے مومن کہنے

میں توقف کرتے ہیں، اُس پر اُس کے انصار واعوان سب پر خدا کی لعنت ہو۔(1)

الغرض اہل اسلام کے ہر مذہب کے سلف صالحین نے اُسے مستحق لعنت قرار دیا ہے اگر تفصیل کے ساتھ اُن کا ذکر کیا جائے تو ہزاروں صفحات بھی ناکافی ہوں گے، ہم نے نہایت اختصار کے ساتھ کُل مکاتب فکر اہل اسلام کا عقیدہ اِس بابت بیان کیا۔ جس نے تفصیل دیکھنی ہو، ہمارے بیان کردہ حوالہ جات کے مطابق مذکورہ کتب کا مطالعہ کرے، سب کچھ عیاں ہو کر سامنے آجائے گا کہ سلف صالحین کا اُس پلید کے متعلق کیا عقیدہ تھا اور سوال میں مذکور عالم یا اُس کے متبعین کا کیا عقیدہ ہے۔

؎ ببیں تفاوت راہ از کجا تا کجا است

اِن کج فہموں کا بخاری شریف کی حدیث میں مغفور لہم لفظ سے استدلال کر کے اُس کو جنتی قرار دینا سینہ زوری کے سوا کچھ نہیں ہے اگر واقعتاً ایسا ہی ہوتا تو بخاری کے شراح جو عظیم محدثین تھے، اسے اس روایت کے مطابق جنتی ہی قرار دیتے جبکہ واقعہ اس کے برعکس ہے کہ بخاری کی اس روایت کی تشریح کرتے ہوئے سب ہی نے اُسے اس روایت کا مصداق بننے کو بعید از عقل ونقل جان کر اِس روایت سے برعکس اُس کے ان قبائح وکبائر اور صریح کفریات کو جن کا مجموعہ متواتر ہے، ذکر کر کے اسے مستحق جہنم قرار دیا ہے۔ تسلی کے لیے فتح الباری شرح صحیح البخاری، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، ارشاد الساری شرح صحیح البخاری وغیرہ شروح کا گزشتہ صفحات میں بقید جلد وصفحہ ہم نے جو حوالہ جات درج کیے ہیں اُن کو دیکھا جائے دودھ کا دودھ، پانی کا پانی ہو کر سب کچھ ظاہر ہو جائے گا۔ اِس کے علاوہ بخاری کی اِس روایت کے حوالہ سے یزید علیہ ما علیہ کا غازی بحر اور فاتح قسطنطنیہ وروم کے لشکر کا سپہ سالا ہونے کی ناقابلِ فہم اور کمزور روایت کے مقابلہ میں وہ روایت، درایت اور روایت اور عقل ونقل اور اسلام ومذہب کے زیادہ مطابق ہے جس میں ہے کہ فاتح قسطنطنیہ لشکر کا سپہ سالار یزید علیہ ما علیہ ہرگز نہیں تھا بلکہ سفیان ابن عوف تھا، روایت کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

(1) شرح عقائد، ص162۔

"49ھ میں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ 50ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بلادِ روم کی طرف جہاد کے لیے ایک بھاری لشکر بھیجا اور اُس لشکر کا سپہ سالار سفیان ابن عوف کو مقرر کیا اور اپنے بیٹے یزید کو بھی اس لشکر کے ساتھ بطور سپاہی جانے کا امر کیا تو وہ حیلہ بہانہ کر کے جانے سے رہ گیا، اس کے باپ نے بھی اسے مجبور نہیں کیا اس جہاد میں اسلامی لشکر کو بھوک و پیاس اور بخار کی شدید تکلیف لاحق ہوئی، اس کی اطلاع جب یزید کو ہوئی اُس نے اس تکلیف و مشقت سے خود کو بچانے پر فرطِ مسرت میں جو اشعار کہے اُن کا ترجمہ یہ ہے؛

مقام فرقدیہ میں مسلمانوں کے لشکر کو بھوک، پیاس اور بخار کی جو تکلیف پہنچی ہے مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے جبکہ میں دہر مران کے پرسکون مقام پر اپنی محبوبہ اُم کلثوم کو بغل میں لے کر آرام دہ فرش کے تکیوں سے ٹیک لگائے مزے لے رہا ہوں۔"(1)

اِسی روایت کو علامہ بدرالدین عینی شارح بخاری نے بھی ترجیح دی ہے، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں صاحب مرقاۃ اور مہلب کی بنواُمیہ کی طرف ناجائز جانبداری اور اُن کے بے بنیاد استدلال کو رد کرنے کے بعد جمہور اہل اسلام کے عین مطابق اپنی تحقیق پیش کرتے ہوئے فرمایا ہے؛

"وَقِيلَ سَيَّرَ مُعَاوِيَةُ جَيْشًا كَثِيفًا مَعَ سُفْيَانَ ابْنِ عَوْفٍ اِلَى الْقُسْطَنْطِنِيَةِ فَاَوْغَلُوْا فِي بِلَادِ الرُّوْمِ وَكَانَ فِي ذٰلِكَ الْجَيْشِ ابْنُ عَبَّاسٍ وَابْنُ عُمَرَ وَابْنُ الزُّبَيْرِ وَاَبُوْ اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيُّ وَتُوُفِّيَ اَبُوْاَيُّوْبَ فِي مُدَّةِ الْحِصَارِ قُلْتُ اَلْاَظْهَرُ اَنَّ هٰؤُلَاءِ السَّادَاتِ مِنَ الصَّحَابَةِ كَانُوْا مَعَ سُفْيَانَ هٰذَا وَلَمْ يَكُوْنُوْا مَعَ يَزِيْدَ ابْنِ مُعَاوِيَةَ لِاَنَّهُ لَمْ يَكُنْ اَهْلًا اَنْ يَكُوْنَ هٰؤُلَاءِ السَّادَاتُ فِي خِدْمَتِهِ"(2)

ترجمہ:۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سفیان ابن عوف کے زیر کمان قسطنطنیہ پر

---

(1) تاریخ ابن اثیر، ج3، ص458۔

(2) عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، جلد14، صفحہ98

چڑھائی کرنے کے لیے لشکر بھیجا تو اس نے روم کے شہروں میں تہلکہ مچا دیا اور اُس لشکر میں عبداللہ ابن عباس، عبداللہ ابن عمر، عبداللہ ابن زبیر، اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم جیسے عظماء صحابہ شامل تھے اور حضرت ابوایوب انصاری نے قسطنطنیہ کے محاصرے کے ایام میں وفات پائی۔

میں کہتا ہوں کہ یہ جلیل القدر صحابہ یزید ابن معاویہ کے زیرِ کمان ہرگز نہیں تھے کیوں کہ وہ اس کا اہل ہی نہیں تھا کہ یہ اس کی ماتحتی میں ہوتے بلکہ ظاہری حالات اسی بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ سب حضرات سفیان ابن عوف کے زیرِ کمان تھے۔

اِسکے بعد علامہ بدرالدین عینی نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہٗ نے مہلب اور صاحب مرقاۃ پر رد کرتے ہوئے لکھا ہے؛

ترجمہ:۔ میں کہتا ہوں کہ ان لوگوں نے یزید علیہ ما علیہ کی کون سی خوبی دیکھی ہے حالاں کہ اسلام کے خلاف اس کے باعث شرم قبائح مشہور ہیں یعنی اس خبیث النفس ظالم کی اظہر من الشمس قباحتوں کے ہوتے ہوئے اس مضطرب فی التاریخ روایت سے اُس کی فضیلت ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرنا بجائے خود باعث شرم و تعجب ہے۔

شراب جیسی حرام قطعی اور نجس و مردود چیز کو حلال سمجھنے پر اُس خبیث کا اشعار میں یہ استدلال۔

اِنْ حَرُمَتْ عَلٰی دِیْنِ اَحْمَدِ فَخُذْھَا عَلٰی دِیْنِ مَسِیْحِ ابْنِ مَرْیَمِ

ترجمہ:۔ اگر تو شراب کو دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں حرام کہتا ہے تو مسیح ابن مریم کی شریعت میں تو حلال تھی اُس پر عمل کر کے پیا کرو۔

الغرض! عہد صحابہ سے لے کر تابعین اور تبع تابعین سے لے کر آئمہ مجتہدین، علماء شریعت سے لے کر اہل طریقت تک اگر کُل مکاتب فکر اہل اسلام کے معتبر حضرات و شخصیات کی اُن تصریحات کا بالتفصیل تذکرہ کیا جائے جنھوں نے یزید پلید کے غیر مسلم منافق، دشمنِ اسلام ہونے یا اُس کے مستحق لعنت و جہنمی ہونے اور اس سے بیزار ہونے کا اقرار لکھا ہوا ہے تو اس کے لیے عظیم دفتر درکار ہوگا۔

یزید علیہ ما علیہ کے خلاف امام حسین رضی اللہ عنہ نے جو قیام کیا اُس کا اصل فلسفہ بھی دینِ اسلام

کو یزید کے دست بُرد سے بچانا تھا کیوں کہ یزید بزورِ شمشیر اپنی خواہشاتِ نفس کو دینِ اسلام میں داخل کر رہا تھا اور دینِ اسلام کے جن احکام کو اپنی ترجیح کے خلاف یا اپنی حکومت کے استحکام کے منافی سمجھتا تھا اُن کے خلاف ہر طرح کی سازشیں کرتا تھا۔ معاملہ بہت بگڑ گیا تھا اور جماعۃ الصحابہ والتابعین اور مہاجرین وانصار اُس کی حکومت کو دینِ اسلام کے لیے زہرِ قاتل سمجھ رہے تھے۔ ایسے میں امام حسین ؓ کے لیے اُس کے خلاف قیام کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ انجامِ کار اپنی جان کی اور خاندان کی قربانی دے کر دینِ اسلام کو بچایا، یزیدی قوتوں کے خلاف بیداری کی فضا قائم کی۔

خلاصہ کلام: ۔کل مکاتب فکر اہل اسلام میں من حیث الجماعت آج تک کسی طبقہ نے بھی یزید کو شریف انسان نہیں سمجھا ہے چہ جائیکہ اسے امیر المومنین کے عظیم لقب سے موسوم کیا جائے۔ حضرت امام المحدثین جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء کے صفحہ 160 پر امیر المومنین عمر ابن عبدالعزیز ؓ کا اِس حوالہ سے جو کردار بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ ایک دن کسی شخص نے ان کے سامنے یزید کو امیر المومنین کہا تو حضرت عمر ابن عبدالعزیز جو اپنے وقت کے خلیفۂ برحق اور سچے معنی میں امیر المومنین تھے، اِس جرم میں اسے بیس (20) کوڑے لگوائے۔ اس واقعہ کو محدث ابن حجر نے بھی الصواعق المحرقہ کے صفحہ 221 پر بیان کیا ہے لیکن آج کل عمر ابن عبدالعزیز جیسی حکومتوں کا فقدان ہے جس وجہ سے جس کے دِل میں جو آتا ہے شریعت وطریقت کے حوالہ سے کہہ دیتا ہے۔ جسے دیکھ کر بے علم عوام گمراہ ہو رہے ہیں اور گمراہی کا یہ سلسلہ یزید کے دور سے لے کر اب تک کچھ بدنصیب اشخاص کے ذریعہ برائے نام اسلامی ممالک میں جاری ہے لیکن گزشتہ پندرہ بیس سال سے اِس شجرہ خبیثہ کی آبیاری کرنے والوں میں نامعلوم وجوہات کی بنا پر کافی اضافہ ہو رہا ہے بلکہ مسلمانوں کے خوف سے برملا اظہار کرنے کی جرات اُن میں نہ ہونے کی وجہ سے بطور تقیہ یا دبے لہجے اور خصوصی ماحول میں اسے بطور اسلامی عقیدہ مروّج کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

مسلمانوں پر فرض ہے کہ یزید سے متعلق اپنے باپ دادا اور بزرگانِ دین کے ذریعے جو

معلومات پہلے سے انہیں حاصل ہیں ان کو حق سمجھ کر انہی پر کار بند رہیں تا کہ مذہبی اقدار کا تحفظ ہو سکے اور بزرگانِ دین وسلف صالحین کے دامن سے وابستگی چھوٹنے نہ پائے۔ اِس سلسلہ میں حضرت خواجہ غریب النواز خواجہ معین الدین حسن اجمیری والی ہند نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف کے مشہور زمانہ منظوم عقیدہ کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھیں، جو درج ذیل ہے۔

شاہ ہست حسین بادشاہ ہست حسین — دین ہست حسین دینا پناہ ہست حسین

سر داد نہ داد دست در دستِ یزید — حقا کہ بنا لا الہ ہست حسین

(دیوان خواجہ معین الدین اجمیری)

اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْہُ مِنِّی وَاجْعَلْہُ حِرْزًا لِحِفْظِ اِیْمَانِ الْمُسْلِمِیْنَ

وَاَنَا الْعَبْدُ الضَّعِیْفُ الْفَقِیْرُ اِلٰی مَوْلَاہُ الْغَنِیِّ

پیر محمد چشتی

☆☆☆☆

نمازِ مغرب اور اِفطار کے صحیح اوقات کا حکم

سوال یہ ہے کہ نمازِ مغرب اور روزہ افطار کرنے کے شرعی وقت کا معیار کیا ہے؟ ہمارے ملک میں اس حوالہ سے لوگوں کے تین طبقے ہیں؛

اول طبقہ اُن لوگوں کا ہے جو سورج کے غروب ہونے میں غالب گمان ہونے پر جلدی میں روزہ افطار کرنے کو کارثواب وطریقہ سنت بتاتے ہیں وہ اس پر دلیل یہ دیتے ہیں کہ حدیث میں روزہ افطاری میں جلدی کرنے کا حکم آیا ہے جب افطاری میں جلدی کرنا ثواب ہے تو مغرب کی اذان ونماز کی ادائیگی میں بھی جلدی کرنا مستحب ہوگا اور دوسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے؛

”لَا تَزَالُ أُمَّتِي بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الفِطرَ وَأَخَّرُوا السُّحُورَ“

جب سحری میں رات کے باقی رہنے میں غالب گمان ہونے اور صبح صادق کے آنے میں شک پیدا ہونے کی صورت میں سحری کھانا بند کر کے روزہ کی نیت کرنا مستحب ہے۔ تو پھر سورج کے غروب ہونے میں غالب گمان یا رات کے داخل ہونے میں شک کی صورت میں روزہ افطار کرنا بھی مستحب ہونا چاہئے کیوں کہ اس حدیث میں سحری کھانے میں تاخیر اور افطاری کرنے میں جلدی کرنے کو ایک دوسرے کے مقابلہ میں ذکر کر کے دونوں کو اُمت کی بہتری وکامیابی کے لیے دارومدار بتایا گیا ہے جس کا تقتضا بھی غالب گمان کی صورت میں یکساں مستحب ہونا ہے۔

دوسرا طبقہ اُن لوگوں کا ہے جو سورج کے غروب ہونے کے چار پانچ منٹ بعد اذان مغرب دیتے ہیں اور روزہ افطار کرتے ہیں یہ دونوں طبقے اہل سنت میں ہیں۔

تیسرا طبقہ اہل تشیع کا ہے جو غروب آفتاب کے دس بارہ منٹ بعد اذان مغرب دیتے ہیں اور روزہ افطار کرتے ہیں۔ ان تینوں میں کون صحیح، کون غلط ہے؟ کیا یہ سب متفق نہیں ہو سکتے ہیں؟

کیا اول طبقہ کی طرف سے بیان کیے جانے والی مذکورہ دلیلوں کا کوئی جواب ممکن ہے؟

اور یہ بھی بتایا جائے کہ مذکورہ حدیث میں اُمّت کی خیر و بہتری کو تاخیر سُحُور و تعجیل افطار پر موقوف کرنے کا کیا مطلب ہے؟

اگر اس کا مطلب یہ ہو کہ ایسا کرنے والے چاہے کوئی بھی مسلمان ہوں معاشرتی و معاشی اور مذہبی طور پر دوسروں کے مقابلہ میں اچھے رہیں گے تو یہ معنی مسلمانوں کے معروضی حالات کے خلاف ہے اس لیے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے کرنے والے سب کے سب مستحکم زندگی نہیں گزار رہے ہیں بلکہ اُن میں اکثریت مذہبی طور پر آلودۂ معصیت، معاشی طور پر قلاش اور معاشرتی طور پر بدنام ہیں اور اگر اس کا مطلب یہ ہو کہ اُمّت مسلمہ اگر اجتماعی طور پر اس طرح کرے تب ہر طرح کی خیر و بہتری اُن کی لازمہ ہوگی۔ تب بھی نا قابل فہم ہے کیوں کہ عرف عام میں انسانی فہم کے مطابق جس چیز کو خیر سمجھا جاتا ہے اُس کا تعلق معاشی استحکام اور اُمت غیر مسلمہ کے مقابلہ میں بالاتر زندگی گزارنے کے ساتھ ہے اور یہ حدیث چونکہ روزہ داروں سے متعلق وارد ہوئی ہے لہٰذا اِس اُمّت سے مراد اُمّت مسلمہ ہی متعین ہے تو اس کا اُمّت غیر مسلمہ کے مقابلہ میں بہتر ہونے کا قابل فہم معنی متعین ہونا چاہئے جو یہاں پر مفقود ہے۔

اِن کے علاوہ ہمارے لیے ایک مشکل وقت عشاء کے داخل ہونے سے متعلق بھی درپیش ہے اِس لیے کہ ہمارے یہاں بعض مسجدوں میں مغرب سے ایک گھنٹہ گزرنے کے بعد اذان عشاء دی جاتی ہے بعض میں سوا گھنٹہ بعد اور بعض میں ڈیڑھ گھنٹہ بعد دی جاتی ہے۔ کیا یہ سب ایک وقت پر متفق نہیں ہوسکتے ہیں حالانکہ یہ سب حنفی مذہب والے ہیں بعض اوقات اس اختلاف کی بنا پر ان میں لڑائیاں بھی ہوتی ہیں اور خفگان اس حد تک ہوتا ہے کہ کچھ نمازی مسجد اور جماعت کو چھوڑ کر تنہا نماز پڑھنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ کیا اس کا گناہ اُن اماموں کو نہیں جائیگا جن کی بدفہمی کی وجہ سے ایسا ہو رہا ہے۔ مغرب سے ایک گھنٹہ یا سوا گھنٹہ بعد عشاء کا وقت داخل کرنے والے یہ دلیل دیتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے شفق ابیض والے قول سے رجوع کر کے شفق احمر کا قول اختیار کیا ہے اور شفق احمر کے مطابق ایک گھنٹہ بعد یا

سوا گھنٹہ بعد عشاء کا وقت داخل ہو جاتا ہے۔ کیا ان حضرات کی یہ دلیل درست ہے؟
امامِ مسجد ہونے کی وجہ سے لوگ ہم سے اس کے متعلق پوچھتے ہیں برائے مہربانی اس کا بھی عام فہم آسان جواب دلائل کے ساتھ شائع کیا جائے۔

السائل...... قاری رحمت اللہ قادری، پیش امام جامع مسجد چوہدریاں جہلم شہر 22-03-2003

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جواب:۔ ان دونوں سوالوں کے متعلق تمام شکلوں کا اگر تفصیلی جواب لکھا جائے تو درجنوں صفحات درکار ہوں گے تاہم مختصر جواب دو طرح کے ہیں؛ اول اجمالی، دوم قدرے تفصیل کے ساتھ۔
جہاں تک اذان مغرب وافطار روزہ کے وقت داخل ہونے سے متعلق متفرق حضرات کے مذکورہ اختلاف وتضاد کو ختم کر کے ان سب کے ایک وقت پر متفق ومتحد ہونے کا امکان ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر دل میں اسلام کے ساتھ اخلاص ہو اور فروعی مسائل کو اُصول کے درجہ میں سمجھ کر انہیں اپنے لیے مذہبی شعار بنانے کی بے بنیاد روش کو ترک کر کے اسلامی اُخوت ویگانگت پیدا کرنے کی مذہبی مسئولیت کا احساس کیا جائے تو یہ کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے کہ اس میں یہ سب متفق نہ ہوسکیں۔ بہت آسان طریقہ ہے کہ قیاس آرائیاں کرنے اور مَن پسند استدلال کے بے ثبات چکر میں پڑنے کے بجائے ملک میں موجود مسلمہ فقہاء کرام اور غیر متنازعہ علماء کرام کی رجوع کیا جائے اللہ تعالیٰ کا حکم بھی یہی ہے کہ ”فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ“(1) الحمد للہ قابلِ اعتماد اور ثقہ علماء دین سے زمانہ کبھی خالی نہیں ہوتا جن کا علم وعمل، تقویٰ، للّٰہیت اور اسلام شناسی کا اعتراف سب کو ہوتا ہے اُن کے بتانے کے مطابق عمل کیا جائے سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔

تفصیلی جواب یہ ہے کہ جلدی روزہ افطار کرنے کو دوام خیر اور اُمتِ مسلمہ کی بہتری کا سبب ہونے پر دلالت کرنے والی روایات کا مفہوم ومدلول صرف اتنا کچھ ہے کہ مغرب کا وقت داخل ہونے کے بعد

---

(1) النحل، 43۔

روزہ افطار کرنے میں بلاضرورت تاخیر نہ کی جائے گویا ان روایات میں وقت مغرب کے داخل ہونے کا یقین ہونے کے بعد افطاری میں جلدی کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ لہٰذا اذان مغرب اور نماز مغرب کے ساتھ ان کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ جب اذان و نماز کی تعجیل پر ان کی دلالت ہی نہیں ہے تو پھر ان سے اذان و نماز مغرب میں تعجیل کرنے پر استدلال کرنے کا کوئی جواز ہی نہیں بنتا یہ الگ بات ہے کہ مغرب کا وقت داخل ہونے کے یقین ہونے کے بعد روزہ افطار کرنے میں جلدی کرنے کے مستحب ہونے کی طرح ہی اذان و نماز مغرب کی ادائیگی میں جلدی کرنا بھی بالیقین مستحب ہے جسے سنت متواترہ کہنا بھی درست ہوسکتا ہے لیکن اس کے لیے دلائل و روایات جدا ہیں۔ جیسے ابن ماجہ کی روایت میں مرفوع حدیث بایں الفاظ موجود ہے:

''لَا تَزَالُ أُمَّتِي عَلَى الْفِطْرَةِ مَا لَمْ يُؤَخِّرُوا الْمَغْرِبَ حَتَّى تَشْتَبِكَ النُّجُومُ'' (2)

یعنی میری اُمت جب تک صلوٰۃ مغرب کو ستاروں کے جمگھٹ ہونے سے قبل جلدی ادا کرتی رہے گی اُس وقت تک وہ فطرتِ سلیمہ پر ہی رہے گی۔

اور ظاہر ہے کہ ہر فرض نماز کے لیے اذان لازمی ہونے کی طرح صلوٰۃ مغرب کے لیے بھی لازمی ہے جس کے تقاضا سے یہی حدیث نماز مغرب کی تعجیل کے استحباب پر دلالت کرنے کی طرح اذان مغرب کی تعجیل کے مستحب ہونے پر بھی بطور مقتضاء النص دلالت کر رہی ہے کیوں کہ فطرت کا ناقابل انکار اُصول ہے ''اِذَا ثَبَتَ الشَّيْئُ ثَبَتَ بِجَمِيعِ لَوَازِمِهٖ'' یعنی جب بھی کوئی چیز ثابت ہوتی ہے تو وہ اپنے تمام لوازمات کے ساتھ ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا صلوٰۃ مغرب کا وقت داخل ہونے کے یقین ہو جانے کے بعد نماز مغرب کی تعجیل کے مستحب ہونے پر دلالت کرنے والی جملہ روایات و احادیث اور اُن سے مستفاد فقہی عبارات اذان مغرب کی تعجیل کے استحباب پر بھی دلیل ہیں اس کے لیے جدا دلیل کی ضرورت ہی نہیں ہے لیکن اذان و صلوٰۃ مغرب کی تعجیل کے مستحب ہونے کا یہ مطلب لینا ہرگز جائز

---

(1) ابن ماجہ، کتاب اوقات الصلوٰۃ، ص 36۔

نہیں ہے کہ وقت مغرب داخل ہونے میں یقین ہونے سے قبل ہی اذان دی جائے یا نماز مغرب شروع کی جائے نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ سورج کے مکمل غروب ہونے میں ایک فی صد شک ہو تب بھی ایسا کرنا ممنوع و ناجائز ہے، بے احتیاطی و بے اہتمامی ہے اور جہالت و بے بصیرتی ہے چہ جائیکہ کارِ ثواب و مستحب ہو۔ جلد بازی کے اس اندازِ عمل کو لُغت کی زبان میں تعجیل کہا جاتا ہے نہ شریعت کی زبان میں، بلکہ لُغت عربی اور شریعت کی زبان میں تعجیل کا معنی یہی ہے کہ وقت داخل ہونے میں یقین ہو جانے کے بعد متعلقہ عمل کی ادائیگی میں جلدی کی جائے اِسی بنیاد پر بلا اختلاف جملہ فُقہائے احناف نے سورج کے مکمل غروب ہونے پر یقین ہو جانے کے بعد نماز مغرب بمع اذان کی تعجیل کی مذکورہ دلیل اور روزہ افطاری کی تعجیل کی جدا جدا دلیلوں کے عین مطابق اِن تینوں کو اُن کے اول وقت میں بلا تاخیر انجام دینے کو نہ صرف مستحب لکھا ہے بلکہ سرورِ کائنات سیدِ عالم ﷺ کے مبارک زمانہ اُقدس سے لے کر اب تک جملہ حاملین شریعت کا اس پر عمل بھی چلا آ رہا ہے۔ جو لوگ تعجیل صلوٰۃ مغرب و افطاری کے استحباب کی اِن دلیلوں کا حوالہ دے کر سورج کے مکمل غروب ہونے میں یقین ہونے سے قبل نماز مغرب پڑھتے ہیں یا روزہ افطار کرتے ہیں وہ اپنے روزہ کو فاسد کرتے ہیں اور اُن کی نماز و اذان بھی نہیں ہوتی کیوں کہ سورج کے غروب ہونے میں شک پیدا ہونے سے پہلے دن کے باقی ہونے پر یقین ہوتا ہے اور اس میں شک پیدا ہونے پر سابقہ یقین ختم نہیں ہوتا کیوں کہ ''الیقین لایزول بالشک''، یعنی سابقہ یقین شک کیوجہ سے ختم نہیں ہوتا جب تک سورج کے مکمل غروب ہونے پر یقین نہیں ہوتا اُس وقت تک اللہ کا حکم ''اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی اللَّیْلِ ''(1) یعنی رات کے آنے پر یقین ہونے تک روزہ رکھنا ہر روزہ دار پر فرض ہے۔ سورج کا مکمل غروب ہونا، رات کا آنا اور دن کا ختم ہونا یہ تینوں امور ایک دوسرے کو لازم و ملزوم ہیں یعنی سورج کے مکمل غروب ہونے کو یہ دونوں لازم ہیں مطلب یہ کہ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ سورج مکمل غروب ہو لیکن اُس کے متصلاً بعد جانب مشرق سے رات

(1) البقرہ، 187۔

کے آثار کا نمودار ہونا اور جانب مغرب سے دن کے آثار کا ختم ہونا متحقق نہ ہو۔ اِسی تلازم کی پیشِ نظر نبی اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وقتِ مغرب کی تحدید وتعین کرتے ہوئے اِن تینوں کو یکجا کرکے بایں الفاظ ارشاد فرمایا؛

''اِذَااَقْبَلَ اللَّيْلُ مِنْ هٰهُنَاوَاَدْبَرَ النَّهَارُ مِنْ هٰهُنَاوَغَرَبَتِ الشَّمْسُ فَقَدْاَفْطَرَ الصَّائِمُ''(1)

گویا اس حدیث میں وقت اذان مغرب، وقت نماز مغرب اور روزہ افطار کرنے کے لیے یقینی وقت کی تین الگ الگ دلیلیں بتائی گئیں ہیں جو آپس میں لازم وملزوم ہیں۔اس حدیث شریف کے ارشاد فرمانے سے اُس کے سیاق وسباق کی روشنی میں جو مقصد سمجھ میں آتا ہے وہ یہی ہے کہ روزہ افطار کرنے کا وقت داخل ہونے پر یقین حاصل ہونے کے بعد افطاری میں جلدی کرنے کا استحباب بتانے کے ساتھ عدم یقین کی صورت میں عدم جواز افطار بتانا مقصد ہے جس کے نتیجہ میں جملہ سلف صالحین وقت داخل ہونے کے بعد تعجیل افطار کو متفقہ طور پر مستحب سمجھنے کی طرح ہی شک کی صورت میں افطاری کرنے کو مفسدِ صوم قرار دینے میں بھی متفق ہیں یعنی جب تک وقت داخل ہونے میں پوری طرح یقین نہ ہو جائے اُس وقت ظن غالب بلکہ یوں کہیے کہ 99% غالب گمان حاصل ہونے پر افطار کرنا بھی مفسد صوم ہے، ناجائز وممنوع ہے اور اس حدیث کی عبارت النص ومقصد کی خلاف ورزی ہونے کی بنا پر فعل حرام ومعصیت ہے۔

قیاسِ فاسد اوراشتباہ کا ازالہ :۔

زیرِ نظر سوال میں بیان شدہ یہ قیاس کہ افطاری میں جلدی کرنے کا مستحب ہونا سحری کھانے میں تاخیر کرنے کے مستحب ہونے کے مقابلہ میں آیا ہے تو سحری کھانے میں تاخیر کی وہ صورت جس میں صبح صادق کے نکلنے میں گمان یا رات کے ختم ہونے میں شک ہونے لگے تب بھی سحری کھانا ختم کرکے

---

(1) بخاری شریف، کتاب الصوم، ج 6، ص 220، مطبوعہ بیروت۔

روزے کی نیت کرنا جائز ہے اور تاخیر سے سحری کھانے کی شرعی ترغیبات میں داخل ہونے کی بنا پر مستحب ہے جب یہاں پر شک کی صورت میں یا غالب گمان کی صورت میں سحری کی تاخیر مستحب ہوتی ہے تو پھر غروب آفتاب میں غالب گمان ہونے کی صورت میں جلدی افطاری کرنا بھی مستحب ہی ہونا چاہئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قیاس فاسد اور اشتباہ و مغالطہ کے سوا اور کچھ نہیں ہے کیوں کہ جس روایت میں تعجیل افطار اور تاخیر سحری کو ایک دوسرے کے مقابلہ میں مستحب قرار دیا گیا ہے جیسے حضرت ابوذر غفاریؓ سے مروی اس حدیث میں **''لَا تَزَالُ أُمَّتِي بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ وَأَخَّرُوا السُّحُورَ''** (1) یعنی میری اُمت ہمیشہ خیر سے رہے گی جب تک افطار میں جلدی اور سحری میں تاخیر کرے گی۔

اس میں دو چیزیں مشترک اور دو متفرق ہیں جو دو مشترک ہیں اُن میں؛

پہلی چیز:۔ سحری میں تاخیر کا اور افطاری میں تعجیل کا مستحب ہونا ہے جس پر جملہ سلف صالحین کا بالاجماع عمل و عقیدہ چلا آ رہا ہے۔

دوسری چیز:۔ سحری کے وقت طلوع صبح صادق میں شک اور مغرب میں رات کے داخل ہونے یا سورج کے مکمل غروب ہونے میں شک کی صورتوں میں بالترتیب رات اور دن کی بقاء میں یقین ہونا ہے کیوں کہ **''اَلْيَقِيْنُ لَا يَزُوْلُ بِالشَّكِّ''** یعنی شک کی وجہ سے یقین زائل نہیں ہوتا۔

[اس] حقیقت کا اِن دونوں میں قدرِ مشترک ہونے پر بھی جملہ سلف صالحین متفق ہیں اور جن دو چیزوں [میں] افتراق و امتیاز ہے۔

پہلی چیز:۔ سحری کھانا فرض نہیں ہے، روزہ کا افطار کرنا فرض ہے۔

دوسری چیز:۔ طلوع صبح صادق میں شک پیدا ہونے سے پہلے کھانا پینا وغیرہ مباح ہیں فرض نہیں

---

(1) مسند امام احمد ابن حنبل، ج5، ص 147، بسلسلہ مرویات ابو ذرؓ۔

کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ''كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ''(1) میں کھانے پینے کا امرِ وجوب کے لیے نہیں بلکہ محض اجازت واباحت کے لیے ہے جبکہ افطاری کا وقت داخل ہونے میں غالب گمان ہوتے ہوئے ایک فیصد شک باقی رہنے کی صورت میں بھی روزہ کو قائم ودائم رکھنا اللہ تعالیٰ کے فرمان ''اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْلِ'' کے عین مطابق فرض ہوتا ہے کیوں کہ یہاں پر اتمام صوم کا امر وجوب کے لیے ہے۔

ایسے میں دن کے ختم ہونے یا رات کے داخل ہونے میں غائب گمان کی بنا پر جلدی افطاری کرنے کو صبح صادق کے طلوع ہونے پر قیاس کر کے مستحب قرار دینے کو قیاس مع الفارق اور مغالطہ نہیں تو اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ جس میں جائز پر ناجائز کو اور مستحب پر حرام کو قیاس کر کے روزہ داروں کی دن بھر کی محنت کو ضائع کیا جا رہا ہے۔ اسطرح کی شیطانی قیاس اور غلط فتوؤں کی وجہ سے عوام کی روش اس حد تک خراب ہو چکی ہے کہ جن جگہوں میں شریعت کے صحیح مسائل بتانے والے علماء موجود نہیں ہیں اُن کے اکثر روزہ دار ایسے ہی نیم ملا دُشمن ایمان کے اس طرح کے بے بنیاد فتوؤں کی وجہ سے رات کے داخل ہونے میں غالب گمان ہونے پر روزہ افطار کر کے دن بھر کی محنت ضائع کرتے ہیں اپنے ہاتھ سے خود اپنا روزہ فاسد کر کے فعل حرام کے مرتکب ہوتے ہیں اِس طرح کے کئی افسوس ناک واقعات میں نے خود بھی دیکھے ہیں۔

ایک دفعہ میں اور حضرت غریب نواز خواجہ معین الدین حسن اجمیری نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهُ الشَّرِيْف کے خانوادے سید آل سیدی اَدَامَ اللہ حیاتہ ماہ رمضان المبارک میں پشاور سے کراچی کے سفر پر روانہ ہوئے ابھی ہم ملتان کے اُوپر سے گزر رہے تھے کہ ہوائی جہاز کے عملہ نے روزہ افطاری کا اعلان کیا کہ جہاز چونکہ پشاور سے پرواز کر چکا ہے اور پشاور کے وقت کے مطابق افطاری کا وقت داخل ہو چکا ہے۔ لہٰذا مسافر روزہ افطار کریں اس اعلان کے مطابق جب روزہ دار خواتین وحضرات افطاری کر رہے تھے

---

(1) البقرہ، 187۔

عین اُس وقت سورج کا کنارہ اُفق پر نظر آ رہا تھا اور اُس کی شعاعیں بھی جہاز کے اندر افطاری کرنے والوں پر پڑ رہی تھیں۔ ہم نے ہر چند اُنہیں تبلیغ کر کے سمجھانے کی کوشش کی لیکن دن بھر کے بھوکے پیاسے رواجی روزہ دار اعلان کے ساتھ کھانے پینے کی نعمتوں کو اپنے سامنے دیکھ کر صبر کہاں کر سکتے تھے اور نفس لمّارہ کے مقابلہ میں مسئلہ بتانے والوں کی اُنہوں نے کیا سُننا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ پورے جہاز میں صرف ہم دو ہی رہ گئے تھے کہ افطاری کے متعلق شرعی احکام کی پابندی کرتے ہوئے چھ منٹ بعد سورج پورا غروب ہونے میں یقین ہونے کے بعد روزہ کھولا۔ (فَالْحَمْدُلِلّٰہِ عَلٰی تَوْفِیْقِ الْاِسْتِقَامَۃِ)

اِسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی مجھے یاد ہے کہ پشاور کی جس مسجد میں میرے بیٹے محمد علی چشتی طول اللہ حیاتہ اعزازی خطیب تھے اُس کے متعلقہ اُن کے ایک رفیق مقتدی نے ہمارے اعزاز میں دعوت افطار کا اہتمام کیا تھا۔ معاشرتی روایات کے مطابق افطاری کے وقت سے بیس تیس منٹ پہلے پہنچنے کی نیت سے ہم گھر سے روانہ ہوئے لیکن راستہ میں ٹریفک جام ہونے کے غیر اختیاری عارضہ کی وجہ سے ہم تاخیر سے اُس وقت پہنچے جب سورج کے مکمل غروب ہونے میں دو منٹ ابھی باقی تھے اور محکمہ موسمیات کے حوالہ سے ٹیلیویژن پر افطاری کے وقت داخل ہونے کا اعلان بھی ابھی نہیں ہوا تھا لیکن ہم نے پہنچ کر دیکھا کہ دستر خوان پر حاضر تمام حضرات روزہ کھول چکے تھے اُنہوں نے از راہِ معذرت ہم سے کہا کہ آپ کا بہت انتظار کیا لیکن دیر ہو گئی تھی اور افطاری کا مستحب وقت جا رہا تھا اور فقہ جعفریہ والوں کے ساتھ مشابہت کے خوف سے بچنے کے لیے ہم کو روزہ کھولنا پڑا۔

تحریر ہذا کے قارئین کے لیے یقیناً باعث تعجب ہوگا کہ ہم نے پورے دو منٹ تک انتظار کیا اُس کے بعد محکمہ موسمیات کی رپورٹ کے مطابق ٹیلیویژن سے بھی افطاری کے وقت داخل ہونے کا اعلان ہوا تب ہم نے روزہ کھولا اس واقعہ کے دوسرے روز ہمارے علم میں آیا کہ اس دستر خوان پر دن بھر کی محنت ضائع کر کے روزہ فاسد کرنے والے حضرات میں دو تبلیغی حضرات ایسے بھی تھے جو بغیر علم دین کے عالم بنے ہوئے تھے، جو تعجیل افطار کے استحباب کی حقیقت کو سمجھے بغیر شیعہ کی مخالفت کرنے کو ثواب سمجھ کر قبل

از وقت افطاری کرانے کے ذمہ دار تھے۔ ہمارے سامنے کسی قسم کی حجت آرائی کرنے کی اگرچہ وہ جسارت نہ کر سکے لیکن معلوم ہوا کہ بعد میں وہ ہمارے پیچھے غیبت کرتے رہے کہ کچھ علماء اپنے آپ کو اہل سنت کہتے ہوئے بھی فقہ جعفریہ کے مطابق روزہ کھولنے میں تاخیر کرتے ہیں اور تعجیل افطار کے استحباب پر عمل نہیں کرتے ہیں۔ شاید اسلام کے ایسے ہی نادان دوستوں کے متعلق حدیث میں آیا ہے:

''اَلْمُتَعَبِّدُ بِغَیْرِ الْفِقْہِ کَالْحِمَارِ فِی الطَّاحُوْنِ''(1)

یعنی دین اسلام کی تعلیم کے بغیر عبادت کرنے والوں کی مثال چکی کے گدھے کی طرح ہے۔

ہماری فہم کے مطابق جہل مرکب میں مبتلا وہ تمام حضرات چکی کے گدھے کی طرح عمر بھر عملی مشقتوں کا بوجھ اُٹھانے کے سوا کچھ بھی ثواب نہیں پا سکتے ہیں جو حق و باطل میں تمیز بتانے والوں کی نہیں سنتے ہیں، قال اللہ وقال الرسول پر کان نہیں دھرتے ہیں اور حق بین، حق شناس اور حق گو اہل علم کی تبلیغ سننے کے لیے تیار نہیں ہوتے ہیں جہالت کے اس گڑھے میں گرے ہوئے یہ قابل رحم حضرات چاہے بے علم مبلغین کی شکل میں ہوں یا کسی نمبر دو پیر کے مریدوں کی صورت میں، فرقہ واریت وعصبیت کا درس دینے والے کسی مدرسہ کے پروردہ ہوں یا افتراق بین المسلمین کے علم بردار کسی فسادی فرقہ وتنظیم کے کارکنوں کی صفوں میں ہوں بہر تقدیر جذبہ ثواب میں بے راہ روی اِن سب میں قدر مشترک ہوتی ہے یہ قابل رحم حضرات نہ صرف خود بے اعتدالی وکج روی کے شکار ہیں، ثواب کے اندھا دھند جذبہ میں نہ صرف خود کو انجانے میں گناہ گار کر رہے ہیں بلکہ دوسرے مسلمانوں کو بھی اپنے ساتھ گمراہ کر رہے ہیں۔

ایسے میں حق گو علماء کو سوچنا چاہئے کہ اُن پر فریضہ تبلیغ کے حوالہ سے کتنی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور دانشوران ملت و مصلحین اُمت کو باہمی مربوط ہو کر ماضی کے نشیب وفراز کی روشنی میں مستقبل کی تطہیر کرنے کیساتھ ایسی منصوبہ بندی کرنے کی ضرورت ہے جس سے کھرے کھوٹے میں تمیز ہو سکے، جائز ناجائز کی پہچان ہو سکے اور التباس الحق بالباطل کی ابلیس کاریوں سے مسلمانوں کو شعور دلایا جا سکے۔

---

(1) حلیۃ الاولیاء، ج5، ص219، مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت۔

جہاں تک تاخیرِ سحُور و تعجیل افطاری کو اُمت کی خیر و بہتری کی علامت بتانے کے متعلقہ سوالات ہیں اُن کا جواب سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل باتوں کو بطور تمہید سمجھنے کی ضرورت ہے؛

تمہیدِ اول:۔ اس حدیث میں لفظ خیر جو آیا ہے وہ اسمی معنی میں ہے وصفی میں نہیں تا کہ غیر مسلم اقوام کے ساتھ تقابل کا سوال پیدا ہوتا۔

تمہیدِ دوم:۔ خیر اسمی ہر اُس اسم کو کہتے ہیں جس میں سب کو رغبت ہو۔

تمہیدِ سوم:۔ اس حدیث میں بطور عرفیہ عامہ تاخیر سحُور و تعجیل افطار کو جس مرغوب فیہ کمال کے دوام کے لیے سبب قرار دیا گیا ہے وہ صرف اور صرف روزہ کی فضیلت وثواب ہے اس کے سوا دیگر مذہبی، معاشرتی یا معاشی وغیرہ مسائل کے ساتھ اس کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔

اس تخصیص کی ایسی مثال ہے جیسے ایک مرفوع حدیث میں عالم دین کی لغزش اور جدال منافق کو اسلام کے ڈھانے کا سبب قرار دیا گیا ہے (مشکوٰۃ شریف، ص 37) جس کا معنی سب پر واضح ہے کہ کسی علاقائی عالم کی لغزش و غلطی سے یا کسی جگہ منافق شخص کے جدال بالکتاب کرنے کی وجہ سے تمام روئے زمین سے اسلام کی کمزوری نہیں ہوتی نہ اس سے اسلام ڈھایا جاتا ہے بلکہ جس جگہ ایسا ہو رہا ہو وہیں پر مقامی اور جزوی طور پر اسلام کو نقصان پہنچ جاتا ہے جو تمام روئے زمین میں پھیلے ہوئے اسلام کی نسبت سمندر کے ایک قطرے کے برابر ہے۔

ان تمہیدات کو سمجھنے کے بعد مذکورہ حدیث کا مرادی معنی اس طرح ہوگا "لَا تَزَالُ اُمَّتِیْ بِخَیْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ وَاَخَّرُوا السَّحُوْرَ" یعنی میری اُمت کے روزہ دار لوگ جب تک افطاری کرنے میں تعجیل اور سحری کھانے میں تاخیر کرتے رہیں گے اُس وقت تک روزہ کے قابل رغبت فضیلت وثواب کو پاتے ہی رہیں گے۔ ہماری اِس توجیہ سے اس حدیث کے متعلقہ مذکورہ جملہ اعتراضات کا جواب آنے کے باوجود ایک قابل توجہ سوال پھر بھی تشنۂ جواب رہ جاتا ہے وہ یہ ہے کہ روزہ داروں کے لیے جن قابل رغبت فضائل وثواب کا وعدہ کیا گیا ہے اُنہیں پانے کے لیے اور بھی بہت سے اسباب ہیں تو پھر

ان دونوں کو خاص کرنے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟

جواب:۔ ہماری فہم کے مطابق اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ کسی بھی اطاعت وعبادت پر ثواب عطا فرمانے کی طرح روزہ کے لیے بھی اللہ تعالیٰ اُس وقت تک مقررّہ فضیلت وثواب کو اُن سے نہیں روکتا اور کسی بھی روزہ دار کو اُس سے محروم نہیں کرتا جب تک وہ خود اپنے اندر ایسی غلطی پیدا نہ کرے جو مقررّہ فضیلت وثواب کو پانے سے مانع ہو اور اِن غلطیوں کی بے شمار انواع واقسام میں سب سے زیادہ خطرناک، سب سے زیادہ باعث حرمان اور سب سے زیادہ قریب اِلی الشرک، جو غلطی ہوسکتی ہے وہ بدعت ایجاد کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بدعتی شخص کی عبادت قابلِ قبول و باعثِ ثواب ہونے کی بجائے اُس کے منہ پردے ماری جاتی ہے۔ جیسے ہر عبادت کے لیے مخصوص قیودات، شرائط ولوازمات ہوتے ہیں اسی طرح روزہ کی صحت ومقبولیت کے لیے بھی کافی سے زیادہ لوازمات وقیودات ہیں لیکن اُن میں مافیہ الصوم جو وقت ہے اُس کی جانب ابتدا یا جانب انتہا میں اپنی طرف سے اضافہ کرکے بدعت ایجاد کرنے کی جتنی گنجائش ہوسکتی تھی اتنی کسی اور چیز میں نہیں تھی یعنی صبح صادق کے طلوع سے لے کر سورج کے مکمل غروب ہونے تک کے دو حصاروں میں جو محصور ومحدود وقت ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُسی میں روزہ رکھنے کا حکم ہے اس کے برعکس اگر کوئی شخص جانب سحری میں رات کا کوئی حصّہ اس میں شامل کرنے کی نیت کریگا یا جانب افطاری میں رات کا کوئی حصہ مافیہ الصوم میں شامل کرنے کی نیت سے دیر کرکے روزہ کھولے گا تو وہ بدعت کار ہوگا اور اس نے اپنی بدعت کاری کی وجہ سے اپنے روزہ کی فضیلت وثواب کو خود اپنے ہاتھ سے ضائع کیا۔ لہٰذا اُس کا یہ روزہ قابل قبول ہوگا نہ اُسے کوئی فضیلت و ثواب مل سکتا ہے لہٰذا جانب سحری میں اس بدعت کاری سے بچنے کے لیے رات کے آخری حصہ سے روزہ کی ابتداء کرنے کا حکم دیا جسے اس حدیث میں تاخیر سحُور کہا گیا ہے اور جانب مغرب میں دن کے ختم ہوتے ہی فوراً افطار کرنے کا حکم دیا گیا ہے جس کی تعبیر اس حدیث میں تعجیل افطار کے ساتھ کی گئی ہے ورنہ سحری کھانا اور افطاری کرنا بجائے خود کوئی حیثیت نہیں رکھتے ہیں بلکہ یہ دونوں اصل عبادت کو حکم الٰہی

کے مطابق انجام دینے اور بدعت کاری کی لعنت سے بچنے کی علامات ہیں۔ (وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَم)

پیش نظر سوال نامہ میں مغرب کے بعد وقت عشاء داخل ہونے اور شفق ابیض واحمر کے حوالہ سے جو سوال ہے اُس کے متعلق فقہ حنفی کی اُردو عربی دونوں زبانوں میں لکھی گئی کتب فتاوئی میں علماء کرام ومفتیان عظام نے اتنا کچھ لکھا ہوا ہے کہ اُس کے بعد اس کے متعلق مزید کچھ لکھنے کی گنجائش ہی باقی نہیں ہے۔

خلاصۃ الجواب:۔ آج سے ہزار بارہ سو سال قبل فقہ حنفی کی تدوین کی تاریخوں میں اوقات کا تعین کرنا گھڑیوں کے حساب سے نہیں تھا اور نہ ہی اُس زمانہ میں موجودہ دور کی طرح مسجدوں میں گھڑیال آویزاں ہوا کرتے تھے بلکہ ہر نماز کے وقت کا تعین سورج کی حرکت کے حساب سے کیا جاتا تھا جس کے مطابق نماز صبح کے لیے طلوع صبح صادق سے لے کر سورج کے نکلنے تک اور نماز ظہر کے لیے سورج کا سرے ڈھلنے سے لے کر ہر شے کے سایہ کا جانب مشرق کی طرف اُس سے ایک چند یا دو چند ہونے تک، نماز عصر کے لیے مثل اوّل یا مثل ثانی سے لے کر غروب آفتاب تک، نماز مغرب اور روزہ افطاری کے لیے سورج کے مکمل غروب ہونے سے لے کر شفق احمر یا شفق ابیض کے ختم ہونے تک اور نماز عشاء کے لیے غروب شفق سے لے کر صبح صادق تک اوقات مقرّر تھے لیکن دُنیا کی ہر چیز میں ترقی ہونے کی طرح نماز پنجگانہ اور سحری وافطاری کے اوقات کو جاننے کے لیے بھی مثل اول وثانی اور شفق احمر وابیض کے پیچیدہ عربی لُغات کو استعمال کرنے کی بجائے آج کل نمازی اور عرف عام والے لوگ گھڑی کے گھنٹوں اور منٹوں کے حوالہ سے اِن اوقات کو جانتے ہیں اِس لیے فقاہت وعلم اور عقلمندی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اپنے اہل زمانہ کے ساتھ اوقات نماز پنجگانہ اور سحری وافطاری وغیرہ اوقات سے متعلق بھی عرف عام کے مطابق گھنٹوں اور منٹوں کے حوالہ سے اِفہام وتفہیم کی جائے۔ اِس لیے فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ جو شخص علم کا دعویٰ کرے لیکن اپنے اہل زمان کے حالات کو نہ جانے وہ جاہل ہے جیسے فتاوئی دُرِمختار میں ہے؛

''وَمَنْ لَّمْ یَکُنْ عَالِمًا بِاَھْلِ زَمَانِهٖ فَھُوَ جَاھِلٌ'' (1)

یعنی جو اپنے اہل زمان کے حالات کو نہیں جانتا وہ جاہل ہے۔

قابلِ افسوس ہیں وہ امامان مساجد جو شفق احمر وابیض کی عربی لغات اور فقہ کی پیچیدہ اصطلاحات کو سمجھے بغیر لوگوں کے لیے پریشانیاں پیدا کرتے ہیں، حقیقت حال یہ ہے کہ شفق احمر وابیض کے حوالہ سے آج سے دو سو سال پہلے کی لکھی ہوئی جملہ مباحث موجودہ زمانہ کے عوام کے لیے ناقابل فہم مجموعہ تضادات و اختلافات ہیں، لاحاصل اور غیر تسلی بخش ہیں۔ اللہ بھلا کرے ان متاخرین مفتیان کرام کا جنہوں نے اس حوالہ سے جان فشانی کا حق ادا کرتے ہوئے شفق ابیض کے ختم ہونے کو وقت مغرب کے لیے متفقہ طور پر امام ابوحنیفہ کا مذہب قرار دے کر اُسی کے ختم ہونے کو وقتِ مغرب کے ختم ہونے کے لیے نیز وقت عشاء کے داخل ہونے کے لیے امام ابوحنیفہ کے معیار کے مطابق قرار دیا ہوا ہے۔ 33 ضخیم جلدوں پر مشتمل فتاویٰ رضویہ جیسے کل مکاتب فکر اہل اسلام کے نزدیک معتبر ترین فتاویٰ حنفی میں اسی کو امام ابوحنیفہ کا صحیح مذہب قرار دے کر اُس پر متعدد دلائل قائم کیے ہیں اور اشرف علی تھانوی نے بھی امداد الفتاویٰ میں اِسی کے مطابق عشاء کا وقت داخل ہونے کے لیے مغرب کے بعد کم از کم ڈیڑھ گھنٹہ قرار دیا ہے۔ جو موسمِ سرما کے حوالہ سے احتیاط اور موسمِ گرما کے حوالہ سے بے احتیاطی سے خالی نہیں ہے۔

موجودہ حنفی مسلمانوں کے لیے اس پورے خطہ میں غالب اکثریت حنفی مسلمانوں کی ہے اور حنفی مذہب کے دعویدار آج کل اس پورے خط میں بریلوی کہلاتے ہیں یا دیوبندی ان دونوں سے خالی کوئی حنفی اس خط میں موجود نہیں ہے اور ان دونوں کے مسلمہ علماء نے متفقہ طور پر شفق ابیض کے ختم ہونے کو وقت مغرب کے ختم ہونے کے لیے اور وقت عشاء کے داخل ہونے کے لیے امام ابوحنیفہ کا مذہب سمجھ کر موجودہ زمانہ کے عرف اور گھڑی کی زبان کے مطابق ڈیڑھ گھنٹہ مغرب کے بعد گزرنے کو وقت عشاء کے داخل ہونے کے لیے معیار قرار دیا ہوا ہے جو موسم سرما و گرما کی تبدیلیوں سے قطع نظر ہے اور مطلق

---

(1) درمختار، ج1، ص99۔

ہے۔ جیسے اشرف علی تھانوی کے امداد الفتاویٰ، جلد 1، مطبوعہ مجتبائی، صفحہ 64 پر مغرب کے بعد کتنی دیر میں عشاء کا وقت داخل ہو جاتا ہے سوال کا جواب بایں الفاظ دیا ہے؛

''غروب سے ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد عشاء کا وقت آ جاتا ہے''۔

اسی طرح فتاویٰ بہار شریعت، جلد3، صفحہ 15 تا16۔ نیز فتاویٰ رضویہ، میں امام ابوحنیفہ کے مذہب کے مطابق وقت مغرب وعشاء کی مکمل تحقیق کرتے ہوئے ہر موسم ہر ماہ اور ہر روز کے وقت مغرب و عشاء کی تعیین وتشخیص بتا کر ہمیشہ کے لیے اس مسئلہ سے عوام وخواص کو فارغ کیا گیا ہے۔ جس پر خصوصیت مسلک سے قطع نظر جملہ مکاتبِ فکر اہلِ علم حضرات ان کے احسان مند ومداح ہیں اِن دونوں فتاوؤں میں حنفی مذہب کے مطابق وقتِ عشاء کے داخل ہونے کی جو تحقیق کی گئی ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ موسم سرما میں وقت عشاء مغرب سے کم از کم (1:18) ایک گھنٹہ اٹھارہ منٹ اور موسم گرما میں کم از کم (1:35) ایک گھنٹہ پینتیس منٹ گزر جانے کے بعد داخل ہو جاتا ہے۔ شفق احمر و ابیض کی حقیقتوں کو سمجھے بغیر خالی منتر یاد کرنے کی طرح عربی الفاظ اور فقہی اصطلاحات کے ان الفاظ سے عوام کو مغالطہ دینے والوں کے کان کھلنے چاہئے کہ اس خطے کے حنفی المذہب کہلانے والے مسلمانوں کے دونوں بازوؤں کے مسلمہ مفتیان عظام کے اِن متفقہ فتوؤں کے مطابق ایک گھنٹہ یا ایک گھنٹہ پندرہ منٹ مغرب سے گزرنے پر وقت عشاء کے داخل ہونے کی کیسی تردید ہو رہی ہے اور وقت عشاء کے داخل ہونے کے لیے اوسطاً ڈیڑھ گھنٹہ گزرنے پر کیسا اتفاق معلوم ہو رہا ہے اور شفق ابیض کا امام ابوحنیفہ کا مذہب مختار وراجح اور مفتابہ ہونے پر کیسا غیر متزلزل یقین ظاہر کیا جا رہا ہے جبکہ شفق احمر کا منتر پڑھنے والے کبھی اُس کی تحدید پونے گھنٹہ سے کرتے ہیں کبھی گھنٹہ سے اور کبھی سوا گھنٹہ سے جو موجودہ گھڑی کی زبان میں تضادات کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے غیر یقینی ہے۔

الغرض امام ابوحنیفہ کے پیروکاروں کی اس خطہ میں صرف دو ہی جماعتیں ہیں اور ان دونوں کے مسلمہ علماء ومفتیان کے متفقہ فتوؤں سے عدول کرنے والے حنفی نہیں ہو سکتے بلکہ حنفیت کے نام پر انجانے میں

کچھ اور کر رہے ہیں یا اتنے جاہل و سرکش ہیں کہ علماء کرام اور مفتیان عظام کے ان متفقہ فتوؤں کے مقابلہ میں اپنی من پسند کی پیروی کر رہے ہیں اور لوگوں میں اختلاف کے باعث بن کر اُن کو نماز باجماعت سے محروم کر رہے ہیں جس کا گناہ بالیقین ان ہی بے علم اماموں کے سر آتا ہے کہ وہی اس کے ذمہ دار ہیں۔ اِن سب بھی زیادہ ذمہ داری اسلامی مدارس کے اربابِ اختیار پر عائد ہوتی ہے کیوں کہ مساجد کو پیشِ امام دستیاب کرنے کے اصل منابع یہی مدارس ہیں کہ بالواسطہ یا بلاواسطہ ان سے علمِ دین کی روشنی پانے والے حضرات ہی مساجد کے امام ہوتے ہیں جبکہ اِن میں علم توقیت جیسے اہم ترین فریضہ کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ نمازوں کے اوقات کے آغاز و اختتام کی تفصیل علم توقیت کے بغیر ناممکن ہے۔ اسلامی مدارس کے اربابِ اختیار پر لازم ہے کہ اِس اہم فن کو درسِ نظامی کے نصاب میں شامل کر کے مدارس کے حوالہ سے اپنی ذمہ داری پوری کریں۔

ہمارے مدارس اور خاص کر جنوبی ایشیا ہند و پاک کے اِس پورے خطے میں اسلامی مدارس کی اجتماعی کارکردگی ناقص ہے علم توقیت کی اہمیت کو جاننا دور کی بات ہے جبکہ نصاب میں شامل فنون کی تعلیم بھی تسلی بخش نہیں ہے خصوصیتِ مسلک سے قطع نظر مدارس کی تعلیمی اُفتادگی کا یہ عالم ہے کہ مدرسہ کا حجم جتنا بڑا ہوتا ہے، طلباء کی تعداد جتنی زیادہ ہوتی ہے اور شہرت جتنی آفاقی ہوتی ہے تعلیمی انحطاط بھی اُسی تناسب سے ناقابل گفت ہوتا ہے۔ مدارس سے متعلق گلہ وشکوہ کا جملہ معترضہ لمبا ہو رہا ہے مجھے دراصل نمازوں کے اوقات کے آغاز و اختتام اور ہر نماز کے کل دورانیہ وقت کے سلسلہ میں علم توقیت کی اہمیت بتانی تھی جس کے مطابق زمین کے تمام خطوں اور مشرقی و مغربی، شمالی اور جنوبی علاقوں کے اوقات نماز ایک جیسے نہیں ہوتے جس وجہ سے ہر علاقہ کی مساجد کے امام و مؤذن کی ذمہ داری ہے کہ اپنے یہاں ہر نماز کے آغاز وقت سے لے کر اختتام اور کل دورانیہ وقت تک کو سمجھیں۔ اللہ کے رسول سید عالم ﷺ نے فرمایا؛

''الامام ضامن والمؤذن موتمن''

پیشِ نظر مسئلہ کی تفہیم و تفہم اور تعلیم و تعلم کا نہایت اسن اور مختصر طریقہ یہ ہے کہ ہر روز صبح کی نماز کا جتنا وقت ہوتا ہے اُس روز کی نمازِ مغرب کا وقت بھی اُس کے برابر ہوتا ہے یعنی طلوع صبح صادق سے لے کر اولین کرنِ آفتاب کے نمودار ہونے میں جتنا وقت لگتا ہے بلا کم و کاست اتنا ہی وقت مکمل غروبِ آفتاب سے لے کر شفق ابیض یعنی جانب مغرب میں غروِ آفتاب کے بعد پیدا ہونے والی سرخی کے ختم ہونے کے بعد جو سفیدی پھیلتی ہے وہ بھی مکمل ختم ہو جانے کے متصلاً بعد تک بھی اتنا ہی وقت ہوتا ہے جس کے مطابق موسمِ سرما کے مخصوص ایام یعنی 15 نومبر سے لے کر 6 دسمبر تک یہ وقت قدرے کمی بیشی کے ساتھ اوسطاً ایک گھنٹہ 18 منٹ تک ہوتا ہے جس میں واقفِ حال نمازی کے لیے مغرب کی نماز ادا کرنا جائز ہے جسکے بعد عشاء کا وقت داخل ہوتا ہے یعنی اذان جائز ہوتی ہے جبکہ موسم گرما کے مخصوص ایام یعنی 16 مئی سے لے کر 3 جولائی تک قدرے کمی بیشی کے ساتھ اوسطاً ایک گھنٹہ 35 منٹ ہوتا ہے کہ اِس میں اوقات سے واقف نمازی کے لیے مغرب کی ادائیگی جائز ہوتی ہے اس کے بعد عشاء کی اذان کا وقت داخل ہوتا ہے جس کے مطابق محتاط علماء کرام نے موسم سرما میں مغرب کا کل وقت ایک گھنٹہ 30 منٹ بتایا ہے جو بے علموں کو غلطی سے بچانے کے لیے احتیاط پر محمول ہے ورنہ تفصیل کا دائرہ بہت وسیع ہے اور موسم گرما میں مغرب کا کل وقت ایک گھنٹہ 35 منٹ بتایا ہے یہ بھی احتیاط پر محمول ہے کہ وقت داخل ہونے سے پہلے اذان نہ دی جائے۔

واللہ اعلم بالصواب

حرّرہ العبد الضعیف

پیر محمد چشتی

☆☆☆☆☆

قیاس واستحسان

مسئلہ یہ ہے کہ عوامی مقدمات کے سلسلہ میں ہمیں بسا اوقات اسلامی قوانین کے حوالہ سے قیاس و استحسان کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے خاص کر معاملات کے متعلقہ مقدمات کے اسلامی حل کے لیے فقہ حنفی کی کتاب (ہدایہ) کے مسائل استحسانیہ کا سامنا کرنا ہوتا ہے جبکہ استحسان کا شرعی دلیل کے طور پر قابل تسلیم ہونا صرف حنفی مذہب میں ہے دیگر مسالک اہل سنت اور فقہ جعفریہ میں اس کا اعتبار نہیں ہے اور قیاس چونکہ سب مسالک میں قابل تسلیم حجت ہے لہٰذا اُس کی حقیقت کا بھی سب کو علم ہے لیکن استحسان فقہ حنفی کی کتابوں میں مشہور ہونے کے باوجود اُس کی قابل فہم تعریف واضح نہیں ہے۔

اِس سلسلہ میں ہم نے ملک کے کافی مفتیان کرام وعلماء عظام سے رابطہ کر کے اس کی قابل فہم تعریف سمجھنے کی کوشش کی لیکن تاہنوز کامیابی نہ ہوسکی گزشتہ دنوں آوازِ حق پشاور میں جائیداد کی گروی سے متعلقہ جو تحقیقی فتویٰ شائع ہوا تھا جس میں رھن سے مرتہن کا فائدہ اُٹھانے کے حلال وحرام ہونے سے متعلق اِس دیرینہ مشکل کو آسان انداز میں حل کر کے مسلمانوں کی دعائیں لی گئیں تھیں جسے دیکھ کر ہمیں بھی اپنے اس مشکل کے حل ہونے کی اُمید پیدا ہوئی۔ برائے کرم فقہ حنفی کے مطابق استحسان کی قابل فہم تعریف آوازِ حق میں شائع کرنے کے ساتھ فقہ حنفی میں اُس کے شرعی دلیل ہونے کی وجہ اور دوسرے مسالک میں اُس کے قابل اعتراض ہونے کی وجہ بھی واضح کی جائے۔

اُمیدوارِ جواب...... چوہدری کرم دین ایڈوکیٹ ضلع کچہری فیصل آباد، 13/08/2004

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

فقہی اصطلاح کے مطابق استحسان فقہ حنفی کی بالخصوص اور دیگر مسالک فقہیہ کی بالعموم وہ ضرورت ہے جس پر میرے تجربہ و تجزیہ کے مطابق احکام شرعیہ کے کم از کم 1/4 جزئیات متفرع ہوتے ہیں ویسے

کہنے اور سننے کی حد تک یہی مشہور ہے کہ استحسان صرف امام ابو حنیفہ کی ایجاد ہے دیگر مسالک میں اس کا وجود نہیں ہے اسی غلط شہرت کی بنیاد پر بعض ائمہ مسالک نے اِس کے خلاف بہت کچھ لکھا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ امام ابو حنیفہ کے مطابق استحسان کی اصل حقیقت کو اگر یہ حضرات سمجھ جاتے تو اس کے خلاف منفی پروپیگنڈا کبھی نہ کرتے اِس لیے کہ حضرت امام ابو حنیفہ نے استحسان کے نام سے جس حقیقت کو شرعی دلیل کے طور پر متعارف کرایا ہے اُس سے مفر کسی کو بھی نہیں ہے، وہ سب کی ضرورت ہے اور سب کے نزدیک شرعی دلیل ہے۔

اِس کی حقیقت کو نہ صرف دیوانی مقدمات کی پیروی کرنے والے مسلم وکلا کے لیے بلکہ علماءِ دین اور مذہبی مدرسین وطلباء پر بھی علیٰ وجہ البصیرت آشکارا کرنے کے لیے مناسب سمجھتا ہوں کہ دو حصوں میں بیان کروں۔ اوّل اِجمال جس میں سائل ہٰذا سمیت دیوانی مقدمات کی پیروی کرنے والے جملہ مسلم وکلاء کی رہنمائی ہو۔ دوم **تفصیل** جس میں علماء کرام اور دینی مدارس کے مدرسیّن وطلباء کے لیے سہولت فہم کی سامان رسانی ہو یہ اِس لیے کہ طبقہ وکلاء کا اپنا مخصوص اندازِ فہم ہوتا ہے جو بالعموم علماءِ دین اور مدارس اسلامیہ کے مدرسیّن وطلباء میں نہیں ہوتا اور طبقہ علماء کی اپنی خصوصیت ہے جس کے مطابق فقہ، اُصول فقہ اور حقیقت ومجاز جیسے مصطلح الفاظ اور اُن کے حقائق کو پیش نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے ایسے میں ایک ہی انداز کلام میں دونوں طبقوں کی تشنگی کو دور کرنا کیسے ممکن ہوسکتا ہے۔ تو طبقہ اولیٰ کے لیے مختصر یہ ہے کہ مختلف اشباہ ونظائر اور افراد وجزئیات میں چلنے والے کسی مشہور اسلامی ضابطہ کلیہ کے افراد و جزئیات میں سے کسی ایک پر اُس کے متضاد حکم لاگو کرنے کے لیے پہلے کی علت سے زیادہ قوی الاثر علت والی دلیل کے پائے جانے کی صورت میں پہلی دلیل کو چھوڑ کر دوسری دلیل پر عمل کرنے کا نام استحسان ہے۔ عربی زبان میں اس کا اختصار یوں ہوگا؛

''اَلْاِسْتِحْسَانُ هُوَالْعُدُولُ مِنْ اَضْعَفِ الدَّلِیْلَیْنِ اِلٰی اَقْوَاهُمَا''

یعنی کسی مسئلہ میں دو متضاد احکام کے لیے الگ الگ دلیلوں کا امکان موجود ہو اور اُن میں سے

ایک اپنی علّت کے اعتبار سے ضعیف الاثر ہو جبکہ دوسری اپنی علّت کے اعتبار سے قوی الاثر ہو تو اُس وقت ضعیف الاثر علّت والی دلیل کو چھوڑ کر قوی الاثر علّت والی دلیل پر عمل کرنا استحسان کہلاتا ہے۔

اِس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ پہلی دلیل جو معدول عنہ و متروک قرار پاتی ہے اکثر و بیشتر ایسا واضح ضابطہ اسلامیہ ہوتا ہے جس کی علّت سب پر عیاں اور متبادر الاذہان ہوتی ہے کہ کسی بھی صاحب اجتہاد سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی اُس کے اِس وضوع وظہور کی وجہ سے اُس سے تشکیل پانے والا قیاس یعنی دلیل تفصیلی بھی ظاہر الوجود ہوتی ہے جس کو قیاس جلی کہتے ہیں جبکہ اُس کے مقابلہ میں معدول الیہ و معمول بہ دلیل جس حکم کا مقتضی ہوتی ہے اُسکی علّت قوی الاثر ہونے کے باوجود ظاہر نہیں ہے، متبادر الی الاذھان نہیں ہے اور اتنی واضح نہیں ہے جس کو ہر صاحب اجتہاد باریک نظر کیے بغیر صرف سرسری نظر سے ہی سمجھ سکے۔ اس کے علاوہ استحسان کی موجودگی کے لیے ضروری ہے کہ اُس کی دونوں جانب قیاس ہو ایک قیاس جلی یعنی ظاہر العلّت قیاس دوسرا قیاس خفی یعنی غیر ظاہر العلّت قیاس مطلب یہ کہ جہاں پر اِس طرح کے دو قیاس موجود نہ ہو ہیں پر استحسان کا پایا جانا ممکن نہیں ہوتا کیوں کہ استحسان کی تعریف ہی یہ ہے کہ ''اَلْعُدُولُ مِنْ اَضْعَفِ الدَّلِیْلَیْنِ اِلٰی اَقْوَاھُمَا '' میں ''دَلِیْلَیْن'' سے مراد یہی دو قیاس ہیں اس کے ساتھ استحسان کی اس تعریف میں یہ بات بھی معتبر وضروری ہے کہ استحسان کی موجودگی کے لیے جن دو دلیلوں کی موجودگی ضروری ہے یعنی قیاس جلی و خفی اُن میں سے معدول عنہ و متروک العمل کی علّت کا ضعیف الاثر ہونا ضروری ہے جبکہ معدول الیہ و معمول بہ کی علّت کا قوی الاثر ہونا ضروری ہے ورنہ استحسان کی موجودگی ممکن نہیں ہوگی یہ اِس لیے کہ شریعت مقدسہ کے جس معلوم العلّت حکم کو اُس کی فقہی دلیل وقیاس کے ذریعہ ثابت کیا جاتا ہے اس قیاس کے شرعی دلیل ہونے کا دارومدار حنفی مذہب کے مطابق اُس علّت کے قوی الاثر ہونے پر ہے۔ یعنی جس دلیل وقیاس میں اُس کی علّت جتنا زیادہ قوی الاثر ہوتی ہے اُسی تناسب سے وہ دلیل وقیاس بھی قابل عمل قرار پاتا ہے لہٰذا اس قوی الاثر

علّت والی دلیل وقیاس کے مقابلہ میں۔جس دلیل وقیاس کی علت ضعیف الاثر ہوتی ہے اُس کا متروک العمل وغیر معمول بہ ہونا عین مقتضاء فطرت ہے۔

ایسے میں مذہب حنفی کے مطابق استحسان کی مذکورہ تعریف یعنی ''اَلْعُدُوْلُ مِنْ اَضْعَفِ الدَّلِیْلَیْنِ اِلٰی اَقْوَاھُمَا'' میں ضعیف وقوی دلیلوں میں سے ہر ایک اپنے مفہوم کے اعتبار سے عام ہے کہ قیاس جلی کو بھی شامل ہوسکتا ہے اور قیاس خفی کو بھی یعنی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ قیاس جلی کی علت ضعیف الاثر ہونے کی وجہ سے وہ معدول عنہ ومتروک ہو جبکہ اُس کے مقابلہ میں قیاس خفی کی علت قوی الاثر ہونے کی بناپر وہ معدول الیہ ومعمول بہ ہو جائے بلکہ فی الواقع استحسان کی اکثر وبیشتر صورتیں ایسی ہی ہیں اور اس کے برعکس بھی ہوسکتا ہے کہ قیاس خفی اپنی علت کے ضعیف الاثر ہونے کی بناپر معدول عنہ ومتروک ہو جبکہ اُس کے مقابلہ میں قیاس جلی اپنی علت کے قوی الاثر ہونے کی وجہ سے معدول الیہ ومعمول بہ ہو جائے کیوں کہ کسی بھی قیاس شرعی کے قابل عمل وحجت ہونے کا دارومدار اُس کی علت کے قوی الاثر ہونے پر ہے لیکن استحسان اپنی تعریف ومفہوم کے حوالہ سے اس عموم کے حامل ہونے کے باوجود اس کی قسم اوّل کثیر الوقوع ہے جس کے جزئیات ومصادیق کا شمار ممکن نہیں ہے کیوں کہ وہ لامحدود ہیں جبکہ اس کے مقابلہ میں دوسری قسم کے جزئیات قلیل ہیں بلکہ معدودی چند ہیں از اوّل تا آخر ''ہدایہ'' کو دیکھنے سے اس کی اب تک پائے جانے والی صورتوں میں صرف سات جزئیات کا پتہ چلتا ہے۔اسی وجہ سے اصول فقہ کی بعض کتابوں میں اس کے متعلق ''عَزَّ وُجُوْدُہٗ'' کہا گیا ہے۔یعنی استحسان کی اس قسم کا عملی وجود بہت کم ہے۔حنفی مذہب کے مطابق استحسان کی اس تعریف کی وضاحت کرنے کے بعد انکی مثالیں پیش کر کے مذکورہ تعریف پر منطبق کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

استحسان کی پہلی قسم کی مثال دیوانی مقدمات میں جیسے ایک شخص نے اپنی زرعی زمین کسی خاص مسجد پر وقف کر کے مسجد منتظمہ کو اُس کا قبضہ دیدیا۔اب مسجد منتظمہ اُس موقوفہ زمین کے خارجی حقوق جیسے پانی ،راستہ وغیرہ حقوق کے بھی اِس وقف میں شامل ہونے کا دعویٰ کرتا ہے جبکہ زمین وقف کرنے والا شخص

اِن حقوق کے شامل وقف ہونے سے انکاری ہے کیوں کہ وقف نامہ میں اُس نے اِن چیزوں کا ذِکر نہیں کیا ہے۔عدالتی کاروائی کے حوالہ سے یہاں پر ہر ایک کے پاس دلیل موجود ہے مدعا علیہ کی دلیل قیاس جلی کی شکل میں ہے یعنی اِن حقوق کا شامل وقف نہ ہونے کی علّت ظاہر ہے کہ یہ ارض موقوفہ سے جدا ملکیت ہیں جن کو عقد وقف کرتے وقت اپنی ملکیت سے خارج نہیں کیا ہے۔اِس علّت سے تشکیل پانے والے قیاس جلی کی حقیقت کو مدعا علیہ کا وکیل عدالت کے سامنے اس طرح پیش کرسکتا ہے کہ؛

دفعہ:۔یہ حقوق شامل وقف نہیں ہیں۔

صغریٰ:۔کیوں کہ یہ ارض موقوفہ سے جدا ملکیت ہیں جن کو عقد وقف کرتے وقت اپنی ملکیت سے خارج نہیں کیا گیا ہے۔

کبریٰ:۔ارضِ موقوفہ سے جدا جس ملکیت کو بھی عقد وقف کرتے وقت ملکیت سے جدا نہ کیا گیا ہو وہ شامل وقف نہیں ہوتی۔

حاصل دفعہ:۔لہٰذا یہ حقوق بھی شامل وقف نہیں ہیں۔

مدعی کی دلیل قیاس خفی کی شکل میں ہے یعنی اِن حقوق کا شامل وقف ہونے کی جو علّت ہے وہ خفی ہے یعنی متبادر اِلی الاذھان نہیں ہے۔جس وجہ سے اُس سے تشکیل پانے والے قیاس یا اُس کے کسی مقدمہ کے متبادر الی الاذھان ہونے کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا اُس کی حقیقت عدالت کے سامنے مدعی کا وکیل اس طرح پیش کرسکتا ہے کہ؛

دعویٰ:۔یہ حقوق شامل وقف ہیں۔

صغریٰ:۔کیوں کہ یہ مقصد وقف کے مکمّلات ہیں کہ ارض موقوفہ سے نفع اُٹھانا اِن پر موقوف ہے۔

کبریٰ:۔مقصد وقف کے جملہ مکمّلات کہ جن پر انتفاع بِالارض الموقوفہ موقوف ہو شامل وقف ہوتے ہیں۔

حاصلِ مطلب:۔لہٰذا یہ حقوق بھی شامل وقف ہیں۔

فریقین کے اِن دلائل کی سماعت کے بعد عدالت کے پاس فیصلہ صادر کرنے کے لیے استحسان کے سوا کوئی اور چارہ کار نہیں ہے عام اِس سے کہ یہ فریقین مذہب حنفی کے پیروکار ہوں یا کسی دوسرے فقہی مسلک کے یہی حال عدالت کے جج و قاضی کا بھی ہے کہ چاہے وہ جس مسلک کا بھی پیروکار ہو بہر حال عدل پر مبنی فیصلہ صادر کرنے کے لیے اِن دونوں دلیلوں میں سے جس کی علت کو قوی الاثر سمجھے گا اُسی کے مطابق فیصلہ صادر کرنے کا پابند ہے جو عین استحسان ہے۔ اب اس بات کا جائزہ لینا چاہیے کہ مذکورہ دلیلوں میں سے کس کی علت قوی الاثر ہے اور کس کی کمزور ہے تو بات واضح ہے کہ اِن حقوق کا ارض موقوفہ سے جدا ملکیت ہونا اور وقت العقد اُن کو شاملِ عقد کیے بغیر اُن کا شامل عقد نہ ہونا سب پر ظاہر ہے اور عقدِ بیع، عقدِ ہبہ، عقدِ صدقہ اور عقدِ مہر جیسے متعدد مقامات پر اِس کے اثرات ظاہر و مسلّم ہونے کے باوجود یہ ضعیف الاثر ہے کیوں کہ اِس کے مطابق مقصد وقف ہی فوت ہو جاتا ہے جبکہ اِس کے مقابلہ میں دوسری دلیل کے اثر کا ظہور کمزور ہو جانے کے باوجود وہ قوی الاثر ہے۔ ظہور میں کمزور اِس لیے ہے کہ وقف سے نفع اُٹھانے کے لیے اِن موقوف علیہ چیزوں کا عقدِ وقف میں شامل ہونے کا اثر اس کے علاوہ صرف عقد اِجارہ میں پایا جاتا ہے کہ نفع اُٹھانے کے لیے یہ تمام موقوف علیہ چیزیں اپنے آپ ہی عقد اجارہ میں شامل ہوتی ہیں۔ اس کے سوا کسی اور جگہ میں اس علت کا ظہور نہیں ہے لہٰذا دلیل اوّل کی علت کے مقابلہ میں اِس کا ظہور کمزور ہوا لیکن ظہور میں اِس کمزوری کے باوجود یہ قوی الاثر ہے کہ اِس کے مطابق مقصد وقف کی تکمیل ہوتی ہے گویا اِن چیزوں کا عقدِ وقف میں شامل ہونا مقصدِ وقف کی ناگزیر ضروریات میں سے ہے جس کے بغیر زرعی زمین وقف کرنے کا کوئی مقصد ہی نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ ہر شے کی ناگزیر ضروریات اُس کی اضافی حاجات سے مقدّم ہوتی ہیں جیسے حاجات محسّنات سے مقدم ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر سر چھپانے کے لیے کسی آبادی و پناہ گاہ کا ہونا انسان کی بنیادی ضروریات میں ہے جو مسکن کے حوالہ سے سب سے مقدم ہے اِس کے بعد مناسب دروازے وکھڑکیاں وغیرہ کا ہونا حاجات کے درجہ میں ہے جو ضروریات کے مقابلہ میں ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔

بعدازاں رنگ روغن وتزئین وغیرہ کا ہونا تحسینات کے درجہ میں ہے جو حاجات کے مقابلہ میں ثانوی حیثیت کی ضرورت ہے۔ احکام شرعیہ میں بھی بندوں کے اِن مصالح کا اسی ترتیب سے لحاظ رکھا گیا ہے استحسان کے حوالہ سے بھی کسی قیاس کی علت کا قوی الاثر یا ضعیف الاثر ہونے میں بشمول جلب منفعت ودفع مضرت اِن تمام مصالح کا بالترتیب لحاظ رکھنا ناگزیر ہوتا ہے۔

دوسری مثال:۔ جیسے ایک شخص نے اپنی دوکان کسی کو کرایہ پر دے رکھی تھی اب اُس نے اس میں سقاوہ بنا کر نہانے والوں سے کرایہ وصول کرنے لگا تو مالک نے اُس کے خلاف دیوانی کر دی۔ عدالت میں مدعی ومدعا علیہ دونوں کے پاس دلیلیں موجود ہیں۔

مدعی کی دلیل یہ ہے کہ میں اپنی جائیداد میں ناجائز کام کرنے کی اجازت دینا نہیں چاہتا سقاوہ کا یہ کاروبار ناجائز ہے۔

صغریٰ:۔ کیوں کہ اس میں صرف کیا جانے والا پانی اور وقت کی مقدار نا معلوم ہیں۔

کبریٰ:۔ وقت ومصرف جس اجارہ میں بھی نا معلوم ہو وہ ناجائز ہوتا ہے۔

لہٰذا سقاوہ کا یہ کاروبار بھی ناجائز ہے۔ اِس لیے عدالت کو چاہئے کہ اُس سے دوکان کا قبضہ لے کر میرے حوالہ کرے۔

مدعی کا یہ استدلال قیاس جلی ہے جس کی علت سقاوہ کے کاروبار میں پانی اور وقت کی مقدار کا نا معلوم ہونا ہے جو سب پر ظاہر ہے۔ ہر صاحب بصیرت کا ذہن اِس کی طرف متوجہ ہوتا ہے جس وجہ سے اس سے تشکیل پانے والا قیاس بھی متبادر الی الاذہان ہونے کی بنا پر قیاس جلی کہلاتا ہے جبکہ اس کے مقابلہ میں مدعا علیہ کا دفاعی جواب بھی درست قیاس ہے وہ یہ کہہ سکتا ہے۔

دفعہ:۔ سقاوہ کا یہ کاروبار ناجائز نہیں ہے۔

صغریٰ:۔ کیوں کہ یہ مقتضیٰ ضرورت ہے۔

کبریٰ:۔ کوئی بھی مقتضیٰ ضرورت ہو وہ ناجائز نہیں ہوتا۔

حاصلِ دفعہ:۔ لہٰذا سقادہ کا یہ کاروبار بھی ناجائز نہیں ہے۔

مدعا علیہ کا یہ دفاعی استدلال قیاس خفی ہے کیوں کہ اس کی علت یعنی سقادہ کے کاروبار کا لوگوں کے حق میں مقتضیٔ ضرورت ہونا اتنا واضح اور متبادر الی الاذھان نہیں ہے جتنی استدلال مدعی کی علت تھی اسی خفا کی بناپر اس سے تشکیل پانے والا قیاس بھی متبادر الی الاذھان نہ ہوسکا تو قیاس خفی کہلایا۔

فریقین کا استدلال سننے کے بعد عدالت کے پاس فیصلہ صادر کرنے کے لیے یہاں پر بھی ایک ہی راستہ ہے وہ یہ کہ جس کے استدلال میں علت کا اثر قوی ہوگا فیصلہ اُسی کے حق میں ہوگا تو ظاہر ہے کہ مقتضیٔ ضرورت مکمِّل ضروریات ہونے کی بناپر اُس کا اثر وقت اور پانی کی مقدار نا معلوم ہونے کے اثر سے زیادہ قوی ہے کیوں کہ سقادہ کے اس کاروبار کے جواز کو وقت اور پانی کی مقدار معلوم ہونے پر موقوف کرنے میں نہانے کے محتاجوں پر حرج ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر حرج نہیں چاہتا جس وجہ سے احکام شرعیہ کی بنیاد بھی بندوں کی سہولت وآسانی پر رکھی گئی ہے اس کے مقابلہ میں مقتضیٔ ضرورت کو دلیل جواز بنانے میں بندوں پر آسانی وسہولت ہے جو عین مزاج اسلام وموافق شرع ہے۔

تیسری مثال:۔ جیسے ایک زمیندار شخص کی گندم کی فصل تیار ہونے میں کچھ عرصہ مثلاً ایک ماہ کی دیر ہے اور گھریلو ضروریات کے لیے نقدی روپیہ کی ضرورت ہے تو دوسرے شخص کے پاس جا کر اُسے کہا کہ مجھے روپیہ دیدو جس کے بدلہ میں ایک ماہ بعد میں تجھے گندم لاکر دونگا چنانچہ سودا قرار پایا وہ شخص نقدی روپیہ لے کر چلا گیا دو چار دن بعد روپیہ پیشگی دے کر میعادی گندم خریدنے والے شخص نے خطیب مسجد سے سُنا کہ جو چیز ایک انسان کے پاس بالفعل موجود نہیں ہوتی اُسکا سودا کرنا ناجائز ہے اور ایسا کرنیوالے فریقین گناہ گار ہوتے ہیں تو گندم کے پیشگی سودا کرنیوالے اس شخص نے جا کر گندم والے فریق کو شریعت کا مسئلہ بتا کر اپنے آپ کو بھی اور اُسے بھی اس گناہ سے بچانے کے لیے اس سودا کو منسوخ کرنیکی استدعا کی لیکن اُس نے نہ مانا مجبور ہوکر روپیہ پیشگی دینے والے فریق نے عدالت جا کر دیوانی کی۔

اب عدالت کے سامنے فریقین کے وکیل اپنے اپنے موکلوں کے حق میں جو شرعی دلیلیں بیان کریں گے

اُس کا نقشہ اس طرح ہے؛

وکیل مدعی کا ادعائی موقف:۔ یہ معاملہ نا جائز ہے جس کا ارتکاب لاعلمی میں کیا گیا تھا لہٰذا اُسے منسوخ قرار دے کر ہمارا پیسہ ہمیں واپس دلایا جائے۔

تفصیلی دلیل

صغریٰ:۔ کیوں کہ اس میں روپیہ کا عوض موجود نہیں تھا۔

کبریٰ:۔ روپیہ کا عوض جہاں پر بھی موجود نہ ہو وہ نا جائز ہوتا ہے جیسے بیع صرف وغیرہ میں۔

حاصلِ نتیجہ:۔ لہٰذا یہ معاملہ بھی نا جائز ہے جس کا ارتکاب لاعلمی میں کیا گیا ہے تو اسے **منسوخ قرار دے** کر ہمارا روپیہ ہمیں واپس دلایا جائے۔

مدعا علیہ کے وکیل کا دفاعی موقف:۔ یہ معاملہ جائز ہے جسے منسوخ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لہٰذا اس کیس کو خارج کیا جائے۔

صغریٰ:۔ کیوں کہ یہ مقتضیٰ ضرورت ہے اور اس پر خصوصی نص بھی موجود ہے۔

کبریٰ:۔ ہر مقتضیٰ ضرورت جائز ہوتا ہے بالخصوص جب اُس پر نص بھی موجود ہو تو وہ بدرجہ اولیٰ جائز ہوتا ہے۔

حاصلِ نتیجہ:۔ لہٰذا یہ معاملہ بھی جائز ہے مہربانی کر کے عدالت اسے خارج کر دے۔

معاملات کے مختلف انواع میں استحسان کی ان تینوں مثالوں کو اُس کی حقیقت و مفہوم کی روشنی میں سمجھ جانے کے بعد دیوانی مقدمات کی پیروی کرنے والے ہر مسلم وکیل سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ ہر جگہ پیش آنے والے استحسان کو شرعی دلیل سمجھ کر پیش کر کے عدالت کو تسلی کرا سکتا ہے اور مسلمان ججوں پر تو اس کا سمجھنا فرض عین کے درجہ میں ہے یہ اس لیے کہ جیسے کتاب وسنت کے احکام سے نا آشنا جج و قاضی اس منصب کے اہل نہیں ہو سکتے اسی طرح استحسان کی حقیقت سے نا آشنا شخص بھی وکالت کے اس منصب کا اہل نہیں ہے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جو شخص فریقین کا موقف و دلائل سننے کے بعد ترجیح احد

الدلیلین کے شرعی معیار کو سمجھنے سے قاصر ہو اُس کی عدالت سے حقدار کو حق ملنے یا مظلوم کو ظلم سے بچانے کی کیا توقع کی جاسکتی ہے۔

ان مثالوں کی روشنی میں استحسان کی حقیقت تک رسائی پانے والے حضرات پر مندرجہ ذیل باتیں واضح ہو جاتی ہیں۔

پہلی بات:۔ فقہ حنفی کی کتابوں میں جس استحسان کو بطور شرعی دلیل بیان کیا گیا ہے وہ قیاس ہی کی ایک قسم ہے۔ جس میں قیاس کے شرعی دلیل ہونے کا معیار بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔

دوسری بات:۔ قیاس کی یہ قسم یعنی استحسان اپنی حقیقت کے اعتبار سے سب کی ضرورت ہے، سب کے نزدیک قابل عمل ہے اور سب کی نگاہ میں قابل تحسین ہے۔

تیسری بات:۔ جن حضرات سے اس کی تقبیح و تشنیع ثابت ہے یہ سب کچھ حضرت امام ابوحنیفہ سے منقول استحسان کی اصل حقیقت تک اُن کی نارسائی پر مبنی ہے کیوں کہ حضرت امام نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْفَ کی قیمتی عمر کا اکثر حصّہ اپنے وقت کے شرابی خلفاء کی طرف سے سیاسی رشوت کے طور پر پیش کیے جانے والے عہدہ قاضی القضاۃ کو قبول نہ کرنے کی سزا میں نذر زندان رہا ہے جس وجہ سے اپنے اجتہادی جواہر پاروں کی تشریح پیش کرنے کا اُنہیں موقع ہی نہ ملا۔ اُن کے ہم عصر شاگردوں یا بعد کے اہل استفادہ نے اپنے طور پر ان کی جو تعبیرات و تشریحات پیش کی ہیں اُن میں کچھ تو متضاد ہے یا عصری اصطلاح و عرفی زبان کی پیداوار ہونے کی وجہ سے بعد والوں کے لیے قابل اطمینان نہیں ہیں۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ کے اجتہادیات کے حوالہ سے اطمینان بخش تشریح کے ساتھ تواتراً یا شہرۃً جتنا جو کچھ فقہ حنفی کے نام سے ہم تک پہنچا ہے وہ حضرت امام ابو یوسف و محمد جیسے جید عظماء اسلام کی مرھون منت ہے کہ اُنہوں نے مخصوص حالات میں تقیہ کی رخصت پر عمل کرتے ہوئے خلفاء وقت کے قریب رہ کر اپنے اُستاذ محترم کے اجتہادیات کو اپنی تشریحات کے ساتھ ضبطِ تحریر میں لاکر آئندہ نسلوں کو منتقل کیا ورنہ یہ حضرات بھی اگر تقیہ کی رخصت پر عمل کرنے کی بجائے اپنے شیخ کی طرح ہی عزیمت کے راہی

ہوتے تو کوئی یقین کرے یا نہ کرے مجھے سو فیصد یقین ہے کہ فقہ حنفی نام کی کوئی چیز آج دُنیا میں موجود نہ ہوتی۔(فَجزَاھُمُ اللّٰہُ خَیرَ الْجزَآءَ)

تفصیلی جواب:۔ طبقۂ وکلاء کی حد ضرورت تک اس اجمالی جواب کے بعد علماء کرام کی خدمت میں تفصیلی جواب پیش کرنے سے پہلے زیر نظر مسئلہ کے متعلق مندرجہ ذیل تمہیدات کو سمجھنا ضروری ہے۔

پہلی تمہید:۔ استحسان اپنے فقہی مفہوم کے اعتبار سے چار مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے اوّل عِلل باعثہ لِلاِستحسان یعنی وہ امور جن کی موجودگی استحسان پر عمل کرنے کے لیے باعث ہوتی ہے فقہاء احناف کی نگاہ میں اِن کی کل تعداد چار ہیں' نص، اجماع، ضرورت، اور قیاس خفی۔ احناف کے علاوہ دوسرے فقہائے کرام کی نگاہ میں اِن کے سوا اور چیزیں بھی استحسان کے باعث ہو سکتی ہیں مثلاً عرف اور مصالح مُرسلہ کو بھی فقہ حنبلی و مالکی میں استحسان کے بواعث و اسباب میں شمار گیا ہے جبکہ فقہاء احناف اُن سب کو ضرورت یا اجماع کے تحت مندرج سمجھنے کی بنا پر عِلل باعثہ لِلاِستحسان کو ان چاروں میں منحصر سمجھ کر اُنہیں بالترتیب استحسان کے نام سے یاد کرتے ہیں یعنی استحسان بالاثر، استحسان بالاجماع، استحسان بالضرورت اور استحسان بالقیاس الخفی اِن سب کی جدا جدا مثالیں آگے بیان کی جائے گی۔(انشاء اللہ تعالیٰ) اِن چاروں بواعث و اسباب پر استحسان کا عام اطلاق ہوتا ہے اس اعتبار سے یہ چاروں مل کر باقی دونوں معنوں کے مقابلہ میں ایک ہیں۔

دوسری تمہید:۔ استحسان فی کلام الفقہاء ہے جس سے مراد قیاس جلی کے مقابلہ میں آمدہ نص واثر یا اجماع وضرورت ہوتی ہے۔ یہ معنی فقہاء احناف کی کتابوں میں زیادہ پایا جاتا ہے جس کو تلویح وتوضیح میں فقہاء کی خاص اصطلاح قرار دیا ہے۔ ہدایہ میں جہاں جہاں استحسان کا ذکر آیا ہے اُن میں غالب اکثریت اسی معنی کی ہے۔

تیسری تمہید:۔ استحسان فی کلام علماء الاصول یعنی اصول فقہ کی اصطلاح میں استحسان سے مراد قیاس جلی کے مقابلہ میں آیا ہوا قیاس خفی ہوتی ہے۔ گویا استحسان کے معنی دوم وسوم کا یہ فرق صرف

اصطلاح و استعمال کی حد تک ہے جسکی تمیز سے غفلت کی بنا پر کتب فقہ و اصول فقہ کا قاری اضطراب میں مبتلا ہو سکتا ہے حالانکہ اصل اور معنون میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

چوتھی تمہید:۔ مذکورہ دونوں سے متضاد ہے یعنی ''اَلْاِسْتِحْسَانُ هُوَ الْعُدُوْلُ مِنْ اَضْعَفِ الْقِيَاسَيْنِ اِلٰى اَقْوَاهُمَا عِلَّةً'' یعنی استحسان کا معنی یہ ہے کہ ضعیف الاثر قیاس کو چھوڑ کر اُس کے مقابلہ میں قوی الاثر قیاس پر عمل کرنا۔

پانچویں تمہید:۔ کسی بھی قیاس کے شرعی دلیل ہونے کا معیار حنفی مذہب کے مطابق جملہ شرائط صحت پر مشتمل ہونے کے ساتھ اُس کی علت کے قوی الاثر ہونا ہے یعنی جس قیاس کی علت جتنی زیادہ قوی الاثر ہوگی اُسی تناسب سے وہ قابل حجت ہوگا یعنی اُس پر عمل کرنا واجب ہوگا اور اُس کے مقابلہ میں ضعیف الاثر علت والے قیاس پر عمل کرنا جائز نہیں ہوگا۔

چھٹی تمہید:۔ قوی الاثر علت والے قیاس اکثر و بیشتر قیاس خفی ہوتا ہے کتب فقہ میں زیادہ مثالیں اسی کی ہیں خاص کر ہدایہ کے تو 99 فیصد مسائل اسی قبیل سے ہیں جبکہ قیاس جلی کی علت کا قوی الاثر ہونا شاذ و نادر ہے اُس کی مثالیں بھی معدودی چند کے سوا اور نہیں پائی جاتی۔

ساتویں تمہید:۔ کسی قیاس کی علت کا قوی الاثر یا ضعیف الاثر ہونے کا تعلق اُس کے شرعی حکم کے متعلقہ مصالح سے ہوتا ہے مثلاً دفع مضرت، جلب منفعت، ضروریات، حاجات اور مُحسِّنات کی ترتیب حصول جیسے قرآن وسنت اور اجماع سے ثابت ہونے والے احکام میں ملحوظ ہوتی ہیں ویسے ہی قیاس سے ثابت یا ظاہر ہونے والے احکام میں بھی اِن کی ترتیب کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ تمہید کے اِس حصہ پر کافی روشنی اجمالی جواب سے بھی ظاہر ہو چکی ہے اِس لیے اِس کی مثالی وضاحت کے لیے گزشتہ صفحات کو یہاں پر مستحضر فی الذہن کیا جائے تا کہ آگے بیان ہونے والے مقصودی کلام کو سمجھنے میں مشکل نہ ہو۔

آٹھویں تمہید:۔ قیاس جلی اصول فقہ کی اصطلاح میں اُسی قیاس کو کہتے ہیں جسے منطق میں قیاس

مضمر یا قیاس ضمیر کہتے ہیں۔ یعنی محذوف الکبریٰ یا محذوف الصغریٰ قیاس۔ یہ اِس لیے کہ جس قیاس کی علّت ظاہر اور متبادر الی الاذھان ہو تو اُس کے ظہور کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ وہ اِحدیٰ المُقدمتین کی شکل میں متحضر فی الذہن ہوتا ہے اور قیاس خفی سے بھی وہی منطقی قیاس خفی مراد ہے جس کی علّت غیر متبادر اِلی الاذھان ہونے کی بنا پر اُس کا کوئی بھی مقدمہ ہر صاحب بصیرت کے ذہن میں متحضر نہیں ہوتا بلکہ اعلیٰ درجہ کی بصیرت والے اشخاص غور و فکر کی کلفت برداشت کرنے کے بعد اُس کا ادراک کر سکتے ہیں اِس آسان سی بات کو سمجھے بغیر نہ کوئی شخص شرعی قیاس کے مفہوم تک پہنچ سکتا ہے نہ استحسان کی حقیقت کو پا سکتا ہے۔

نویں تمہید:۔ استحسان کے متعلق یہ تصور کرنا کہ وہ قرآن و سنت یا اجماع جیسی کسی شرعی دلیل کے مقابلہ میں ہے یا کسی مافوق شرعی دلیل پر اسے ترجیح دیجاتی ہے تو یہ تصور سُوءِ فہم یا بدگمانی سے خالی نہیں ہے جو قابل اصلاح غلطی ہے۔ حضرت امام بخاری رَحْمَةُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کے امام ابوحنیفہ پر استحسان کے حوالہ سے کیے گئے بعض اعتراضات کی بنیاد بھی یہی کچھ تھی جبکہ حقیقت یہ ہے کہ استحسان ہو یا قیاس، شرعی دلیل کے طور پر ہر اُس جگہ اُسے قبول کیا جاتا ہے جہاں پر قرآن و سنت اور اجماع میں سے بالترتیب کوئی دلیل موجود نہ ہو ورنہ اِس سے مافوق کسی بھی دلیل کی موجودگی میں قیاس و استحسان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیوں کہ مافوق کسی بھی دلیل کی موجودگی میں اُسے چھوڑ کر کمزور دلیل پر عمل کرنا بالیقین ناجائز ہے چہ جائیکہ قرآن و حدیث یا اجماع جیسی غیر متنازعہ دلیل کے مقابلہ میں قیاس و استحسان جیسی ظنی دلیل کو ترجیح دینا جائز ہو سکے۔ لہٰذا ہر معلم و متعلم اور ہر فقیہ و مفتی کو یہ بات ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ جس استحسان کو بطورِ شرعی دلیل قبول کیا جاتا ہے یا بالفاظ دیگر جس جگہ بھی استحسان کو کسی شرعی حکم کے ثبوت و اظہار کے لیے دلیل سمجھا جاتا ہے اور اُس کے مقابلہ میں ضعیف الاثر علّت والے قیاس کو ترک کیا جاتا ہے وہ وہی استحسان ہے جسے استحسان بالقیاس الخفی کہا جاتا ہے۔ اس کا محل و مصرف فقہاءِ احناف کے مطابق ہر وہ جگہ ہے جہاں

پر کتاب وسنت اور اجماع میں سے کوئی دلیل موجود نہ ہو اور قیاس کے اعتبار سے دو متضاد علتیں پائی جاتی ہوں جن میں سے ایک ضعیف الاثر اور دوسری قوی الاثر ہو تو ضعیف الاثر سے تشکیل پانے والے قیاس کو استحسان بالقیاس الخفی کہا جاتا ہے یہی مُثبِت حکم ہے اسی سے شرعی حکم کا اُس غیر منصوص علیہ مسئلہ میں ظہور ہوتا ہے اور یہی قابل عمل شرعی دلیل ہے۔ اِسی سے ثابت ہونے والا حکم دیگر مسائل کی طرف بھی متعدی ہوتا ہے یعنی اِس کے سوا بھی جس جس مسئلہ میں یہ علت پائی جاتی ہواُن سب کو اِسی کے اشباہ ونظائر قرار دے کر اس پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ بخلاف استحسان بالنص، استحسان بالاجماع اور استحسان بالضرورت کے کہ وہیں پر ایسا نہیں ہوتا کیوں کہ اِن تینوں میں جو استحسان ہے وہ اپنے مقصد، نوعیت اور خصوصیت کے اعتبار سے استحسان بالقیاس الخفی سے یکسر سے جدا ہے۔ اس جدائی واختلاف کی تفصیل اس طرح ہے کہ اِن تینوں میں استحسان سے مقصد شرعی حکم کا ثبوت وظہور نہیں ہوتا بلکہ اس سے مقصد متعلقہ نص یا اجماع سے ثابت ہونے والے حکم کی معقولیت ظاہر کرنا ہوتا ہے کہ متروک قیاس کے عمومی حکم کے برعکس ہونے کے باوجود یہ من کل الوجوہ خلاف القیاس وغیر معقول نہیں ہے بلکہ بنظر غائر دیکھنے سے اس کی معقولیت متروک قیاس کی معقولیت سے بھی زیادہ ہے کیوں کہ اس کی علت قوی الاثر ہے۔ نیز یہ کہ اِن تینوں استحسانات میں شرعی حکم کا ثبوت وظہور نص یا اجماع سے ہورہا ہے استحسان سے نہیں۔ جبکہ استحسان بالقیاس الخفی میں دو متضاد قیاسین کے سوا اور کوئی شرعی دلیل موجود ہی نہیں ہوتی جس وجہ سے یہی استحسان مُثبِت اور مُظہِر حکم ہے اِن دونوں کا مقصد ایک دوسرے سے جدا ہونے کے علاوہ یہ بھی ہے کہ استحسانات ثلاثہ میں نص یا اجماع سے ثابت ہونے والا حکم چونکہ عمومی اور ظاہری قیاس کے خلاف ہے جس وجہ سے وہ متعدی نہیں ہوسکتا جبکہ استحسان بالقیاس الخفی میں متضاد قیاسین کے سوا کوئی اور دلیل موجود نہیں ہوتی جس وجہ سے ضعیف الاثر علت والے قیاس کے مقابلہ میں قوی الاثر علت والے قیاس کے اس حکم کو خلاف القیاس نہیں کہا جاسکتا جب وہ خلاف القیاس نہیں ہے تو پھر

استحسانات ثلاثہ کی طرح اپنے موارد میں منحصر بھی نہیں رہ سکتا بلکہ اپنی اس قوی الاثر علت کے مطابق آگے دوسرے اشباہ و نظائر کی طرف اُس کا متعدی ہونا ضروری ہے کیوں کہ ہر مثبت و مظہر الحکم قیاس کو فقہ حنفی میں تعدیہ لازم ہے "لِاَنَّ الْقِيَاسَ الْمُثْبِتَ وَالتَّعْدِيَةَ مُتَسَاوِيَانِ فِي الْمِصْدَاقِ عِنْدَ الْاَحْنَافِ"

دسویں تمہید:۔ استحسان بالضرورت اجماع کے حکم میں ہے کیوں کہ بندوں کے مصالح جو احکام شرعیہ فرعیہ میں شارع کے پیش نظر ہوتے ہیں اُن میں ضروریات سب سے مقدم ہونے پر اجماع ہے۔

گیارہویں تمہید:۔ اِس مسئلہ کے اجمالی جواب جو پہلے ہم بیان کر چکے ہیں اُس کے خلاصہ کو اِن مبادیات میں شامل کر کے تمہیدات کا ایک حصہ تصور کیا جائے اِن سب کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے بعد درس نظامی کے مدارس میں اصول فقہ کی کتابوں مثلاً حسامی، مسلم الثبوت اور تلویح و توضیح میں بحث استحسان کے پڑھنے اور پڑھانے والے حضرات کی شرح صدر کے لیے مختلف شعبہ ہائے حیات میں استحسان کی مثالوں کا ذکر کرنا ہی کافی ہوگا پھر بھی ہر مثال کو تفصیلی دلیل کی شکل میں واضح کرنا ضروری ہے ورنہ اِن سب تمہیدات کو سمجھنے کے باوجود بھی شرح صدر کا حصول ممکن نہیں ہوسکتا کیوں کہ استحسان چاہے شرعی دلیل سے ثابت ہونے والے حکم کی معقولیت او رأس کی علت کے قوی الاثر بتانے کے لیے ہو جیسے استحسانات ثلاثہ میں ہوتا ہے یا حکم کو ثابت و ظاہر کرنے کے لیے ہو جیسے استحسان بالقیاس الخفی میں ہوتا ہے بہر حال ہوتا قیاس خفی ہی ہے یعنی جس علت سے وہ تشکیل پاتا ہے وہ اپنی پوشیدگی کی وجہ سے متبادر اِلی الاذھان نہیں ہوتی جسے سرسری نظر سے سمجھا جاسکے اور رأس سے مل کر بننے والے مقدمات یا اُن کا کوئی ایک حصہ بھی متبادر اِلی الذھن نہیں ہوتا اور قیاس چاہے جلی ہو یا خفی بہر حال تفصیلی دلیل ہی کہلاتا ہے جسے دلیل فقہی بھی کہتے ہیں جیسے علم فقہ کی تعریف "هُوَ الْعِلْمُ بِالْاَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ عَنْ اَدِلَّتِهَا

"التفصیلیہ" سے معلوم ہورہا ہے۔ایسے میں تفصیلی دلیل کی شکل میں استحسان کی وضاحتوں کو سمجھے بغیر اُس کی مثالوں کو علی وجہ البصیرت سمجھنا اور مثالوں کو اُن کے اُصولوں پر منطبق کرنا کیسے ممکن ہوسکتا ہے؟

دراصل یہ وہ نکتہ ہے جس سے بے التفاتی کی بنا پر اُصول فقہ کا یہ مسئلہ نا قابل فہم مشہور ہوا ہے۔ جس کے نتیجہ میں ہدایہ وغیرہ کتب فتاویٰ میں قیاس جلی وخفی کا جہاں جہاں مقابلہ بتایا گیا ہے اور مسائل استحسانیہ پر فتویٰ دیا گیا ہے اُن تمام مقامات پر اُن مسائل کی حقیقت تک رسائی سے عاجز رہنے کے ساتھ اُصول فقہ کی درسی کتابوں میں استحسان کی بحث کو دردِ سر سمجھا جاتا ہے جس کا واحد نکتہ بشمول مذکورہ تمہیدات کے یہی ہے جو میں نے پیش کر دیا۔ (فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ اَوَّلاً وَّ آخِرًا ظَاھِرًا وَّ بَاطِنًا)

اب یہاں سے انسانی زندگی کے مختلف شعبہائے حیات میں استحسان کی مختلف مثالوں کو تفصیلی دلیلوں کی شکل میں پیش کر کے قارئین کی دعائیں لینے کی کوشش کروں گا۔ (فَاَقُوْلُ بِتَوْفِیْقِہٖ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی)

استحسان بالقیاس الخفی کی مثال احکام وضعیہ میں جیسے ایک آدمی نے وضو بنانے کے لیے برتن میں پانی رکھ کر کسی کام میں مشغول ہوا تھوڑی دیر بعد دیکھا کہ اُس کے ہمسایہ کے باز نے اُسے منہ لگا کر پیا۔ اب اُسے اس پانی کے پاک یا نجس ہونے میں تردّد ہوا تو علماء کرام سے پوچھا جس پر بعض نے اُسے سباع البہائم پر قیاس کر کے نجس ہونے کا فتویٰ دیا کہ اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے جبکہ بعض نے اُسے پاک ہونے کا فتویٰ دیا کہ اُس کے ساتھ وضوء کرنا جائز ہے۔

اب یہاں پر واقعہ ایک ہے جس کے کسی ایک پہلو کی تعیین پر بھی قرآن وسنت اور اجماع میں سے کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ ایسے میں مفتیان کرام کے پاس اس کے اشباہ ونظائر کو دیکھ کر اُن پر قیاس کرنے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ تو جنہوں نے اسے درندوں کے جوٹے پر قیاس کیا ہے اُن کا یہ قیاس قیاس جلی ہے کیوں کہ یہ جس علت سے تشکیل پارہا ہے وہ متبادر الی الاذھان اور سب کو معلوم ہے جو مخلوط باللعاب المتولد من اللحم النجس ہے۔ اس قیاس کی تفصیلی شکل اس طرح ہے۔

شرعی فتویٰ قبل الدلیل:۔ یہ پانی نجس ہے۔جس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے۔

صغریٰ:۔ کیوں کہ یہ مخلوط باللعاب المتولّد مِنَ اللحم النجس ہے۔بھیڑیا کے جوٹے کی طرح۔

کبریٰ:۔کوئی بھی پانی مخلوط باللعاب المتولّد مِنَ اللحم النجس ہو۔بھیڑیا کے جوٹے کی طرح وہ نجس ہوتا ہے۔جس سے وضوء کرنا جائز نہیں ہے۔

شرعی حکم بعد الدلیل:۔لہٰذا یہ پانی بھی نجس ہے۔جس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے۔

جن مفتیان کرام نے قیاس جلی کی مذکورہ علّت سے اختلاف کرتے ہوئے اسے پاک وقابل وضوء ہونے کا فتویٰ دیا ہے اُن کا یہ قیاس قیاس خفی ہے کیوں کہ جس علت سے یہ تشکیل پا رہا ہے وہ متبادر الی الاذھان نہیں ہے جسے ہر مفتی بآسانی سمجھ سکے وہ ہے لعاب متولّد من اللحم النجس سے محفوظ ہونا۔

اس قیاس کی فقہی تفصیل اس طرح ہو گی۔

شرعی حکم قبل الدلیل:۔ یہ پانی طاہر وقابل وضوء ہے۔

صغریٰ:۔ کیوں کہ یہ محفوظ عن الاختلاط باللعاب المتولد من اللحم النجس ہے۔

کبریٰ:۔ ہر محفوظ عن الاختلاط باللعاب المتولد من اللحم النجس پانی طاہر وقابلِ وضو ہوتا ہے۔(بشرطیکہ کسی اور وجہ سے نجس نہ ہوا ہو)

شرعی حکم بعد الدلیل:۔لہٰذا یہ بھی طاہر وقابل وضو ہے۔

اِن دونوں متضاد قیاسوں میں سے اول یعنی قیاس جلی کی علّت سب کو معلوم اور متبادر الی الاذھان ہونے کی وجہ سے اُس سے ترکیب پانے والے دونوں مقدمے یعنی صغریٰ وکبریٰ بھی بدیہی ہیں کیوں کہ ہر ذی شعور انسان باز کے گوشت کو نجس سمجھتا ہے، اُس سے پیدا ہونے والے لعاب دھن کو بھی نجس سمجھتا ہے اور جس چیز کیساتھ یہ لگ جائے اُسے بھی نجس وناپاک ہونے پر یقین رکھتا ہے ایسے میں مذکورہ مقدّمتین یعنی ''لِاَنَّہ المَخلُوطُ بِاللُّعَابِ المُتوَلّدِ مِنَ اللَّحمِ النَّجسِ '' کی سمجھ کسی خارجی دلیل پر موقوف نہیں رہتی یہی حال دوسرے مقدّمہ کا بھی ہے یعنی ہر پانی جو مخلوط باللعاب المتولّد من اللحم النجس ہو نجس

ہوتا ہے بھی بدیہیہ العلم ہے۔لیکن دوسرے قیاس یعنی قیاس خفی کی مذکورہ مثال پر آپ نے غور کیا ہوگا وہ ایسا نہیں ہے کیوں کہ اُس کی علّت یعنی ''لُعَاب الـمُتولّدمِنَ اللَّحمِ النَّجسِ '' سے محفوظ ہونا غیر متبادرالی الاذھان ہونے کی وجہ سے اُس کا صغریٰ بھی نظری ہوا یعنی ''لِاَنَّـهٗ مَحفُوظٌ عَنِ الْاِختِلَاطِ بِاللُّعَابِ الْمُتَوَلّدِ مِنَ اللَّحمِ النَجس '' کے اندر ''اِختِلَاط بِـاللُّعَابِ الْمُتَوَلّد مِنَ اللَّحمِ النَّجس '' سے محفوظ ہونے کا حکم باز کے اس جھوٹا پانی کے لیے ثابت کرنا بجائے خود محتاج دلیل ہے۔ جس کی تفصیل اس طرح ہے؛

صغریٰ:۔لِاَنَّـهٗ مَمسُوحٌ بِمِنقَارِ الْبَازِ الشَّارِبِ بِمِنقَارِهِ الْجَافِ وَغَيرُ الْمَخلُوطِ بِاللُّعَابِ الْمُتَوَلّدِ مِنَ اللَّحمِ النَجسِ۔

کبریٰ:۔وَكُلُّ مَمسُوحِ الْمِنقَارِ الْجَافِ وَغَيرُ الْمَخلُوطِ بِاللُّعَابِ الْمُتَوَلّدِمِنَ اللَّحمِ النَّجسِ مَحفُوظٌ عَنِ الْاِختِلَاطِ بِاللُّعَابِ الْمُتَوَلّدِمِنَ اللَّحمِ النَّجسِ۔

حاصل علم بالصغریٰ النظری بعد الاستدلال:۔فَهٰذَا الْمَآءُ مَحفُوظٌ عَنِ الْاِختِلَاطِ بِاللُّعَابِ الْمُتَوَلّدِ مِنَ اللَّحمِ النَّجسِ۔

قیاس خفی کی غیر متبادرالی الاذہان علّت کو بذریعہ نظر معلوم کرنے کے بعد مذکورہ دونوں قیاسوں میں سے کس کو ترجیح دی جائے گی تو ظاہر ہے کہ تمہید نمبر 2 کے مطابق اِن میں سے جس کی علّت قوی ہے ترجیح بھی اُسی کو دی جائے گی اور اُسی کے مقتضا پر عمل کیا جائے گا۔اہل علم جانتے ہیں کہ پیش نظر مسئلہ میں باز کے جھوٹے پانی کے ''مَمسُوحُ مِنقَارِ الْجَافِ وَغَيرُ مَخلُوطٍ بِاللُّعَابِ الْمُتَوَلّدِمِنَ اللَّحمِ النَّجسِ '' ہونے کی بناپر ''مَحفُوظٌ عَنِ الْاِختِلَاطِ بِالنَّجسِ '' ہونے والی علّت قوی الاثر ہے کہ اس کے ساتھ بے شمار حاجات میں انسان کا واسطہ پڑتا ہے جیسے متعدد شکلوں میں مأکولات ومشروبات اور بالخصوص پانیوں میں جن میں نہ صرف منقار بلکہ اِس کے ہم شکل وہم معنی اور چیزیں بھی جیسے ہڈی، بال، ناخن اور دانت کے ساتھ واسطہ پڑتا رہتا ہے۔جن کی وجہ سے اِن چیزوں کو نجس وحرام قرار دینے

میں بے شمار حاجات سے انسانوں کو محرومی ہوتی ہے۔ جس سے بندوں کو بچانے کے لیے ایسے تمام مقامات پر اللہ تعالیٰ نے ممسوحات منقار الباز جیسے جملہ مأکولات ومشروبات اور پانیوں کو پاک وطاہر قرار دیا ہے۔ اہل علم اس بات کو بھی جانتے ہیں کہ اس کے مقابلہ میں قیاس جلی کی جو ظاہری علت ہے وہ ایسا نہیں ہے بلکہ اُس کے اثرات اتنے قلیل وکمزور ہیں جیسے حاجات کے مقابلہ میں محسنات کیوں کہ ہر شخص جانتا ہے کہ حرام جانوروں کے منقار، ہڈی، ناخن، سینگ اور بالوں کے ساتھ واسطہ پڑنے کے مقابلہ میں شیر اور بھیڑیا جیسے درندوں کے جوٹا کے ساتھ بہت کو واسطہ پڑتا ہے۔ اُن سے بچنے میں حرج بھی نہیں ہے اِس لیے کتے کے جوٹے پر قیاس کرنے کے مطابق شریعت مقدسہ میں اُنہیں حرام قرار دیا گیا ہے۔ جب اوّل القیاسین کی علت کا ضعیف الاثر ہونا اور ثانی القیاسین کی علت کا قوی الاثر ہونا معلوم ہو چکا تو ثانی القیاسین ہی قابل عمل وقابل استدلال قرار پاتا ہے جسے عمل بالاستحسان کہتے ہیں یعنی ''اَلْعُدُوْلُ مِنْ اَضْعَفِ الْقِیَاسِیْنِ عِلَّةً اِلٰی اَقْوَاھُمَا عِلَّةً'' فقاہت شناس حضرات جانتے ہیں کہ استحسان کی اس حقیقت میں بھی قیاس خفی موجود ہے کیوں کہ ضعیف الاثر علت والے قیاس کو چھوڑ کر اُسکے مقابلہ میں قوی الاثر علت والے قیاس پر عمل کرنے پر وجوب کا حکم جو لگایا جا رہا ہے یعنی ''اَلْعُدُوْلُ مِنْ اَضْعَفِ الْقِیَاسِیْنِ عِلَّةً اِلٰی اَقْوَاھُمَا عِلَّةً وَاجِبٌ عَلَی الْمُجْتَھِدِ'' یہ حکم نظری ہے یعنی محتاج دلیل ہے جس کے مقدمتین میں سے کوئی ایک بھی مذکور نہیں ہے اور اُس کی علت بھی متبادر الی الاذہان نہیں ہے اُس کی تفصیلی شکل اس طرح ہے۔

مسئلہ اصولیہ قبل الدلیل:۔ عُدول الی اقوی الدلیلین واجب ہے۔

صغریٰ:۔ کیوں کہ یہ معیار حجت کی اتباع ہے۔

کبریٰ:۔ معیار حُجت کی اتباع ہمیشہ واجب ہوتی ہے۔

مسئلہ اصولیہ بعد الاثبات بالدلیل:۔ لہٰذا عُدول الی اقوی الدلیلین بھی واجب ہے۔

اللہ عزیق رحمت فرمائے ہمارے فقہاء کرام کو کہ اُنہوں نے استحسان فقہیہ کے ان تمام پہلوؤں کو پیش

نظر رکھ کر اپنی کتابوں میں استحسان کی تعریف قیاس خفی کے ساتھ کی ہیں۔ اِس لیے کہ استحسان بالاثر ہو یا استحسان بالاجماع ،استحسان بالضرورت ہو یا استحسان بالقیاس الخفی ،استحسان بالعُرف ہو یا استحسان بالمصالح المرسلہ بالفاظ دیگر استحسان لِاثبات الحکم الشرعی ہو یا استحسان لمعقولیۃ الحکم الشرعی بہر تقدیر ہر استحسان کو قیاس خفی ایسا ہی لازم ہے جیسے ناطق ہونا انسان ہونے کو لازم ہے۔ استحسان اپنے مذکورہ فی التمہید چاروں معنوں میں سے جس شکل میں بھی پایا جائیگا وہیں پر قیاس خفی ضرور ہوگا۔ (وَاللّٰہُ الْھَادِی اِلٰی سَبِیْلِ الرَّشَادِ)

قیاس واستحسان کی حقیقت اوران کی تقابلی صورتوں کی یہ جھلک جو ہم نے پیش کی یہ سب کچھ اِس سلسلہ دراز کی بنیاد ہے، حجر الاساس اور ناگزیر وضاحت ہے جو بجائے خود اٹل ہونے کے باوجود حرفِ آخر نہیں ہے، اِس باب کی نہایت نہیں ہے بلکہ اِس کی حیثیت اُصولِ فقہ کی کتابیں پڑھنے اور پڑھانے والے مدرسین وطلباء کے لیے رہنما اُصول کے سوا اور کچھ نہیں ہے جبکہ اپنی وقعت اور خفایا فی الزوایا کی بنا پر یہ موضوع ابھی تشنۂ تکمیل ہے اگر توفیق الٰہی شامل رہی تو آئندہ چل کر اُصولِ فقہ کے نام سے اِس کا حق ادا کروں گا۔ (اِنْشَآءَ اللّٰہ تعالٰی وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلم مَایَکُوْنُ فِی الْآتِی)

وَاَنَاالْعَبْدُالضَّعِیْفُ

پیر محمد چشتی کان اللہ لہ

☆☆☆☆☆

منازک سلوک کی حقیقت اور اُن کی ترتیب

مکرمی درج ذیل سوالات کا جواب اپنے موقر جریدہ میں شائع کر کے شکریہ کا موقع دیں۔

پہلا سوال:۔ منازل سلوک کس طرح حاصل ہو سکتے ہیں اور اُن کی حقیقت کیا ہے؟۔

دوسرا سوال:۔ ایک صاحب جو اہل علم ہیں کہتے ہیں کہ منازل سلوک کے افسانہ میں پڑنا گناہ ہے اس کی حقیقت کچھ نہیں ہے یہ افیون کے نشہ کی طرح ضعیف عقیدہ کا مرض ہے اِنکا یہ کہنا درست ہے یا غلط؟

تیسرا سوال:۔ میں نے چاروں سلاسل طریقت کے اسباق پورے کیے ہیں اور چاروں سلسلوں میں مجاز وخلیفہ ہوں جس سے بھی پوچھتا ہوں وہ یہی فرماتے ہیں کہ تصوف کے اسباق کو پورا کرنے سے منازل سلوک طے ہوتے ہیں لیکن یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی میں اپنے اندر کوئی تبدیلی محسوس نہیں کر رہا اس کی کیا وجہ ہے؟...... والسلام

منتظر جواب نیاز مند صوفی عبدالغنی قادری چشتی نقشبندی سہروردی، مکان نمبر 216/A گلی نمبر 2 محلّہ عقب گول چوک سرگودھا، 12/03/2004

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جواب :۔ مذکورہ سوالات کا جواب دو طرح دینا مناسب سمجھتا ہوں ایک اجمال میں دوسرا تفصیل میں تو پہلے سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ مسلّمہ اولیاء اللہ و اِماماِنِ تصوّف کے مطابق منازل سلوک نا قابل انکار حقائق ہیں اُن کی تعداد دس ہے جنہیں منازل عشرہ سلوک کہا جاتا ہے، جو بالترتیب درج ذیل ہیں؛

(۱) توبہ۔ (۲) زہد۔ (۳) فقر۔ (۴) خوف۔ (۵) رجاء۔
(۶) صبر۔ (۷) شکر۔ (۸) توکل۔ (۹) حُب۔ (۱۰) رضا۔

اِن میں از توبہ تا توکل آٹھوں کی مذکورہ ترتیب تمام ائمہ اہل تصوّف کے مابین متفقہ ہے جبکہ آخری دو

یعنی حُبّ ورضاء کی ترتیب میں اختلاف معلوم ہورہا ہے کہ بعض نے محبت کو رضاء سے مقدم سمجھا ہے جبکہ بعض نے رضاء کو محبت سے مقدم رکھا ہے۔ بہر تقدیر یہی مقامات عشرۂ سلوک منازل سلوک کہلاتے ہیں اِن سے بیرون کسی اور چیز کا نام تصوف وسلوک نہیں ہے یہ الگ بات ہے کہ موجودہ دور میں تصوف وسلوک کے نام سے پیری مریدی کرنے والوں کی غالب اکثریت نرے جاہلوں کی ہے جو تصوف کے ابجد سے بھی واقف نہیں ہیں۔

اہل کتاب کے احبار ورھبان کے ہاتھوں تعلیمات موسوی وعیسوی کے مسخ ہونے کی طرح اِن جاہل بیوپاریانِ خُسران کے ہاتھوں بھی اصل تصوف وسلوک کے مسلمہ پیشواؤں کی مبارک راہ ورسم اور ارشادات وتعلیمات کے برعکس بدعات وگمراہیوں کو رواج مل رہا ہے اور مذکورہ مقامات عشرۂ سلوک جنہیں تصوف کی اصطلاح میں احوال ومقامات بھی کہا جاتا ہے کی جگہ شیطانی خوابوں، اوھام باطلہ اور خیالی دُنیا کی بے حقیقت آرزوؤں کو سلوک کے منازل کہہ کر ناواقف حال حضرات کو تصوف وسلوک سے ہی بدظن کیا جارہا ہے ورنہ اصل تصوف وسلوک اِن منازل کے علاوہ کوئی شیئ نہیں ہے اور اِن کے حصول کا واحد ذریعہ تہذیب الاخلاق کے حوالہ سے اُسوۂ حسنہ سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم پر کمال اخلاص کے ساتھ عمل کرنا ہے جس کو شریعت کی زبان میں احسان کہا گیا ہے۔ حضرت مجدّد الف ثانی (نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف) نے مکتوب نمبر 36 بنام ملا حاجی محمد لاہوری میں لکھا ہے؛

"چه مقصود از طی منازل طریقت وحقیقت ماورائے تحصیل اخلاص نیست که مستلزم مقام رضا است"(1)

یعنی شریعت کی حقیقت کو پانے کی منازل پر چلنے سے اصل مقصد اللہ کے ساتھ اخلاص پیدا کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے یہ اخلاص ہی تو ہے جو مقام رضا کے پانے کو مستلزم ہے۔

دوسرے **سوال کا مختصر جواب** یہ ہے کہ منازل سلوک یا تصوف وطریقت کو افسانہ قرار دینا یا اِسے

---

(1) مکتوباتِ امام ربّانی، دفتر اوّل، ص 99، مطبوعہ دار المعرفت۔

افیون کا نشہ یا ضعف عقیدہ جیسے نامناسب ناموں سے یاد کرنا نہ صرف غلط ہے بلکہ ایسا کہنے والوں کی کوتاہ بینی کی علامت بھی ہے بالفرض اگر ایسا ہی ہوتا تو حضرت امام غزالی، شاہ نعمت اللہ ولی، مجدد الف ثانی اور علی ہجویری جیسے مسلّمہ ہستیاں کبھی بھی اسے نہ اپناتی اور پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ تصوف وطریقت اور اس کے منازل و مقامات جو مذکورہ دس چیزوں سے عبارت ہیں اپنی ذات وحقیقت کے اعتبار سے کیا ہیں تو ظاہر ہے کہ اس فن کے مسلّمہ پیشواؤں کی تصریحات کے مطابق تصوف اس کے سوا اور کسی چیز کا نام نہیں ہے کہ انسان اپنی قوت فکری و عملی کی امانتوں کو ہمہ وقت منشاء مولیٰ کے مطابق صرف کرے، جیسے حضرت مجدّد الف ثانی نے مکتوب نمبر 41 میں فرمایا ہے؛

''طریق نجات ورداہ رستگاری ہمین متابعت صاحب شریعت است علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام در اعتقاد وعمل استاد و پیر برائے آن غرض میگیرند کہ دلالت بشریعت نمایند وبرکت ایشان یُسر وسُہولت در اعتقاد وعمل بشریعت پیدا شود''(1)

تصوف وطریقت میں کامیابی وراست روی کا واحد ذریعہ صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی متابعت ہے کہ عقیدہ وعمل دونوں میں آں سرور عالم ﷺ کی اتباع کی جائے، تصوف وطریقت میں استاذ و پیر صرف اس لیے پکڑا جاتا ہے کہ وہ قوت فکری و عملی کو شریعت کے مطابق بنانے میں انسان کی رہنمائی کریں تاکہ اُن کی برکت سے اپنی قوت فکری و عملی کو شریعت کے مطابق بنانے میں آسانی پیدا ہو۔

حضرت علی ہجویری المعروف (داتا گنج بخش نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیف) نے کشف المحجوب میں فرمایا؛

''صوفی آن بود کہ ازخود فانی بود وبحق باقی''(2)

---

(1) مکتوبات امام ربّانی، ج 3، حصّہ 8، دفتر 3، ص 122۔

(2) کشف المحجوب، ص 26۔

یعنی صوفی کی حقیقت یہ ہے کہ وہ منشاء مولیٰ کے مقابلہ میں اپنے نفس امارہ کی جملہ خواہشات کو فنا کر کے زندگی کے جملہ مراحل میں حق تعالیٰ جلّ مجدہٗ کی رضاء ومنشاء کو پیش نظر رکھے۔

الغرض جب تک کوئی شخص سلوک کے مذکورہ مقامات کو اپنے کردار میں عملی طور پر پیدا نہ کرے اُسے تصوف کی زبان میں صوفی کہنا ہی جائز نہیں ہے بلکہ صدق دل سے اِن منازل کو اپنے اندر پیدا کرنے کے جب تک درپے نہیں ہوتا اُس وقت تک اُسے تصوف کا مبتدی طالب کہنا بھی سچے صوفیاء کرام کی نگاہ میں جائز نہیں ہے چہ جائے کہ اُسے صوفی کہنا جائز ہو۔ جیسے حضرت امام غزالی (نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف) نے احیاء العلوم میں فرمایا؛

''مَنْ لَا تَوْبَۃَ لَہٗ لَا حَالَ لَہٗ وَلَا مَقَامَ لَہٗ'' (1)

یعنی جو شخص صاحب توبہ نہیں ہے اُس کے صاحب حال وصاحب مقام ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

یہ اِس لیے کہ توبہ دیگر منازل ومقامات پر فائز ہونے کے لیے ایسی ہے جیسے پیداوار حاصل کرنے کے لیے زمین۔ جب زمین ہی نہیں ہے تو پیداوار حاصل ہونے کا کیا سوال پیدا ہوسکتا ہے اور اہل علم جانتے ہیں کہ مذکورہ منازل سلوک کو حاصل کرنے کے لیے اِس بنیادی قدم کا تعلق قوت فکری وعملی کے دونوں بازوؤں کے ساتھ ہے جیسے شریعت کی زبان میں اعتقادی وعملی بے اعتدالیوں سے توبہ کرنا ضروری ہے اور ظاہری گناہوں سے علانیہ توبہ اور پوشیدہ گناہوں سے غیر اعلانیہ توبہ لازم ہے اِسی طرح تصوف کی زبان میں بھی شریعت کے اِن احکام پر عمل کرنے کے بعد اپنی قوت فکری وعملی کی ظاہری وباطنی دونوں بے اعتدالیوں سے علی العموم تائب رہنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ تصوف میں لزوم توبہ کے لیے سابقیت معصیت ضروری نہیں ہے بلکہ بغیر صدور ذنب کے بھی تائب رہنے کو ضروری سمجھا جاتا ہے کیوں کہ تصوف میں نبی اکرم رحمتِ عالم ﷺ کی کامل اتباع کی کوشش کی جاتی ہے اور توبہ کے حوالہ سے

---

(1) احیاء العلوم، ج5، ص227۔

اللہ کے حبیب نبی اکرم رحمتِ عالم ﷺ کا حال یہ تھا کہ معصوم عن الذنوب والسیأت ہونے کے باوجود ہمہ وقت تائب رہا کرتے تھے جیسے بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مروی ہے اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا؛

"وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِينَ مَرَّةً" (1)

ترجمہ:۔ اللہ کی قسم میں روزانہ زیادہ سے زیادہ استغفار وتوبہ کرتا ہوں۔

پہلی منزل:۔ منازلِ سلوک کا نہ صرف یہ پہلا قدم (توبہ) بلکہ مذکورہ تمام مقاماتِ سلوک اللہ کے حبیب ﷺ کی سنّت طیبّہ واُسوہ حسنہ کے مختلف مراحل واشکال ہیں، انسانی اخلاق کی تکمیل ہیں اور تہذیب الاخلاق کے مظاہر ہیں۔ ایسے میں تصوّف کو مقصد اسلام کے حصول کا ذریعہ قرار دیا جائے تو بے محل نہ ہوگا۔ نبی اکرم رحمت عالم ﷺ کی کامل اتباع کا ذریعہ کہا جائے غلط نہ ہوگا، قوت فکری وعملی کی امانتوں کی ادائیگی کر کے امانتدار ہونے کا وسیلہ بتایا جائے تب بھی خلاف حقیقت نہ ہوگا اور اپنے عقیدہ و عمل کو تعلیمات نبوی ﷺ کے ڈھانچہ میں ڈالنا کہا جائے تب بھی بے جا نہ ہوگا۔ جیسے حضرت مجدّد الف ثانی (نَوَّرَاللّٰهُ مَرْقَدَهُ الشَّرِيف) نے اپنے پیرزادگان یعنی خواجہ باقی باللہ کے دونوں صاحبزادوں (حضرت خواجہ عبید اللہ، حضرت خواجہ عبداللہ) کے نام ایک مکتوب نمبر 266 میں فرمایا ہے؛

"بعد از تحصیل دو جناح اعتقادی وعملی اگر توفیق ایزدی جلّ سلطانہٗ رہنمونی فرماید سلوک طریقہ علیہ صوفیہ است نہ از برائے آن غرض کہ شیئی زائد از ان اعتقاد وعمل حاصل کنند وامر مجدّد بدست آرند بلکہ مقصود آنست کہ نسبت بمعتقدات یقینی واطمینانی حاصل کنند کہ ہر گز بتشکیک مشکک زائل نہ گردد وبایراد شبہ باطل نہ شود"

---

(1) بخاری شریف، ج2، ص933 کتاب الدعوات۔

یعنی تعلیمات نبوی ﷺ کے مطابق اسلامی عقیدہ و عمل کے دونوں بازوؤں کو حاصل کرنے کے بعد اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال ہو جائے تو پھر اِن دونوں کے دوام و استحکام کے لیے صوفیاءِ کرام کے طریقہ سلوک کو اپنانا اچھا ہے یہ اِس لیے نہیں کہ قوت فکری و عملی کی امانتداری سے بڑھ کر کوئی اور کمال حاصل ہو جائے بلکہ صوفیاءِ کرام کے طریقہ پر راہ سلوک اختیار کرنے سے واحد مقصد عقیدہ و عمل میں ایسی پختگی پیدا کرنا ہوتا ہے کہ کسی بھی تشکیک و شبہ سے زائل نہ ہو سکے۔

جب تصوف کی اصل غرض وغایت اسلامی عقیدہ و عمل کا تحفظ ہے، اس کی پختگی واستحکام ہے تو پھر اُسے افسانہ کہنا، افیون کا نشہ یا ضعف عقیدہ کا مرض قرار دینا کسی اہل علم کو زیب نہیں دیتا نیز یہ کہ تصوف جو انسانی قوت فکری و عملی کو اللہ تعالیٰ کے لیے اچھی طرح خالص کرنے سے عبارت ہے مذکورہ مقامات و منازل سے خالی نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ تصوف کے یہ منازل اوّل سے آخر تک سب کے سب احکام قرآنی ہیں۔ تصوف کے یہی احوال ومقامات اور منازل سلوک کی یہ حقیقتیں یعنی توبہ، زہد، صبر، فقر، شکر، خوف، رجاء، توکّل، حب اور رضا اپنی تمام وسعتوں کیساتھ مدلولِ قرآنی ہیں، اُسوۂ حسنہ سید الانام ﷺ ہیں اور منشاء مولیٰ ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

”وَتُوْبُوْا اِلَى اللهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ“(1)

اے اہل ایمان تم سب کے سب اللہ کی طرف توبہ کرو۔

یہاں پر توبہ کرنے کا حکم علانیہ وسری، سبقت ذنب اور بغیر صدور ذنب کی اقسام وانواع سے مطلق ہونے کی بناء پر توبہ کی اِن تمام شکلوں کو شامل ہے گویا نفس توبہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے جنس ہے جو فصولِ ممیزہ اور جملہ قیودات سے مطلق ہونے کی بناء پر جن اقسام وانواع پر صادق آسکتا ہے اُن سب کو شامل ہونے سے کوئی امر مانع موجود نہیں ہے۔ تصوف کے اندر بھی یہی کچھ بیان کیا جاتا ہے۔

---

(1) النور، 31۔

دوسری منزل:۔ یہی حال زہد کا ہے جیسے فرمایا؛

"لِکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَافَاتَکُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰکُمْ" (1)

خواہش نفس کی فوتگی پر غم نہ ہو اور خواہش نفس کے حصول پر اترانا نہ ہو۔

اہل علم کے مطابق قرآن شریف کی یہ آیت کریمہ زہد کی تمام شکلوں کو محیط ہے جیسے حضرت علی المرتضیٰ کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْھَہُ الْکَرِیْم نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا؛

"وَمَنْ لَمْ یَأْسَ عَلَی الْمَاضِیْ وَلَمْ یَفْرَحْ بِالْآتِیْ فَقَدْ اَخَذَ الزُّھْدَ بِطَرَفَیْہِ" (2)

یعنی اپنی قوت فکری و عملی کو منشاء مولیٰ کے تابع بنانے میں جس کا یہ حال ہو کہ خواہش نفس کی فوتگی کا اُسے غم نہ ہو اور مطلوب نفس کے حاصل ہونے پر اترائے نہیں تو بے شک اُس نے ہر طرف سے زہد کو اپنا لیا۔

تیسری منزل:۔ یہی حال صبر کا بھی ہے جیسے فرمایا؛

"یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا" (3)

اے اہل ایمان صبر کرو اور صبر کرنے میں دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔

یہاں پر صبر و مصابرت مطلق مذکور ہونے کی بنا پر اِن میں سے ہر ایک اپنے مفہوم کے اعتبار سے جنس ہے جو اپنے ماتحت جملہ انواع کو محیط ہے۔ تصوف کی تعلیم بھی اس کے عین مطابق ہے کہ خوشی و غمی، راحت و تکلیف کی تمام ظاہری و باطنی حالتوں میں صبر کرنے کو حسن انجام کی ضمانت سمجھا جاتا ہے۔ جیسے امام غزالی نے احیاء العلوم میں فرمایا؛

"وَالصَّبْرُ جَارٍ فِی الصَّابِرِ مَجْرَی الْاَنْفَاسِ لِاَنَّہٗ یَحْتَاجُ اِلَی الصَّبْرِ عَنْ کُلِّ مَنْھِیٍ وَمَکْرُوْہٍ وَمَذْمُوْمٍ ظَاھِرًا وَّبَاطِنًا" (4)

---

(1) الحدید، 23۔ (2) التفسیر الکاشف، ج 7، ص 253، مطبوعہ بیروت۔

(3) آل عمران، 200۔ (4) احیاء العلوم، ج 5، ص 234۔

یعنی صبر کرنے والے میں صبر کا جملہ لمحات حیات میں جاری وساری اور موجود ہونا ایسا ہی ضروری ہے جیسے انسان کے زندہ رہنے کے لیے سانس کا جاری ہونا ضروری ہے کیوں کہ تصوف وسلوک میں ہر ظاہری وباطنی مذموم ومکروہ اور منہی عنہ سے بچنے کی ایسی ہی ضرورت ہوتی ہے جیسے زندہ رہنے کے لیے سانس کے چلنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

چوتھی منزل:۔ فقر کا بھی یہی حال ہے کہ تصوف کے اِس منزل میں اللہ تعالیٰ کے فرمان "یٰاَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ" (1) کی حقیقت تک رسائی ہوتی ہے جو سلوک کی چوتھی منزل ہونے کے ساتھ توحید کی پہلی منزل ہے۔

شکر جو پانچویں منزل سلوک ہے یہ بھی مدلول قرآنی اور حکم ربانی ہے جیسے فرمایا؛

"وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَاتَکْفُرُوْنِ" (2) یعنی میرا شکرادا کرو اور ناشکری مت کرو۔

یہاں پھر بھی شکر کی کسی خاص صورت کی تخصیص نہ ہونے کی بنا پر یہ ظاہری، باطنی، ملائم طبع، غیر ملائم طبع اور معلوم ونامعلوم الغرض جملہ احساناتِ ربوبیت کے تقاضوں کو محیط ہے جن کی تفصیل ظاہری علماء تفسیر نے بھی بیان کی ہیں اور صوفیاء کرام نے بھی اگر فرق ہے تو وہ اتنا کہ ظاہری علماء کی نگاہ بصیرت صرف ظاہری اسباب معرفت میں منحصر ہے جبکہ صوفیاء کرام صاحب حال ومقام ہونے کی بدولت ظاہری اسباب علم کے ساتھ ساتھ حِس باطن ووجدانی سے بھی ان حقائق کا ادراک کرتے ہیں جسے تصوف کی اکثر کتابوں میں مشاہدہ بھی کہا گیا ہے۔ درحقیقت یہ وہی مشاہدہ ہے جس کو منطق کے تصورات میں تصور بدیہی وجدانی کہتے ہیں اور تصدیقات میں تصدیق بدیہی وجدانی کہتے ہیں۔

خوف جو تصوف کی چھٹی منزل ہے یہ بھی مدلول قرآنی وحکم ربانی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

"وَخَافُوْنِ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ" (3) مجھ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو۔

بلاتخصیص مسلک جملہ اہل اسلام اس بات کو جانتے ہیں کہ انسان کے دل میں موجود خوف خدا ہی

---

(1) فاطر،15۔ (2) البقرہ، 152۔ (3) آلِ عمران،175۔

درحقیقت ہر قسم ظلم وزیادتی سے بچنے کے لیے بریک کا عمل کرتا ہے۔جس انسان کے دل میں اللہ کے جلال کا اور اپنی قوت فکری وعملی کی بے اعتدالیوں کے انجام بد کا خوف نہ ہو وہ ہر طرح کے مظالم کا ارتکاب کرسکتا ہے۔جس کی بدانجامی سے اپنے بندوں کو بچانے کے لیے ربّ الناس جل جلالہٗ نے قرآن شریف کے اندر جگہ جگہ خوف وتقویٰ اپنانے کی تاکید فرمائی ہے۔

رجاء منازلِ عشرۂ سلوک میں ساتویں منزل ومقام رجاء کا ہے یہ ایمان کے لیے ایسا ہی ضروری ہے جیسے خوف جس وجہ سے اِن دونوں کو ایمان کے دو جناح کہتے ہیں یعنی جیسے پرندہ کی پرواز کے لیے اُس کے دونوں پروں کی درستی وبرابری ضروری ہے اسی طرح ایمان کی درستی کے لیے بھی خوف ورجاء کی دونوں صفتوں کا ہونا ضروری ہے اسی وجہ سے متکلمین نے ''اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ'' کہا ہے یعنی شریعت کی نگاہ میں ایمان وہ معتبر ہے جو خوف ورجاء کے مابین ہو۔ایمان کے لیے اِن دونوں کے تلازم کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کے متعدد مقامات میں اِن دونوں کو ایک ساتھ ذکر کیا، جیسے فرمایا؛

''وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ''(1)

اللہ کے مقبول بندے وہ ہیں جو اُس کی رحمت کی اُمید کرتے ہیں اور اُس کے عذاب سے خوف رکھتے ہیں۔

توکّل تصوف کے دس مشہور مقامات میں سے آٹھویں منزل ہے۔جس کی حقیقت یہ ہے کہ عالم اسباب کی اس دُنیا میں کسی بھی عمل کے ثمرات ونتائج کو حاصل کرنے کی راہ میں اُس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ اسباب کو بطور کسب وعمل وجود میں لانے کے بعد اُس کے نتائج وثمرات کے حصول کو مُسَبّب الاسباب وحدہٗ لاشریک پر چھوڑنا ہے،حصول نتیجہ کی اس عادت الٰہی کو انسانی طاقت و استطاعت سے ماوراجان کر سپرد خدا کرنا ہے اور کسب عمل کو خاصۂ مخلوق جاننے کی طرح اِس پر مرتب

(1) بنی اسرائیل،57۔

ہونے والے نتیجہ وثمرہ کو خالصۃً عادت الٰہی جان کر اللہ وحدہٗ لاشریک کو اِس کا تنہا خالق جاننا ہے اس کے مقابلہ میں تسبّب وتعطل ہوتے ہیں۔ اوّل الذکر یہ ہے کہ اسباب اور انسانی کسب وعمل کو ہی سب کچھ جانا جائے یہ عقیدہ شرک کو مستلزم ہونے کی وجہ سے ممنوع وناجائز ہے اور ثانی الذکر یعنی تعطل یہ ہے کہ اسباب کو ہی معطل کر کے بغیر کسب وعمل ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھا جائے یہ کردار بھی عام لوگوں کے لیے ممنوع وناجائز ہے بعض صوفی کہلانے والے نادان اسی تعطل کو توکل کہتے ہیں لیکن یہ سراسر جہالت ہے جسکا تصوف کے ساتھ کوئی تعلق ہے نہ شریعت وطریقت کے ساتھ تاہم منازل سلوک کے اِن مقاماتِ عشرہ کو اپنی عملی زندگی کا جزو بنا کر مرتبہء فنا وبقا کو پہنچنے کے بعد یعنی نفس امارہ کی جملہ خواہشات کو فنا کر کے منشاء مولیٰ کو اپنی عملی زندگی کا اوڑھنا بچھاؤنا بنانے کے بعد بعض کاملین کا توکل اسباب ترک کرنے پر بھی منتج ہوسکتا ہے لیکن یہ وہ خواص ہیں کہ جن پر نہ احکام شریعت کو قیاس کیا جاسکتا ہے نہ مسائل تصوف کو اُن کا مسئلہ عالَم اسباب سے ایسا ہی منفرد وجدا ہوتا ہے جیسے مجذوبوں کا کہ اُن کے متعلق نفی واثبات میں کچھ کہنے یا کرنے کی اجازت شریعت میں ہے نہ طریقت میں اس قسم متوکلین کی تعداد ہمارے آقا ومولیٰ نبی اکرم رحمت عالم ﷺ کی اُمت اجابت میں کل ستر ہزار بتائی گئی ہے جو بغیر حساب وکتاب کے جنت میں جائیں گے جیسے حضرت عکاشہ والی حدیث مسلم میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہوا ہے۔ الغرض تصوف کا یہ مقام بھی مدلول قرآنی وحکم ربانی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ'' (1) اگر تم ایماندار ہو تو اللہ پر ہی توکل کرو۔

نویں منزل:۔ سلوک وطریقت کے دس منازل میں سے محبت مع اللہ کا بھی یہی حال ہے کہ تصوف میں اس نام سے سورۃ بقرہ آیت نمبر 165 میں اللہ کے فرمان ''وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ'' کی روح کو اپنی عملی زندگی کا حصہ بنایا جاتا ہے جس کے بغیر احکام شرعیہ پر صدق دل سے عمل کرنا ممکن نہیں ہے جیسے حضرت امام غزالی نے کتاب عوارف المعارف میں امام ابو عبداللہ القرشی کے حوالہ سے فرمایا

(1) المائدہ،23۔

ہے؛

''حَقِیْقَةُ الْمَحَبَّةِ اَنْ تَهَبَ لِمَنْ اَحْبَبْتَ کُلَّکَ وَلَایَبْقٰی لَکَ مِنْکَ شَیْءٌ''(1)

یعنی انسان کی طرف سے اللہ کے ساتھ محبت کی حقیقت یہ ہے کہ جس محسن ومہربان وحدہٗ لاشریک کے ساتھ محبت کررہا ہے اپنی قوت فکری وعملی کی جملہ صلاحیتوں کو اُس پر قربان کیا جائے یہاں تک کہ اپنے نفس امارہ کے لیے اُن میں سے کچھ بھی باقی نہ رہے۔

ایک اور مقام پر امام غزالی نے منزلِ محبت کے متعلق فرمایا؛

''وَهٰذَاالْحُبُّ الْخَالِصُ هُوَاَصْلُ الْاَحْوَالِ السَّنِیَّةِوَمُوْجِبُهَاوَهُوَفِی الْاَحْوَالِ کَالتَّوْبَةِ فِی الْمَقَامَاتِ''

یعنی انسان کے دل میں اللہ کے ساتھ جو خالص محبت پیدا ہوتی ہے یہی ان تمام خصائل حمیدہ کی بنیاد ہے جو انسان میں پائے جاتے ہیں اور اِس کی اُن کے ساتھ ایسی نسبت ہے جیسے توبہ کی نسبت دیگر مقامات ومنازل کے ساتھ۔

دسویں منزل:۔ رضا منازل سلوک کے سلسلہ میں سب سے اعلیٰ، سب کی منتہا اور سب پر حاوی مقام ہے۔ یہ بھی حکم قرآنی ومطلوب ربانی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے سچے اہل ایمان کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا؛

''یَبْتَغُوْنَ فَضْلًامِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا''(2)

یعنی سچے اہل ایمان کا عملی کردار یہ ہے کہ وہ اللہ کے فضل کا طالب رہنے کے ساتھ اُس کی رضا کو بھی ہمیشہ پیش نظر رکھتے ہیں۔

آیات رضا کی تشریح کرتے ہوئے مفسّرین کرام اور متکلّمین نے جس طرح رضا بالقدر والقضاء کو ایمان کا لازمہ سمجھا ہے اہل سلوک حضرات اُسے بلاکم وکاست جزوایمان قرار دینے کے ساتھ عملی زندگی

---

(1) کتاب عوارف المعارف، ص 241۔ (2) الحشر، 8۔

کے جملہ مراحل میں بھی اللہ کی رضا جوئی کو مشغلہ حیات بناتے ہیں جیسے امام غزالی نے احیاء العلوم میں فرمایا؛

''اَلرَّاضِی مَنْ لَمْ یَنْدِمْ عَلٰی فَائِتٍ مِنَ الدُّنْیَا وَلَمْ یَتَأَسَّفْ عَلَیْھَا''(1)

یعنی اہل سلوک کی نگاہ میں مقام رضا پر فائز کی پہچان یہ ہے کہ وہ کسی دُنیوی خواہش کی فوتگی پر ندامت وخفگان نہ کریں۔

بنظرِ غائر دیکھنے سے صوفیاء کرام کے اس کردار کا اصل فلسفہ کچھ اس طرح معلوم ہو رہا ہے کہ اپنے خالق و مربی جل جلالہ کی رضا مندی کو پانے کی تمنا وخواہش سے کوئی بھی مسلمان خالی نہیں ہے لیکن اس کا حصول صرف اُن حضرات کے لیے ہی ممکن ہے جو اللہ سے راضی ہوتے ہیں اور بندے کا اللہ سے راضی ہونا اُس وقت تک معتبر نہیں ہے جب تک اپنی قوّت فکری و عملی کو اس سے پہلے والے مقامات یعنی توبہ سے لے کر حُب تک تمام منازل کے ڈھانچوں میں فٹ نہ کرے۔ گویا رضا سے پہلے والے منازل پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ سے راضی ہونے کا سبب ہے اور بندے کا اللہ سے راضی ہونا اللہ کی رضا کو پانے کا سبب ہے یا یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ بندے کا اللہ سے راضی ہونے کی بنیاد خود بندے کا اللہ سے راضی ہونا ہے ،جیسے میں اللہ تعالیٰ کے فرمان؛

''وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ''()

یعنی اللہ کی بندے سے رضا مندی بندے کی اللہ سے رضا مندی کے مقابلہ میں بڑی ہے۔

اس آیت کریمہ میں بندے سے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کی بڑائی بیان کرنے کے ساتھ بطور تقابل تضایف رضاء اللہ من العبد و رضاء العبد من اللہ دونوں کو بیان کیا گیا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا ذکر صراحتاً ہے جبکہ بندے کی رضا مندی کا ذکر التزاماً ہے بندے کی اللہ تعالیٰ سے رضا مندی کے دسوں مراتب ومنازل میں موجود ہونے اور کثیر ہونے کے باوجود اللہ کی بندے سے رضا مندی

(1) احیاء العلوم، ج5، ص239۔ (2) التوبہ، 72۔

کے مقابلہ میں مفضل علیہ ومفضول ہونا اور اللہ کی رضا کا افضل و مفضل ہونا بھی عین تقاضاً فطرت ہے کہ واجب تعالیٰ جل مجدہٗ کی کبریائی ذات کا یہی تقاضا تھا کہ اُس کی جملہ صفات وافعال اور احسانات وشئون کا ایک ایک فرد بھی جملہ کائنات سے اکبر وافضل ہو جیسے ربّ الناس جل مجدہٗ الکریم کے دیگر اوصاف وکمالات کی انتہا نہیں ہے ویسے ہی اُس وحدہٗ لاشریک کی صفت رضا کی بھی کوئی انتہا نہیں ہے۔

اِختصار بعد التفصیل:۔ قرآن وحدیث اور اصحاب سلوک کی روشنی میں وضاحت ہوگئی کہ تصوف منازل سلوک کے مذکورہ مقامات سے عبارت ہے اور یہ منازل ومقامات قرآن شریف کے مدلول و احکام ہیں۔ نیز معلوم ہوا کہ سلوک اِن ہی منازل ومقامات پر بالترتیب اخلاص کے ساتھ عمل کرنے کا نام ہے اور یہ سب کے سب ناقابل انکار حقائق ہیں تو پھر تصوف کو افیون کا نشہ کہنے یا منازل سلوک کو بے حقیقت افسانے کہنے کی جسارت کرنا کسی اہل علم کا عمل نہیں ہوسکتا۔

ہماری رسائی فہم کے مطابق ایسا کہنے والے حضرات کو اپنے ماحول کے چاروں اطراف میں پھیلے ہوئے جاہل پیروں اور اُن کے طریقہ واردات کو دیکھ کر یہ مغالطہ ہو رہا ہوگا تصوف کے نام سے آج کل پیری مریدی کرنے والوں کی غالب اکثریت خالصۃً جاہلوں کی ہے جو تصوف وطریقت اور سلوک ومنازل سلوک کے ابجد سے بھی ناآشنا ہیں جیسے اس سوال نامہ کے سائل نے ذکر کیا ہے کہ چاروں سلاسل طریقت میں مجاز خلیفہ ہونے کے باوجود اُسے اپنی سابقہ زندگی کے حوالہ سے کوئی تبدیلی محسوس نہیں ہوئی، منازل سلوک کو طے کرنے کے لیے بزرگان دین سے منقول وظائف واوراد کو ذریعہ حصول بتایا گیا، ہائے افسوس! تصوف وطریقت کے نام سے اور پیری مریدی کے عنوان سے خلق خدا کو جس طرح گمراہ کیا جارہا ہے، شریعت وطریقت سے بیگانہ کیا جارہا ہے اور ضعیف العقیدہ عوام کو جہل مرکب میں مبتلا رکھ کر جس طرح سے اُن کے دین ودُنیا کو خراب کیا جارہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اِس اندھیر نگری پر حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، شیخ معین الدین حسن سلطان الہند اجمیری، سید علی ہجویری، شاہ

نعمت اللہ ولی جیسے ہزاروں، لاکھوں سچے اولیاء اللہ کو بھی عالم برزخ میں افسوس ہو رہا ہوگا۔

مجھے اچھی طرح احساس ہے کہ ہر اصل کے مقابلہ میں گندم نما جوفروشوں کی طرف سے نقل ایجاد ہونے کی طرح امت مسلمہ میں سچے اولیاء اللہ، سالکین راہ حق اور تصوف کو تزکیہ نفس وتحلیہ روح بنا کر ارشاد واسترشاد کرنے والے بزرگان دین کے اوائل سے ہی نقلی بزرگوں کی فریب کاریوں کا سلسلہ بھی چلتا آیا ہے جیسے آج سے ایک ہزار سال پہلے حضرت علی ہجویری (داتا گنج بخش (نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف) نے اپنے وقت کے جھوٹے مدعیان ولایت اور پیری مریدی کے رنگ میں خلق خدا کو دھوکہ دینے والوں کے اندرون سے کشف المحجوب کی ابتداء میں پردہ اُٹھایا ہے یہاں تک کہ اُن میں سے بعض ماہرین دجل کا حضرت کی نوشتہ کتابوں کو چورا کر اپنے نام سے مشہور کر کے لوگوں کو دھوکہ دینے تک خبائث کا انکشاف کیا ہے لیکن تصوف وطریقت اور سلوک ومشیخیت کے پاکیزہ ناموں کے پردہ میں جہل وبدعات پھیلانے والے گندم نما جوفروشوں کی جن گمراہیوں کا مشاہدہ موجودہ دور میں ہم کر رہے ہیں اِس حد تک سابقہ ادوار میں شاید کبھی نہ دیکھا گیا ہو۔

مسلمانوں کے لیے بالعموم اور علماء کرام کے لیے بالخصوص مقام غور ہے کہ سوال نامہ ہٰذا کے سائل کی طرح کتنے سادہ لوحوں کو دھوکہ میں رکھا جا رہا ہے، تصوف وسلوک سے کلیۃً جاہلوں کے ہاتھوں کتنے خلق خدا کو گمراہ کیا جا رہا ہے، اصل تصوف وسلوک کو کس حد تک بدنام کیا جا رہا ہے اور بزرگانِ دین و سالکین سے لوگوں کو منحرف کرنے کے لیے کیسا گمراہ کُن ماحول بنایا جا رہا ہے۔ آخر سوچنے کی بات ہے کہ منازل سلوک کے حصول سے وظائف واوراد کا کیا تعلق۔ حاشا وکلا یہ طریقہ تصوف ہر گز نہیں ہے، راہ سلوک نہیں ہے اور طریقت وحقیقت کے ساتھ اِس کا قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ نیز کچھ گندم نما جوفروش ماہرین دجل تصوف کے بعض اصطلاحی الفاظ کو اُن کی حقیقت تک پہنچے بغیر یاد کر کے سادہ لوحوں، ضعیف العقیدہ غافلوں اور ناپختہ علماء کو اپنے متعلق ماہر تصور ہونے کا تأثر دے کر اپنا کام نکالتے ہیں مزید برآں یہ کہ کسی ایک سلسلہ طریقت سے بھی نا آشنا، جاہل وبیگانہ جو خود محتاج اصلاح ہیں کو

اوروں کو چاروں سلاسل میں اجازت وخلافت دینے کا کیا جواز ہو سکتا ہے، اسے کہتے ہیں خفتہ را خفتہ کے کند بیدار۔

تصوف وطریقت کے حوالہ سے اِن معروضی حالات کو دیکھنے والا ہر صاحب بصیرت پیری مریدی کی اس کساد بازاری کو بے حقیقت افسانہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا، جہل سازی وفریب کاری کہنے میں ذرہ برابر توقف نہیں کر سکتا اور جعل سازی وگمراہی کے اس بازارِ خسران سے خلق خدا کو منع کرنے میں جھجک محسوس نہیں کر سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ تصوف وسلوک کا جتنا گہرا تعلق پختگی عقیدہ وعمل سے ہے اتنا وظائف واوراد کیساتھ نہیں ہے تو پھر وظائف واوراد کے پڑھنے کو منازل سلوک طے کرنیکا ذریعہ بتانا اس حماقت سے مختلف نہیں ہے کہ بیت اللہ جانے والوں کو ترکستان کی راہ بتائی جائے یا بھوک وپیاس سے موت کے منہ میں جانیوالے شخص کو موت سے بچنے کے لیے آیت الکرسی کا ورد بتایا جائے۔ ہائے افسوس! تصوف وسلوک جیسے بہترین ذریعہ استقامت کا کیا مذاق اُڑایا جارہا ہے۔ (فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی)

اَلْعَبْدُالضَّعِیْفُ

پیر محمد چشتی

☆☆☆☆☆

کن لوگوں کوسلام کرنا جائز نہیں

میرا سوال یہ ہے کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے اور مسجد میں جا کے با قاعدگی سے نماز پڑھنے کا اہتمام کیا ہے یہی سنتے آئے ہیں کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت مسجد میں پہلے سے موجود اشخاص پر سلام کہنا چاہیے اور یہ کہ جولوگ نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوں وہ سلام کا جواب با آوازِ بلند، جولوگ وظیفہ وغیرہ کررہے ہوں وہ دل میں، اور نوافل وسنت ادا کرنے والے اشخاص سلام پھیرنے کے بعد جواب دیں گے۔

ہماری مسجد میں ایک محترم شخص اکثر مغرب کی نماز ادا کرنے آتے ہیں اور اپنے معمول کے مطابق اذان سے ایک یا دو منٹ پہلے مسجد میں داخل ہوتے ہیں مگر مسجد میں حاضرین پر سلام نہیں کہتے۔ چوں کہ مغرب کی نماز سے پہلے سنت ونوافل وغیرہ نہیں پڑھے جاتے اس لیے تمام حضرات اذان کے انتظار میں ہوتے ہیں، تین چار دن پہلے موصوف نے مسجد میں حاضرین سے خِطاب کیا کہ آپ لوگ کہتے ہوں گے کہ میں سلام کیوں نہیں کرتا۔ لیکن میں آپ لوگوں کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت مسجد میں موجود لوگوں پر سلام کہنا گناہ ہے۔ چوں کہ میں شرعی مسائل کے متعلق زیادہ علم نہیں رکھتا اِس لیے اِستدعا کی جاتی ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں اس سلسلہ میں فتویٰ صادر فرمائیں تا کہ ہم گمراہی سے بچ سکیں۔...... شکریہ

السائل...... حاجی عبدالصمد، مکان نمبر 8 (مینگل ہاؤس) گلی نمبر 19 گلبہار کالونی نمبر 2 پشاور شہر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب:۔ سائل ہٰذا نے جس مسئلہ کی شرعی حیثیت قرآن وسنت کی روشنی میں معلوم کرنے کی خواہش کا اظہار فرمایا ہے اس کے متعلق سلف الصالحین، بزرگانِ دین اور اسلامی کتب فتاویٰ کی تصریحات کے

مطابق قرآن وسنت کی روشنی میں حقیقی فتویٰ کا اظہار کرنے سے قبل یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ محترم سائل نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے لے کر اب تک کے عرصۂ دراز میں جن چار باتوں کو شرعی مسئلہ کے طور پر سن کر اُن پر عمل کرتا آیا ہے وہ سراسر غلط اور خلاف مذہب ہیں۔ مستفتی کا یہ کہنا کہ ہم ہوش سنبھالنے کے بعد سے لے کر اب تک سنتے آئے ہیں کہ ''مسجد میں داخل ہوتے وقت مسجد میں پہلے سے موجود اشخاص پر سلام کہنا چاہئے'' شریعت پر اِفتراء اور سلف صالحین کی متفقہ کتب فتاویٰ میں لکھے ہوئے فتووں کا خلاف ہے۔ قرآن وحدیث میں کہیں بھی نماز کے انتظار میں پہلے سے مسجد میں موجود بیٹھے ہوئے لوگوں پر سلام کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے بلکہ سلف صالحین، آئمہ دین مجتہدین نے اپنی کتب فتاویٰ میں قرآن وحدیث کی روشنی میں ہی اسے صراحتًا ناجائز لکھا ہوا ہے۔ جن کے مکمل حوالہ جات آگے چل کر ہم پیش کریں گے۔ اور یہ کہنا کہ ''جو لوگ نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوں وہ سلام کا جواب با آوازِ بلند اور نوافل وسنت ادا کرنے والے اشخاص سلام پھیرنے کے بعد جواب دیں گے'' یہ تینوں بھی پہلے کی طرح ہی بے بنیاد غیر شرعی اور کتب فتاویٰ میں موجود شرعی فتووں کے سراسر خلاف اٹکل پچو ہیں اللہ ہی بہتر جانتا ہے کتنے سادہ لوح مسلمان اس قسم کے اٹکل پچو چلانیوالے غیر معیاری مفتیوں کی وجہ سے خراب ہو رہے ہوں گے۔ (فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی)

آخر سوچنا چاہئے کہ جب نماز کے انتظار میں پہلے سے مسجد میں بیٹھے ہوئے حضرات یا نوافل وسنتیں پڑھنے میں مصروف حضرات یا مراقبہ، وظائف واوراد، تسبیح وتذکیر، قرائت وتلاوت جیسی کسی بھی عبادت میں مصروف حضرات کا شریعت کی نگاہ میں اُن پر سلام کیے جانے کے ناجائز ہونے کے حوالہ سے یکساں حکم ہے تو پھر یہ کہنا کہ نوافل وغیرہ ظاہری عبادت سے فارغ بیٹھے ہوئے حضرات بآوازِ بلند جواب دیں اور وظائف وغیرہ میں مصروف حضرات دل میں جواب دیں اور نوافل میں مصروف حضرات فارغ ہونے کے بعد جواب دیں گے۔ شریعت کے حوالہ سے کتنا خطرناک اٹکل پچو ہے، کتنا عجیب رجم بالغیب ہے اور شریعت مقدسہ پر کتنا بڑا افتراء ہے۔ خداوندا تو ہی اپنے فضل وکرم سے سادہ

لوح لوگوں کو ہمارے اِن غیر معیاری مفتیوں سے بچا۔ (آمین)

اس کے بعد سائل کی طرف سے پیش کردہ اصل مسئلہ کا جواب اس طرح ہے کہ قال اللہ وقال الرسول کی فقہاء اسلام کی تعبیر وتصریحات کے مطابق مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے حضرات میں اور تلاوت وتسبیح وغیرہ میں مصروف حضرات میں اُن پر سلام کیے جانے کے ناجائز ہونے میں قطعاً کوئی فرق نہیں ہے۔ جیسے فتاویٰ عالمگیری میں صراحتاً لکھا ہوا ہے کہ جولوگ مسجد میں تلاوت وتسبیح اورنماز کے انتظار میں بیٹھے ہیں وہ ملاقاتیوں کی آمد کے لیے نہیں بیٹھے ہیں۔ یہ وقت اُن پر سلام کرنے کا نہیں ہے لہٰذا اُن پر سلام نہیں کیا جاسکتا۔ فتاویٰ عالمگیری کی اصل عبارت ملاحظہ ہو؛

"وَالَّذِيْنَ جَلَسُوْا فِي الْمَسْجِدِ لِلْقِرَاءَةِ وَالتَّسْبِيْحِ اَوْلِانْتِظَارِ الصَّلٰوةِ مَا جَلَسُوْا فِيْهِ لِدُخُوْلِ الزَّائِرِيْنَ عَلَيْهِمْ فَلَيْسَ هٰذَا اَوَانَ السَّلَامِ فَلَايُسَلِّمُ عَلَيْهِمْ" (1)

جولوگ مسجد میں قرأت وتسبیح یا نماز کے انتظار کے لیے بیٹھے ہوئے ہیں وہ ملاقاتیوں کی آمد کے لیے نہیں بیٹھے ہیں تو یہ وقت اُن پر سلام کرنے کا نہیں ہے لہٰذا اُن پر سلام نہ کیا جائے۔

نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے حضرات پر سلام کرنے کے ناجائز ہونے کا تلاوت کرنے اور تسبیح وغیرہ عبادات میں مصروف لوگوں پر سلام کرنے کے ناجائز ہونے میں یکساں ہونے کے لیے فتاویٰ عالمگیری کے اس فتویٰ کو دیکھنے والے کسی بھی اہل علم کو اِن میں تفریق کرنے کی جسارت نہیں ہوسکتی، کسی اہل بصیرت کو اِس میں شک وتردّد نہیں ہوسکتا اور کسی کو بھی اس کے مقابلہ میں اپنے پیٹ سے جدید فتویٰ گھڑنے کی گنجائش نہیں رہتی۔ لیکن ہمارے غیر معیاری مفتیوں پر صد افسوس کہ آج سے تقریباً تین صدیاں قبل فتاویٰ عالمگیری کو ترتیب دینے والے تین سو جلیل القدر مفتیان اسلام نے جس چیز کے ناجائز ہونے کی مذکورہ عبارت میں تصریح کی ہے یہ کج فہم حضرات اُلٹا اسی عبارت کو اس کے جواز کے لیے پیش کررہے ہیں، جس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔

---

(1) فتاویٰ عالمگیری، کتاب الصلوٰۃ، ج5، ص225۔

نماز کے انتظار میں جالسین فی المسجد پر سلام کرنے کے عدم جواز اور فقہاء کرام کی تصریحات کے مطابق اُس کے گناہ و مکروہ تحریم ہونے کے متعلق موجود فقہی احکام کے برخلاف جب میں نے اس اُلٹے استدلال کو دیکھا تو میری حیرت کی انتہا ہوئی جس کے پس منظر پر غور کرنے سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ حضرات سلف صالحین کی عربی عبارات اور کتب فتاویٰ میں لکھے ہوئے الفاظ کو سمجھنے کی صلاحیت سے ہی عاری ہیں یا من حیث العربیت اُس کے صحیح مفہوم کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے ہیں یا اپنے سابق کسی پیش رو شخص کی اندھی تقلید میں اُس کی غلط بات کو شرعی فتویٰ سمجھنے کی جہالت میں مبتلا ہیں۔ جو منصب افتاء جیسے قابلِ احتیاط ذمّہ داری کے سراسر منافی ہے۔ عقل و نقل اور سلف صالحین کی روشنی میں مفتی بننے کے لیے اوّلین شرط یہ ہے کہ قرآن وسنت کو سمجھنے کے لیے بطور وسیلہ وآلات جن جن علوم و فنون کی ضرورت ہے اُنہیں کم از کم کفِنِ ضروری کے درجہ میں تو حاصل کیا جائے اُس کے بعد دوسرے مرحلہ میں برائے نام نہیں بلکہ ماہرینِ افتاء کی نگرانی میں رسم المفتی کے اصول وضوابط کا مکمل کورس کر کے عملی تجربہ حاصل کیا جائے۔ ورنہ محض رسم المفتی کے چند قواعد وضوابط یاد کر کے اس منصب پر بیٹھنے والوں سے اِس قسم کی غلطیوں کا صادر ہونا امر یقینی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج کل ہمارے مدارسِ اسلامیہ سے فارغ تحصیل ہونے والوں کی غالب اکثریت میں وہ صلاحیت قطعاً نہیں ہوتی جس کی بدولت وہ اِس منصب جلیلہ کے اہل قرار پاسکے۔ مشہور مدارس میں مقرر کئے جانے والے مفتیان کرام کا فتویٰ ماضی قریب میں گزری ہوئی اپنی پسندیدہ شخصیات کی اُردو میں لکھی گئیں کتابوں پر منحصر ہو چکا ہے جبکہ وہ حضرات معصوم عن الخطاء والذنوب نہیں تھے کہ اُن کے فتوؤں کو قرآن وسنت اور مسلّمہ پیشوایان اسلام وسلف صالحین کی روشنی میں پرکھے بغیر اُن کی تقلید کرنا جائز ہو سکے۔ پھر بہت سے فروعی مسائل جن کے شرعی احکام زمانہ کے حالات اور لوگوں کے عرف وحالات کے بدلنے سے بدلتے رہتے ہیں۔ اِس قسم کے مسائل میں ممکن ہے کہ نصف صدی پہلے اُس کی جو شرعی حیثیت ظاہر کر کے فتویٰ دیا گیا تھا وہ اپنی جگہ حق و درست ہو لیکن بعد میں حالات کے بدلنے کی وجہ سے اُس کی وہ شرعی حیثیت نہ

رہی ہو ایسے میں بذات خود فقہی مہارت سے محروم ہونے کی بنا پر اردو میں لکھی گئی کتابوں میں نوشتہ باتوں کے مطابق ہر جگہ فتویٰ دینے والوں کے ہاتھوں سادہ لوح عوام گمراہ نہ ہوں گے تو اور کیا ہوں گے۔

پیشِ نظر مسئلہ کے جواب میں مذکورہ اٹکل پچو چلانے والے مفتی صاحب کا یہ کہنا کہ ''اگر مسجد کے اندر نمازی موجود ہوں اور نماز، ذکر تلاوت سے فارغ بیٹھے ہوں تو سلام کرنا چاہئے'' مذکورہ شرائط کے بغیر مفتی بننے والوں کا ہی عمل ہوسکتا ہے۔ مزید براں یہ کہ کتب فتاویٰ کے برخلاف اٹکل پچو چلانے والے اس مفتی صاحب نے فتاویٰ درالمختار، فتاویٰ شامی، بحرالرائق، فتح القدیر وغیرہ اصل کتب فتاویٰ میں دیکھ کر مسئلہ کی صحیح صورتحال عوام پر ظاہر کرنیکی بجائے دار العلوم دیوبند کے مفتی نظام الدین اعظمی صاحب کی اُردو میں لکھی ہوئی کتاب نظام الفتاویٰ سے جواب کو نقل کرنے میں بھی خیانت کی ہے۔ ورنہ مفتی دیوبند مولوی نظام الدین اعظمی نے پیش نظر مسئلہ کا جو جواب دیا تھا وہ بالکل درست اور اصل کتب فتاویٰ میں موجود شرعی حکم کے عین مطابق تھا۔ جس میں انہوں نے نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے لوگوں پر سلام کرنے کو تلاوت کرنے یا تسبیح پڑھنے میں مصروف لوگوں پر سلام کرنے کے عدم جواز کی طرح ہی ناجائز و بے محل بتاتے ہوئے عالمگیری کی مذکورہ عبارت سے استدلال کیا تھا۔ جس کی رو سے اُس کا لکھا ہوا فتویٰ بھی درست اور کتب فتاویٰ کے عین مطابق قرار پاتا ہے اور عالمگیری کی مذکورہ عبارت سے اس کا استدلال کرنا بھی درست ٹھہرتا ہے۔ جس کے اندر خیانت کرتے ہوئے یا کج فہمی کی وجہ سے (وَاللّٰہُ اَعْلَم) تلاوت و تسبیح اور ذکر واذکار سے فارغ نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے حضرات کو اِن کے مقابلہ میں لاکر یہ کہہ دیا کہ ''اگر مسجد کے اندر نمازی موجود ہوں اور نماز، ذکر تلاوت سے فارغ بیٹھے ہوں تو سلام کرنا چاہئے۔'' (لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّابِاللّٰہِ)

ناپختہ مفتی صاحب کا یہ اندازِ فہم چاہے خیانت ہو یا بدفہمی بہر حال مفتی دیوبند مولوی نظام الدین اعظمی صاحب کی روح کو اذیت پہنچانے، اُن کے مقصد کے خلاف کرنے اور اُس کے درست فتویٰ کو بگاڑ کر

حقیقی مفتیوں کی نگاہ میں اُسے بدنام کرنے کی بدترین راہ خیانت یا اکابر کشی کی بدترین جہالت ہے۔اس سلسلہ میں ہم مفتی نظام الدین صاحب کے ہاتھ سے لکھے ہوئے فتویٰ کی اصل عبارت یہاں پر درج کر رہے ہیں، جو (نظام الفتاویٰ کے ج 1، ص 310 پر موجود ہے) تا کہ حقیقی علماء کرام و مفتیان عظام اس قسم غیر معیاری مفتیوں کی خیانتوں، جہالتوں اور اپنے اکابرین کی بدنامی کا سبب بننے کے ساتھ سادہ لوح عوام کی گمراہی کا بھی سبب بننے والے برائے نام مفتیوں سے مدارس اسلامیہ کو بچانے کی کوئی معقول تدبیر کریں ورنہ اِن کے غلط فتوؤں سے التباس الحق بالباطل کا غیر متناہی سلسلہ چل پڑے گا۔

نظام الفتاویٰ میں موجود اصل فتویٰ اور اُس کی بعینہٖ عبارت یہ ہے؛

''الجواب:۔ مسجد میں سلام کرنا مطلقاً منع نہیں ہے بلکہ اِس صورت میں منع ہے جب اُن لوگوں کو مخاطب بنا کر سلام کیا جائے جو قرآن کی تلاوت، تسبیح میں مشغول ہیں یا نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں''۔

''وَالَّذِيْنَ جَلَسُوْا فِي الْمَسْجِدِ لِلْقِرَاءَةِ وَالتَّسْبِيْحِ اَوْلِانْتِظَارِ الصَّلٰوةِ مَاجَلَسُوْا فِيْهِ لِدُخُوْلِ الزَّائِرِيْنَ عَلَيْهِمْ فَلَيْسَ هٰذَااَوَانُ السَّلَامِ فَلَا يُسَلِّمُ عَلَيْهِمْ''(1)

نظام الفتاویٰ، ج 1، ص 310 پر موجود اِس حقیقی فتویٰ کے ساتھ اہل علم حضرات اُس کے حوالہ سے نا پختہ مفتی صاحب کا دیا ہوا مذکورہ اٹکل پچو والے فتویٰ کا موازنہ کر کے دیکھ لیں تو دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جائے گا، مفتی نظام الدین اعظمی کی بے گناہی ظاہر ہونے کے ساتھ اِن برائے نام مفتیوں کے ہاتھوں ہونے والے التباس الحق بالباطل کا منظر بھی سب پر عیاں ہو جائے گا۔ اِس کثیر الجہت اَغلاط کے حامل من گھڑت اور بے بنیاد فتویٰ کے کس کس پہلو کا رد کیا جائے؟ اِس کا رد کرنے سے میرا مقصد قابلِ رحم عوام کو اس قسم کے غلط فتوؤں کے انجام بد سے بچانا ہے، کسی کی تحقیر کرنا مقصد نہیں ہے۔ میں تو کسی بے علم اَن پڑھ انسان کی توہین کرنے کو بھی گناہ کبیرہ سمجھتا ہوں چہ جائیکہ کسی اہل علم کی توہین

---

(1) فتاویٰ عالمگیری، ج5، ص325۔

کروں۔ یہی وجہ ہے کہ میں یہاں پر اس غلط فتویٰ کے صادر کرنے والے غیر معیاری مفتی صاحب کا نام بھی ظاہر نہیں کر رہا تا کہ کسی قسم کی بھی توہین کے گناہ سے محفوظ رہ سکوں ۔ میرا مقصد عوام کو بچانے، اہل علم کو سمجھانے اور اِس قسم غیر معیاری مفتیوں کو حکمت عملی کے تحت نصیحت کرنے کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔

لہٰذا مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے حضرات پر سلام کرنے کے نا جائز ہونے کے لیے عالمگیری کے مذکورہ فتویٰ اور اس کی عربی عبارت والفاظ کی نحوی ترکیب کی طرف اس قسم کے جملہ مفتیوں کی توجہ مبذول کرانا ضروری سمجھتا ہوں کیوں کہ مجھے یقین ہے کہ اگر فقہاء کرام کی تصریحات کے برخلاف مذکورہ انکل پچو والا فتویٰ جاری کرنے والے مفتیوں کو عالمگیری کی اِس پوری عبارت کی نحوی ترکیب اور اُس کے مختلف حصوں کا ایک دوسرے کے ساتھ ترکیبی تعلق وارتباط کا علم ہوتا تو وہ آج سے تقریباً تین صدیاں قبل تین سو مقتدر مفتیان عظام کے لکھے ہوئے اِس متفقہ فتویٰ کے برعکس فتویٰ جاری کرنے کی غلطی کبھی نہ کرتے، اس کا معکوسی مطلب کبھی نہ نکالتے اور صاحب ھدایہ (نَوَّرَاللّٰهُ مَرْقَدَهُ الشَّرِيْف) کے مندرجہ ذیل تاریخی اعلانِ مشاہدہ کا مصداق کبھی نہ بنتے:

فَسَادُ كَبِيْرُ عَالِمُ مُتَهَتِّكُ وَاَكْبَرُ مِنْهُ جَاهِلُ مُتَنَسِّكُ

هُمَا فِتْنَةُ عَظِيْمَةُ لِمَنْ بِهِمَا فِىْ دِيْنِهِ يَتَمَسَّكُ

اُس کی نحوی ترکیب کی جھلک اس طرح ہے کہ ”وَالَّذِيْنَ جَلَسُوْافِى الْمَسْجِدِ لِلْقِرَاءَةِ وَالتَّسْبِيْحِ اَوْ لِانْتِظَارِ الصَّلٰوةِ“ کے اندر مذکورہ تینوں باتیں یعنی مسجد میں بیٹھے ہوئے حضرات کے یہ تینوں کردار (قراۃ، تسبیح اور انتظار الصلوٰۃ) باہمی معطوف ومعطوف علیہ ہونے کے بعد ”جَلَسُوْا“ کے معمولات ہیں یعنی اُس کے لیے ظرف لغو ہیں اور ”جَلَسُوْا“ کا فعل اپنے فاعل (جو واؤ کی شکل میں ضمیر مرفوع متصل بارز ہے) اور اپنے ظرف لغو سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہونے کے بعد صلہ ہے موصول اسمی (الذین) کے لیے اور موصول اسمی اپنے صلہ کے ساتھ ملکر مرفوع محلاً بنا برابتدائیت مبتدا ہے اور اُس

کے بعد والا جملہ فعلیہ یعنی ''مَا جَلَسُوْا فِیْهِ لِدُخُوْلِ الزَّائِرِیْنَ عَلَیْهِمْ '' جو معلوم الحقائق والترکیب ہے بتأویل مفرد مرفوع محلًا بنا بر خبریت اُس کی خبر ہے۔ مبتدا اپنی خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہونے کے بعد استفتاء حالی ہے یعنی زبان حال سے اپنی شرعی حیثیت معلوم کرنے کا مقتضی تھا تو فتاویٰ عالمگیری کو ترتیب دینے والے مفتیان عظام نے اِس کے متصلاً بعد ''فَلَیْسَ هٰذَا اَوَانَ السَّلَامِ '' کہہ کر جملہ فعلیہ کی شکل میں اُس کی شرعی حیثیت بتائی کہ ملاقاتیوں کی آمد کے لیے نہیں بلکہ تلاوت، تسبیح اور نماز کے انتظار میں جالسین فی المسجد کا یہ وقت اُن پر سلام کرنے کا نہیں ہے۔ نماز کے انتظار میں جالسین فی المسجد پر سلام کرنے کے عدم جواز کے فتویٰ کے لیے عالمگیری کی اِس شہرہ آفاق عبارت کا ایک ترکیبی کمال یہ بھی ہے کہ ''فَلَیْسَ هٰذَا اَوَانَ السَّلَامِ '' میں جو ''ف'' عاطفہ مذکور ہوا ہے اُس کا یہاں پر اپنے تینوں معنوں پر منطبق ہونا درست ہے تعقیبیہ ہونا اس لیے درست ہے کہ اِس کا ماقبل جملہ بمنزلہ استفتاء حالی وسوال ہے تو ظاہر ہے کہ کسی بھی سوال کا جواب اُس کے بعد متصلاً ہونا ہی مناسب ہے۔ نتیجہ یہ ہونا اس لیے درست ہے کہ اس کا مدخول ''لَیْسَ هٰذَا اَوَانَ السَّلَامِ '' یعنی ''جَالِسُ فِی الْمَسْجِدِ لِانْتِظَارِ الصَّلٰوةِ اَوْ لِتِلَاوَتِ الْقُرْآنِ اَوْ لِلتَّسْبِیْحِ '' کا وقت اُن پر سلام کرنے کا وقت نہ ہونا اِس کے ماقبل کا نتیجہ ہے جس میں فاء نتیجیہ کی عین حقیقت کا اظہار ہو رہا ہے۔ کلامِ سابق سے شرط معلوم ہو رہی ہے جس کے محذوف ہونے پر یہ دلالت کر رہا ہے اور فاء نتیجیہ کی حقیقت بھی شرط محذوف ہونے پر دلالت کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہوتی جسکے مطابق ''جَالِسِیْنَ فِی الْمَسْجِدِ لِانْتِظَارِ الصَّلٰوةِ '' اور تسبیح وقارئین پر عدمِ جواز سلام کے لیے لکھی گئی اِس عبارت سے عالمگیری کے مصنفین کی مراد و حاصل کلام اس طرح ہوگا؛

''اِذَا لَمْ یَکُنْ جُلُوْسُ الْقَارِئِیْنَ وَالْمُسَبِّحِیْنَ وَالْمُنْتَظِرِیْنَ لِلصلوٰة لِدُخُوْلِ الزَّائِرِیْنَ علیهم فلیس هذا اوَان السلام ''

یعنی قرأت، تسبیح اور نماز کے انتظار کے لیے مسجد میں بیٹھنے والوں کا مقصد جب ملاقاتیوں کی

آمد کے لیے نہ ہو تو اُن کا یہ وقت اُن پر سلام کرنے کا وقت نہیں ہے۔

اِس کے بعد نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے جالسین فی المسجد پر سلام کرنے کا عدم جواز اِس فتویٰ کا آخری جملہ ''فَلَا یُسَلِّمُ عَلَیْھِمْ'' کے اِس فاء عاطفہ میں اگرچہ مذکورہ تینوں احتمالات بجائے خود درست ہیں لیکن علم نحو اور بلاغت سے صحیح شغف رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ اِس قسم سیاق وسباق کے حامل کلام میں فاء تعقیبیہ اور فاء فصیحہ کے مقابلہ میں فاء نتیجیہ ہی متبادر اِلَی الذِہن ہوتا ہے جس کے مطابق اِس کے مدخول کا مضمون ماقبل والے جملہ کا نتیجہ قرار پاتا ہے۔ یہاں پر بھی ایسا ہی ہے کہ ملاقاتیوں کی آمد کے لیے نہیں بلکہ تلاوت، تسبیح اور نماز کے انتظار کے لیے مسجد میں بیٹھے ہوئے حضرات کا یہ وقت از روئے شرع اُن پر سلام کرنے کا وقت نہ ہونے کا نتیجہ ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ مسجد میں داخل ہونیوالے حضرات اُن پر سلام کر نیکی کراہت وگناہ نہ خریدیں۔ اِس لیے بطورِ نتیجہ ''فَلَا یُسَلِّمُ عَلَیْھِمْ'' فرمادیا۔ اِس کا مفہوم یہ ہے کہ مسجد میں نماز کے انتظار سے بیٹھے ہوئے اور تسبیح وتلاوت میں مصروف حضرات پر سلام نہیں کیا جاسکتا۔ مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے اور تلاوت وذکرواذکار میں مصروف حضرات پر سلام کئے جانے کے ناجائز ہونے کے لیے عالمگیری کے اِس فتویٰ کی مذکورہ عبارت کی نحوی ترکیب سے آگاہ ہونے کے بعد کسی اہل علم کو بھی اس کے متعلق مغالطہ لگنے یا اُس کے مندرجات میں تفریق کرنے کا امکان نہیں رہتا۔ ایسے میں یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ اس کے مندجات کے احکام میں تفریق کرنے والے نوخیز مفتیوں کا منشاء غلطی ترکیب نحوی میں ناپختگی ہے اور یہ ایسی کمزوری ہے کہ اِس کی وجہ سے کوئی شخص صحیح معنی میں مفتی نہیں بن سکتا۔

مفتیوں کی رہنمائی ونصیحت:۔

میری جملہ تحریروں میں زیادہ تر مخاطب علماء کرام ہی ہوتے ہیں کیوں کہ میں سمجھتا ہوں کہ اگر پیغمبرِ کریم رحمتِ عالم ﷺ کے جانشین ورثاء کہلانے والا یہ طبقہ جب تک شریعت مقدسہ کے احکام پر عمل نہیں کرتا اُس وقت تک عوام سے صراط مستقیم پر چلنے کی امید کرنا فضول ہے۔ میں اپنی علمی زندگی کے پچاس سالہ

تجربہ کے مطابق اِس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مذہب سے منحرف نا اہل سیاسی مقتدرہ کے بعد مذہبی اقتدار پر فائز اِس طبقہ کی فکری وعملی بے اعتدالیوں کو مسلمانوں کی بدحالی وکج روی میں بڑا دخل ہے ہمارے مدارس دینیہ سے فارغ تحصیل ہونے والوں میں وہ علمی وعملی قابلیت نہیں ہوتی جو عوام کی رہنمائی کر سکے، ہمارے اصحاب محراب ومنبر میں سیرۃ طیبہ سید عالم ﷺ کی وہ اتباع نہیں پائی جاتی جو فلاح انسانیت کی ضمانت ہے اور ہمارے دارالافتاء مدارسِ اسلامیہ کے ذِمّہ داروں میں وہ معیار کہیں نظر نہیں آرہا جو صحیح معنی میں مفتی کہلانے والوں کے لیے ناگزیر ہے ایسے میں ہم نے محض اللہ تعالیٰ کی توفیق اور نبی اکرم رحمت عالم ﷺ کی نگاہ عنایت سے علماء کرام کے اِن تینوں طبقوں کو اُن کا بھولا ہوا سبق یاد دلانے کا التزام کیا ہے۔ اِس سلسلہ میں مشہور مدارس اسلامیہ کے منصب افتاء پر بیٹھے ہوئے مفتیوں کو بلا تخصیص مسلک مزید نصیحت ورہنمائی کرتے ہوئے اُن سے مندرجہ ذیل گزارشات کرنا فرض عین سے کم ذمہ داری نہیں سمجھتا۔ کوئی مانے یا نہ مانے مجھے ہے حکم اذان لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

رسم المفتی کے چند اُصول وقواعد کا کورس کر کے اُس کی عرفی ورواجی سند پر ہرگز نہ بھولیں کیوں کہ یہ کورس وسند اِس منصب کے جملہ تقاضوں میں ایک فیصد سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ اگر آپ افتاء کے فرض کفائی انجام دینے کا شوق رکھتے ہیں تو اِس کی ذمہ داریوں کو شرعی تقاضوں کے مطابق نبھانے کے لیے ضروری ہے کہ اللہ کو حاضر ناظر جان کر سب سے پہلے اپنی علمی قابلیت کا جائزہ لے۔ صرف، نحو سمیت قرآن وسنت اور سلف صالحین کی عبارات کو سمجھنے کے لیے اُن تمام علوم آلیہ وفنون کی مہارت حاصل کریں جن کے بغیر الٰہیات کی صحیح سمجھ ممکن نہیں ہوتی۔ اُصول اسلام اور فروع اسلام کی مکمل تمیز حاصل کرنا ضروری ہے، ضروریاتِ دین اور نظریاتِ دین کی تفریق کرنا ہر مفتی کے لیے ناگزیر ہے، افرادِ معاشرہ اور لوگوں کے معاشرتی وتمدنی اور نفسیاتی وعرفی حالات کا ادراک کرنا فتویٰ دینے میں غلطی سے بچنے کے لیے شرط ہے۔ زمانہ کے اور لوگوں کے حالات کے بدل جانے سے تبدیل ہونے کے قابل احکام کی اُن ناقابل تبدیل اور اٹل احکام کا مکمل امتیاز کرنا بھی فتویٰ نویسی میں غلطی سے

بچنے کے لیے ضروری شرط ہے۔ محض اپنی پسند کی شخصیات کے ہاتھوں لکھی ہوئی کتابوں پر اکتفا کرنے کی بجائے مختلف فقہی مسالک فقہاء کرام کی لکھی ہوئی کتابوں کے مطالعہ سے علمی استفادہ کرنا بھی فتوٰی دینے میں غلطی سے بچنے کی شرائط میں سے ہے۔

اِس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ بقدرِ ضرورت اجتہادی استعداد تک علمی پختگی حاصل ہو کیوں کہ اِس جوہر کی دست آوری کے بغیر محض دوسروں کے فتوؤں کو نقل کرنیوالے حضرات صحیح معنی میں مفتی کہلانے کے قابل نہیں ہوتے اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جس کے کلام کا حوالہ دیا جائے یا اُسے نقل کیا جائے چاہے یہ نقل لفظ ہو یا معنیٰ بہر تقدیر اللہ کو حاظر و ناظر جان کر کمال دیانتداری کیساتھ ہو۔ شعوری طور پر اُس کے کسی حصّہ کو چھوڑا نہ جائے اور نہ ہی اپنی طرف سے کچھ ملایا جائے ورنہ خیانت کاری کے گناہ کبیرہ کے زمرہ میں شامل ہو کر عنداللہ وعندالرسول جل جلالہ ﷺ قابل مواخذہ جرم قرار پائے گا۔ (اَعَاذَنَااللّٰہُ مِنْہُ)

اِن تمام باتوں کے ساتھ دارالافتاء کے منصب جلیلہ پر فائز ہونے والے ہر شخص کے لیے علم الاستدلال والصناعہ اور منطق کے حوالہ سے حقیقتِ استدلال واقسامِ استدلال یعنی استدلال مباشر اور استدلالِ غیر مباشر کی جملہ انواع واقسام اور اُن کے مالہ وماعلیہ سے مکمل واقفیت حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ جس کے بغیر نہ کوئی شخص حقیقی مفتی بن سکتا ہے نہ فقیہہ، یہ اس لئے ناگزیر ہے کہ ہر مفتی کے وصف افتاء اور ہر فقیہ کے وصف فقاہت میں اِن چیزوں کا جاننا معتبر ہے کیوں کہ فقہ کی تعریف ''هُوَ الْعِلْمُ بِالْاَحْکَامِ الشَّرْعِیَّةِ الْفَرْعِیَّةِ عَنْ اَدِلَّتِهَا التَّفْصِیْلِیَّه'' میں جو اَدِلتہ تفصیلیہ معتبر ہیں اُن سے مراد منطقی اندازِ استدلال کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہے۔ جس کے مطابق علم فقہ کی اس تعریف کا مفہوم آسان الفاظ میں یہ ہے کہ علم فقہ احکام شرعیہ فرعیہ کو اُن کی تفصیلی دلیلوں کے ذریعہ جاننے کا نام ہے۔

جب فقہ کی تعریف وحقیقت میں منطقی انداز استدلال موجود پڑا ہوا ہے تو اُس سے بننے والے فقیہ میں اس کا معتبر ہونا عین تقاضا فطرت ہے اور مفتی کا تعلق علم فقہ کے ساتھ ہونے کی بنا پر اُس کا اِس وصف

میں بھی بالواسطہ منطقی اندازِ استدلال موجود پڑا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہ کی کتب فتاویٰ میں جتنے بھی مسائل فقہ ذکر کیے جاتے ہیں اُن کی شرعی حیثیت یعنی فرض، واجب، سنت موکدہ، سنت عادیہ، مستحب یا مباح اور حرام، مکروہ تحریم، اسائت، مکروہ تنزیہ، خلاف اولیٰ، اُن کا اِن گیارہ احکام میں سے کسی ایک کے زمرہ میں ہونے کو سمجھنے کے لیے منطقی انداز استدلال پر تفصیلی دلیل بھی ذکر کی جاتی ہے۔ ھدایہ، شرح وقایہ، درالمختار اور شامی جیسی تمام معتبر فتاووں میں ذکر شدہ مسائل فقہ کا یہی حال ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ فقہ کی کتابوں میں فقہاء کرام اپنی عادت کے مطابق تفصیلی دلائل کو قیاس مضمر کی شکل میں ذکر کرتے ہیں یعنی اَدِلۃ اربعہ سے ماخوذ صُغریٰ کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں جس کا کُبریٰ اُصولِ فقہ کا ایک مسلمہ مسئلہ ہونے کی بنا پر سہل الفہم وبدیہہ عندالفقہاء ہونے کی وجہ سے محذوف کیا جاتا ہے، مثال کے طور پر نماز کے لیے تکبیر تحریمہ، قیام، قعود، رکوع، سجود اور قرأت میں سے ہر ایک ہر نماز میں فرض ہے۔ فقہاء کرام، اپنی کتابوں میں ان کی شرعی حیثیت یعنی فرضیت کا دعویٰ ظاہر کرنے کے ساتھ اِس کے ثبوت کے لیے قیاس مضمر کی شکل میں جو تفصیلی دلیل بیان کرتے ہیں اُس کی تحصیل وتقدیر کی عملی صورت اس طرح ہے؛

شرعی حکم بطور مدعا:۔ نماز میں قیام فرض ہے۔

صُغریٰ:۔ کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے قطعی الثبوت والدلالۃ امر ''قُومُوا لِلّٰہِ قَانِتِینَ'' کا مقتضاء ہے۔

کُبریٰ:۔ اور اللہ تعالیٰ کے قطعی الثبوت والدلالۃ امر کا ہر مقتضا فرض ہوتا ہے۔

نتیجہ:۔ لہٰذا نماز میں قیام فرض ہے۔

شرعی حکم بطور مدعا:۔ تکبیر تحریمہ نماز کے لیے فرض ہے۔

صُغریٰ:۔ کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے قطعی الثبوت امر ''وَرَبَّکَ فَکَبِّر'' کا مقتضا ہے۔

کُبریٰ:۔ اور جو بھی اللہ تعالیٰ کے اسطرح کے امر کا مقتضا ہو وہ فرض ہوتا ہے۔

نتیجہ:۔ لہٰذا تکبیر تحریم فرض ہے۔

مسجد میں نماز کے انتظار سے بیٹھے ہوئے حضرات پر سلام کرنے کے عدم جواز، مکروہ تحریم اور گناہ و بے محل ہونے پر اگرچہ فتاویٰ عالمگیری کی محولہ بالا عبارت وفتویٰ ہی کافی شافی دلیل ہے، جس کے بعد کسی اور حوالہ کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی، تاہم عوام وخواص کی معلومات کے لیے ہم آگے چل کر اِس پر متعدد کتب فتاویٰ کے حوالہ جات بھی پیش کریں گے لیکن اس سے پہلے ضروری ہے کہ مسجد میں داخل ہونے والوں کے لیے کون کون سی صورتوں میں سلام کرنا جائز اور کون کون سی صورتوں میں ناجائز ہے، اس کا مختصر جائزہ پیش کریں جو اِس طرح ہے؛

پہلی صورت:۔ نماز کے انتظار کے بغیر اور ذکر، اذکار، تلاوت وغیرہ کسی بھی عبادت کے بغیر مسجد میں پہلے سے چاہے ایک مسلمان موجود ہو یا زیادہ، بہر تقدیر اُن پر سلام کرنا نہ صرف جائز بلکہ سنت و کار ثواب ہے، جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ایسے حضرات کو سلام نہ کرنے والا شخص تارک سنت ہو کر خود اپنے آپ کو ثواب سے محروم کر رہا ہے۔

دوسری صورت:۔ معتکف فی المسجد اگر نماز کے انتظار میں نہیں بیٹھا، نیز فقہاء کرام کے بیان کردہ موانع سلام کے حالات میں بھی نہ ہو اور کسی قسم کی عبادت سِرّی و جہری میں بھی نہ ہو تو اُس پر سلام کرنا بھی جائز و کارِثواب اور سنتِ تحیہ ہے یعنی اس کا حکم بھی پہلی صورت کی طرح ہے۔

تیسری صورت:۔ کسی جائز کام، میٹنگ، مشاورت اور جرگہ کی غرض سے مسلمانوں کے چند افراد یا بڑی جماعت کسی مسجد میں جا رہے ہوں اُن میں سے بعض پہلے پہنچ کر دوسروں کی آمد کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہوں۔ اِس صورت میں جو بھی باہر سے آ کر اندر داخل ہوگا اُس پر اندر بیٹھے ہوئے حضرات پر سلام کرنا لازم ہے، اگر نہ کرے گا تو تارکِ سنت ہو کر ثواب سے اپنے آپ کو محروم کرے گا گویا اس صورت کا حکم بھی پہلی صورتوں کے حکم سے مختلف نہیں ہے۔

چوتھی صورت:۔ کسی مسلمان کے ساتھ مسجد میں ملاقات کرنے، پڑھنے، پڑھانے، نصیحت کرنے، نصیحت لینے، کوئی پیغام لینے یا کسی کا پیغام پہنچانے کا وعدہ کیا ہے یا اسی طرح کسی بھی جائز کام کے

سلسلہ میں مسجد کے اندر ملاقات کا وعدہ ہو چکا ہے جسکے بعد ایک فریق پہلے سے آکر دوسرے فریق کی آمد کے انتظار سے بیٹھا ہوا ہے تو دوسرا فریق جب بھی مسجد کے اندر داخل ہوگا اُسے مخاطب کر کے سنتِ سلام کا تحیہ پیش کرنے پر از روئے شرع مأمور و مکلف ہے یعنی اِس صورت کا حکم بھی پہلی صورتوں جیسا ہے، جسکے مطابق سلام نہ کرنے والا شخص سنت سلام کی فضیلت وثواب سے اپنے آپ کو محروم کرے گا۔

پانچویں صورت:۔ مسجد میں پہلے سے کوئی ایک شخص بھی موجود نہیں ہے اِس صورت میں بھی مسجد کے اندر داخل ہونے والے شخص پر سلام کرنا سنت کے درجہ میں لازم ہے۔

باقی رہا یہ سوال کہ جب اُس کے سامنے کوئی شخص موجود ہی نہیں ہے تو پھر سلام کس کو کرے گا تو اس کے جواب میں فقہاء کرام کے تین قسم فتوے پائے جاتے ہیں؛

پہلا:۔ سلام کرنے میں ملائکہ کی نیت کریں کہ کوئی مسجد بھی اُن کے وجود سے خالی نہیں ہے۔

دوسرا:۔ رسول اللہ ﷺ کی نیت کریں کیوں کہ حقیقت محمدی و روحِ نبوی ﷺ سے دنیا کی کوئی مسجد خالی نہیں ہے۔

تیسرا:۔ خود اپنی ذات کی نیت کرنے کے ساتھ اِس مسجد سے متعلق اللہ کے دوسرے صالح بندوں کی بھی نیت کر کے "اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ" کہے۔ بہر تقدیر اِس صورت میں بھی مسجد کے اندر داخل ہونے والے شخص پر سلام کرنا لازم ہے۔ چاہے ان تین صورتوں میں سے جس کی بھی نیت کرے۔ اِسکے بغیر تارک سنت ہو کر خود کو ثواب سے محروم کریگا۔

چھٹی صورت:۔ مسجد کے اندر لوگ صرف اور صرف نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہوں، اِس صورت میں باہر سے آکر مسجد میں داخل ہونے والے کسی بھی مسلمان کو انہیں سلام کرنا جائز نہیں ہے بلکہ مکروہ تحریم و گناہ ہے۔ کسی غیر معیاری مفتی یا ناقص مبلّغ کے کہنے پر بدفہمی میں مبتلا آدمی یا علماء حق کی صحبت سے محروم کوئی ناسمجھ شخص اِن پر سلام کرے تو اُس کے سلام کا جواب دینا اِن پر لازم نہیں ہے، جیسے فتاویٰ عالمگیری میں اسی صورتحال اور اِس کے دیگر اشباہ و نظائر کے متعلق سلام کرنے کے عدم جواز کا فتویٰ

دینے کے متصلاً بعد فرمایا ہے؛

''وَلِهٰذَا قَالُوْا لَوْ سَلَّمَ عَلَيْهِمُ الدَّاخِلُ وَسِعَهُمْ اَنْ لَّا يُجِيْبُوْهُ'' (1)

اِس کے ایک سطر بعد اس کے مزید چار اشباہ ونظائر میں سلام کرنے کے عدم جواز بتانے کے بعد فرمایا؛

''وَالصَّحِيْحُ اَنَّهٗ لَايَرُدُّ فِيْ هٰذِهِ الْمَوَاضِعِ اَيْضًا''

مفہوم اِن کا یہ ہے کہ اِن صورتوں میں اگر کسی ناسمجھ شخص نے سلام کیا تو اُس کے سلام کا جواب نہیں دینا چاہیے۔

فتاویٰ شامی میں فرمایا؛

''كُلُّ مَحَلٍّ لَايُشْرَعُ فِيْهِ السَّلَامُ لَايَجِبُ رَدُّهٗ'' (2)

جس جگہ میں سلام کرنا جائز نہ ہو وہاں پر ناسمجھوں کے سلام کا جواب دینا لازم نہیں ہوتا۔

ساتویں صورت:۔ نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے جملہ حضرات احکام مسجد وآداب انتظار الصلوٰۃ سے غفلت وبے علمی کی وجہ سے سب کے سب دنیا کی جائز باتوں میں مصروف ہوں۔ اِس صورت میں باہر سے آکر مسجد میں داخل ہونے والے نمازی کے لیے اُن پر سلام کرنا جائز نہیں ہے یعنی سلام کرنے کے عدم جواز میں یہ صورت بھی چھٹی صورت کا حکم رکھتی ہے کہ عدم جواز سلام میں دونوں یکساں ہیں۔ لیکن شرعی حکم میں یکساں ہونے کے باوجود علتِ حکم وفلسفہ اِن دونوں کا جدا ہے۔ جس کی مکمل تفصیل آگے چل کر دلائل تفصیلیہ کی شکل میں ہم پیش کریں گے (اِنْشَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی)۔

بہرحال شرعی حکم یعنی عدم جواز سلام کے حوالہ سے اِن دونوں صورتوں میں قطعاً کوئی فرق نہیں ہے چاہے نماز کے انتظار کرنے والے یہ حضرات خاموش بیٹھے ہوئے ہوں یا گفتگو میں مصروف ہوں اور گفتگو کرنے والے چاہے جائز گفتگو کرنے والے ہوں یا ناجائز گفتگو میں مصروف ہوں، بظاہر احکام

---

(1) فتاویٰ عالمگیری، ج5، ص 325۔

(2) فتاویٰ شامی، ج1، ص 457۔

شرعیہ سے مکمل غافل و بے خبر ہوں یا نیم خواندہ علماء ہوں، بظاہر متشرع و نیک ہوں یا فاسق و بدعمل، بہر تقدیر اُن پر سلام کرنے کا جواز نہیں ہے کیوں کہ یہ صورتیں اُن مسائل کے قبیل سے نہیں ہیں جن کا شرعی حکم زمانہ کے حالات یا عُرف اور لوگوں کے حالات کے بدلنے سے بدل سکیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اِن لغو کاری، و بے محل باتیں کرنے والوں کو اِس گناہ سے ٹوکنے کی غرض سے کوئی اہل علم اُنہیں سلام کرے جس سے اُس کا واحد مقصد اِس گناہ سے اُنہیں منع کرنا ہو۔ اگر خدا کا کوئی نیک بندہ بطور تبلیغ ایسا کرے تو اس کے جواز کے اشباہ و نظائر کتب فتاویٰ میں علی سبیل الاختلاف پائے جاتے ہیں، جیسے فتاویٰ عالمگیری میں ہے "لَمْ یَرَ اَبُوْحَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی بِالتَّسْلِیْمِ عَلٰی مَنْ یَلْعَبُ بِالشَّطْرَنْجِ بَاْسًا یُشْغِلُہٗ ذٰلِکَ عَمَّا ھُوَ فِیْہِ" (1) لیکن آج کے معاشرہ میں ایسے اہل علم مبلّغین بہت کم ہیں جو شرعی مسائل سے پوری طرح خود آگاہ ہونے کے ساتھ دوسروں کو بھی لومۃ لائم کی پرواہ کیے بغیر تبلیغ کر سکیں۔

آٹھویں صورت:۔ نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے حضرات میں سے کچھ آداب مسجد اور انتظار الصلوٰۃ کی کیفیت سے متعلقہ شرعی احکام سے بے خبری و بے علمی کی وجہ سے گفتگو کر رہے ہوں اور کچھ احکام شرعی کے مطابق متوجہ اِلَی اللہ ہو کر بظاہر خاموش بیٹھے ہوئے ہوں اس صورت میں بھی اُن پر سلام کرنا جائز نہیں ہے۔ اِس صورت میں سلام کرنے کے عدم جواز کی دلیل اور ساتویں و چھٹی صورتوں کے عدم جواز سلام کی دلیل ایک جیسی ہے جو فقہاء کرام کا مذکورہ فتویٰ عدم جواز ہے جس کی جھلک عالمگیری کی مذکورہ عبارت کی شکل میں ہم بیان کر آئے ہیں اور مزید حوالہ جات چند سطور بعد نذر قارئین کر دیں گے۔ (اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی) یہ اِس لیے کہ فقہاء کرام کا یہ فتویٰ اپنے عموم کے اعتبار سے اِن تمام صورتوں کو شامل ہے جس میں کسی بھی صورت کی تخصیص و تفریق کی گنجائش نہیں ہے۔ اِس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ جن جگہوں میں سلام کرنا جائز نہیں ہوتا اُن میں سے بعض جملہ فقہاء کرام کے نزدیک متفقہ

---

(1) فتاویٰ عالمگیری، ج5، ص 326۔

ہیں اور بعض میں اختلاف ہے۔ مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے حضرات پر سلام کے عدم جواز کا فتویٰ اُن مواقع کے زمرہ میں شامل ہے، جن میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جیسے فتاویٰ عالمگیری نے عدم جواز سلام کے جملہ مواقع بائیس ذکر کیے ہیں جن میں سے اِس کو اُن مواقع میں شمارا ہے جن میں سلام کرنے کے عدم جواز پر جملہ فقہاء متفق ہیں۔ حوالہ کے لیے ملاحظہ ہوں فتاویٰ عالمگیری، ج5، ص325 تا ص326 اور فتاویٰ درالمختار نے بیس (20) مواقع۔

امام صدرالدین الغزی (نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف) کے اِس سلسلہ میں لکھے ہوئے مشہور اشعار میں نقل کرنے کے بعد النہر کے مصنف کیطرف سے اضافہ کردہ تین کو بھی ذکر کر کے کل مواقع (23) بتائے ہیں۔ حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو فتاوی درالمختار، ج1، کتاب الصلوٰۃ، ص89۔

فتاویٰ درالمختار میں مذکور امام کے اِن اشعار کی تشریح کرتے ہوئے فتاویٰ شامی میں اپنے بالواسطہ شیخ حضرت امام رحمتی کے حوالہ سے اِن اشعار کی تشریح کرتے ہوئے امام الفقہاء حضرت ابن عابدین (نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف) نے ذاکر کی تشریح اِن الفاظ میں کی ہے؛

”وَالظَّاهِرُ اَنَّهُ اَعَمُّ فَيُكْرَهُ السَّلَامُ عَلٰى مُشْتَغِلٍ بِذِكْرِ اللهِ تَعَالٰى بِاَيِّ وَجْهٍ كَانَ“ (1)

ذاکر سے مراد متبادر الی الذہن یہی ہے کہ یہ عام ہے لہٰذا کوئی جس طریقے سے بھی اللہ کی یاد میں مصروف ہو اُسے سلام کرنا مکروہ وممنوع ہوگا۔

اہل علم جانتے ہیں کہ علی العموم اللہ کے ذکر کرنے کی مختلف قسمیں ہیں اُن میں سے بعض ذکر مقالی اور بعض ذکر حالی ہیں اور بعض فکری ہیں تو بعض عملی ہیں، بعض جہری ہیں تو بعض سِری ہیں جیسے مفردات القرآن میں امام راغب الاصفہانی میں لکھا ہے؛

”اَلذِّكْرُ تَارَةً يُقَالُ وَيُرَادُ بِهِ هَيْئَةٌ لِلنَّفْسِ بِهَا يُمْكِنُ لِلْاِنْسَانِ اَنْ يَحْفَظَ مَا يَقْتَنِيهِ

(1) فتاویٰ شامی، ج1، ص456۔

مِنَ الْمَعْرِفَةِ وَهُوَ كَالْحِفْظِ اِلَّا اَنَّ الْحِفْظَ يُقَالُ اِعْتِبَارًا بِاِحْرَازِهٖ وَالذِّكْرُ يُقَالُ اِعْتِبَارًا بِاسْتِحْضَارِهٖ وَتَارَةً يُقَالُ لِحُضُوْرِ الشَّيْءِ الْقَلْبَ اَوِ الْقَوْلَ وَلِذٰلِكَ قِيْلَ الذِّكْرُ ذِكْرَانِ ذِكْرٌ بِالْقَلْبِ وَذِكْرٌ بِاللِّسَانِ "(1)

تفسیر محاسن التاویل میں سورۃ بقرہ، آیت نمبر 152 کی تفسیر کے تحت حضرت سعید ابن جبیر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے لکھا ہے؛

"اِعْلَمْ اَنَّ فَضِيْلَةَ الذِّكْرِ غَيْرُ مُنْحَصِرَةٍ فِي التَّسْبِيْحِ وَالتَّهْلِيْلِ وَالتَّحْمِيْدِ وَالتَّكْبِيْرِ وَنَحْوِهِمَا بَلْ كُلُّ عَامِلٍ لِلّٰهِ تَعَالٰى بِطَاعَةٍ فَهُوَ ذَاكِرٌ لِلّٰهِ تَعَالٰى "(2)

گویا حضرت امام رحمتی اور امام ابن عابدین نے ذکر کو عام قرار دے کر اُس کی اِن تمام شکلوں میں مصروف اشخاص پر سلام کرنے کو مکروہ وممنوع بتایا ہے۔ تو اہل علم جانتے ہیں کہ مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھنے والوں سے بھی شریعت کا، اللہ اور اِس کے رسول کا یہی تقاضا ہے کہ مسجد میں آنے کے وقت سے لے کر نماز کے شروع ہونے تک دنیوی باتوں سے منقطع ہو کر اللہ کی یاد میں مصروف رہیں۔ چاہے زبان، یا دل سے، جہراً یا سراً کریں۔ بہر حال شریعت کا اللہ اور اُس کے رسول کا مسجد کا اور نماز کا اُن سے فقط یہی تقاضا ہے کہ اس وقت کو غنیمت جانے اور دنیوی باتوں میں اُسے ضائع نہ کریں۔ ایسے میں کون کہہ سکتا ہے کہ مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے حضرات کا حکم ذاکر کا نہیں ہے یا وہ مکلف و مسئول بالذکر نہیں ہیں پھر بھی اگر کچھ اشخاص اپنی ماحولیاتی ناسمجھی کی وجہ سے یا کسی بھی ناسمجھی و جہالت کی بنا پر سعادت کے اِن لمحات کو ضائع کرتے ہوئے، آداب مسجد کے تقاضوں کو پامال کرتے ہوئے اور انتظارِ صلوٰۃ کے مسنون طریقے کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ربّ ذوالجلال کے گھر میں اُس کی ضیافت، اُس کی فکر، اس کے ذکر اور اُس کی منشاء کے برعکس دنیوی باتوں میں لگ کر باغ جنت کے میووں سے

(1) مفردات القرآن امام راغب الاصفهانی میں (ذ،ك،ر)۔

(2) تفسیر محاسن التاویل، ج2، ص311۔

خود کو محروم کررہے ہوں تو اُن کا یہ کردار شریعت کی زبان میں لغو کہلاتا ہے اور دنیوی باتیں کرنے والے یہ نا سمجھ حضرات لغو کرنے والے اور بے محل حرکت کرنے والے کہلاتے ہیں۔ تو جب تک وہ اس لغو گوئی ولغو کاری میں مشغول رہیں گے اُس وقت تک فتاویٰ شامی کے مطابق اُن پر سلام کرنا جائز نہیں ہوگا۔ نیز جب تک وہ اِس بے محل گفتگو کی لغو کاری میں مشغول ہیں اُس وقت تک وہ فاسق کہلائیں گے اور فاسق پر بھی حالت فسق میں سلام کرنا فتاویٰ شامی کے محولہ بالا کے مطابق نا جائز ہے۔ اِس سلسلہ میں فتاویٰ شامی کی پوری عبارت اس طرح ہے؛

''وَلَایُسَلِّمُ عَلَی الشَّیْخِ الْمُمَازِحِ وَالْکَذَّابِ وَاللَّاغِیْ وَمَنْ یَسُبُّ النَّاسَ اَوْ یَنْظُرُوُجُوْہَ الْاَجْنَبِیَاتِ وَعَلَی الْفَاسِقِ الْمُعْلِنِ''(1)

نیز امام جلال الدین سیوطی نور اللہ مرقدہٗ نے سلام کا جواب دینا واجب نہ ہونے کی بابت اشعار میں جن اکیس (21) جگہوں کا ذکر فرمایا ہے اُن میں ایک فاسق بھی ہے۔

علاوہ ازیں فتاویٰ الدُّرالمختار میں سلام کے ناجائز ہونے کے 23 مواقع جو بیان ہوئے ہیں اُن کی تشریح پیش کرنے کے بعد فتاویٰ شامیہ کے مصنّف نے اپنے بالواسطہ شیخ حضرت الشیخ المصطفیٰ الرحمتی کے حوالہ سے جن مواقع کا اضافہ بتایا ہے اُن میں بھی مسجد میں نماز کے انتظار سے بیٹھے ہوئے حضرات پر سلام کرنے کے عدم جواز کے فتویٰ کو ذکر کیا ہے۔ (حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی، ج 1، ص 456)

ان تمام حوالہ جات کا خلاصہ یہ ہے کہ سلام کرنے کے ناجائز ہونے کے مواقع کی تعداد میں فقہاء کرام کے مابین اختلاف ہے اُن کی تعداد بیس ہو یا چوبیس بہر حال مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے حضرات پر سلام کے ناجائز ہونے پر سب متفق ہیں۔ نیز سلام کے ناجائز ہونے کے اِن متفقہ مواقع کی تعداد چاہے جتنی بھی ہو، بہر حال اِن میں سے بعض جگہوں میں کسی نا سمجھ کی طرف سے سلام کئے جانے

(1) فتاویٰ شامی، ج 1، ص 457۔

پر اُس کا جواب دینے کے لازم ہونے یا نہ ہونے کا جو اختلاف ہے وہ بھی مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے حضرات پر سلام کرنے کی غلطی کرنے والوں کے متعلق نہیں ہے اسلئے کہ یہ اُن جگہوں میں شمار ہے جن میں سلام کا جواب لازم نہ ہونے پر فتویٰ ہے۔ جیسے فتاویٰ عالمگیری میں فرمایا ہے؛

''لَوْسَلَّمَ عَلَيْهِم الدَّاخِلُ وَسِعَهُمْ اَنْ لَا يُجِيْبُوْهُ'' (1)

اِس کے ایک سطر بعد لکھا ہے؛

''وَالصَّحِيْحُ اَنَّهُ لَا يَرُدُّ فِي هٰذِهِ الْمَوَاضِعِ اَيْضًا''

ایسی جگہوں میں سلام کرنے کی غلطی کرنے والوں کو جواب نہ دینے کا فتویٰ ہی صحیح ہے۔

مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے حضرات پر سلام کے ناجائز ہونے پر جملہ فقہاء متقدمین ومتاخرین کے متفق ہونے کی طرح دورِ حاضر میں فقہ حنفی کے پیروکار کہلانے والے ہر دو گروہ ''دیوبندی وبریلوی'' علماء کرام کا بھی اس کے عدمِ جواز میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جیسے اشرف علی تھانوی نے اِسی قسم کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے امداد الفتاویٰ، کتاب الصلوٰۃ میں اسے ناجائز بتاتے ہوئے فتاویٰ شامی، الدرالمختار اور عالمگیری کے مذکورہ فتویٰ ''وَلَوْسُلِّمَ عَلَيْهِمْ لَا يَجِبُ عَلَيْهِم الرَّدُّ'' (2) کو بطورِ دلیل بیان کیا ہے۔

نیز مفتی دیوبند مولانا نظام الدین اعظمی نے بھی اپنے فتویٰ مجریہ ۲۵-۳-۱۴۰۱ھ میں فتاویٰ عالمگیری کی مذکورہ عبارت کو دلیل بنا کر اِس کے عدمِ جواز کا صراحتاً فتویٰ دیا ہے۔ یہ ایک الگ بات ہے کہ اس مسئلہ میں فقہاء کرام کے عین مطابق درست جواب دینے کے بعد موصوف نے گھر میں داخل ہونے والوں کے لیے سلام کے مسنون ہونے کے مسئلہ کو بے محل چھیڑ کر بچکانہ حرکت کی ہے۔ اس طرح خلطِ مبحث کرنا کسی پختہ مفتی کے شایانِ شان نہیں ہے۔ کاش مسجد سے متعلقہ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے غیر

---

(1) فتاویٰ عالمگیری، ج5، ص325۔

(2) امداد الفتاویٰ، ج1، ص34، کتاب الصلوٰۃ۔

متعلقہ مسائل کو چھیڑنے کی بجائے اِسی کے جملہ پہلوؤں کی وضاحت کی ہوتی تو مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھنے والے حضرات کے حوالہ سے شرعی احکام کی تبلیغ کا مکمل حق ادا ہو جاتا۔ جس کی بدولت نہ غیر معیاری مفتیوں کو کسی قسم کا مغالطہ لگتا نہ ہمیں اِس تفصیل میں پڑنے کی ضرورت رہتی۔

مقامِ تعجب ہے کہ فقہاء کرام کی کتب فتاوٰی کے مطابق مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے حضرات پر سلام کے عدم جواز کے اِس متفقہ فتویٰ کے ہوتے ہوئے ہمارے اِن معاصر مفتیان کرام کا اسے جائز بتاتے ہوئے اپنے پیٹ سے اٹکل پچو چلانا عوام کی گمراہی کا سامان نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا۔ شاید ایسے ہی ناپختہ مفتیوں کو نصیحت کرتے ہوئے مفتی دیار شامیہ حضرت ابن عابدین (نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف) نے اپنے رسائل میں فرمایا؛

''فَاِنَّ الْمُجَازَفَةَ فِي اَحْكَامِ اللّٰهِ تَعَالٰى حَرَامٌ بِالْاِجْمَاعِ فَرَاجِعْ كُتُبَ الْمَذْهَبِ حَتّٰى تَقِفَ عَلَى الصَّوَابِ'' (1)

اے ناپختہ مفتی اللہ تعالیٰ کے احکام کی بابت اٹکل پچو چلانا باجماع الامۃ حرام ہے لہٰذا صحیح فتویٰ دینے کے لیے مذہب کی کتابوں کی طرف رجوع کرو تا کہ حق پر مطلع ہو سکو۔

یہاں تک اصل پیش آمدہ مسئلہ کی بقدر کفایت تحقیق ہم نے نذر قارئین کی اِس کی مزید وضاحت کے لیے ضروری ہے کہ مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے حضرات پر سلام کے ناجائز ہونے کی حکمت وفلسفہ کو سمجھا جائے۔

فقہاء اسلام کے فتوؤں کی روشنی میں ثابت کیا جاچکا ہے کہ مسجد میں نماز کے انتظار سے بیٹھے ہوئے حضرات کو سلام کرنا بے محل و ناجائز ہے اب ہمیں اس کے عدم جواز کے فلسفہ وحکمت پر بھی غور کرنا چاہئے کہ فقہاء کرام نے کس فلسفہ کے تحت اِس کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا ہوا ہے۔ ہماری رسائی فہم کے مطابق اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں مسجد کی بنیادی غرض وغایت صرف اور

---

(1) رسائل ابن عابدین، ج 1، ص 365، مطبوعہ سہیل اکیڈیمی لاہور۔

صرف اللہ کی عبادت ہے چاہے یہ عبادت جس شکل میں بھی ہو یعنی نماز کی شکل میں یا اعتکاف کی شکل میں، ذِکر واذکار اور مراقبہ کی صورت میں یا لِوَجہِ اللہ تعلیم و تبلیغ کی صورت میں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ''(1)

یعنی مسجدیں اللہ کی عبادت کے لیے خاص ہیں۔

حدیث شریف میں اللہ کے حبیب نبی اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا؛

''فَاِنَّ الْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ لِهٰذَا''(2)

یعنی دُنیا سے متعلقہ باتوں کے لیے مسجدیں نہیں بنائی گئی ہیں۔

اسی بنیاد پر ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا؛

''اِذَا دَخَلْتُمُ الْمَسْجِدَ فَعَلَيْكُمْ بِالْاِرْتَاعِ''(3)

یعنی جب تم مسجد میں جاؤ تو باغ جنت کے میوے چنو۔

اہل علم جانتے ہیں کہ مسجد میں بیٹھ کر دنیوی باتیں کرنے سے باغ جنت کے میوے نہیں چُنے جاسکتے بلکہ اس کا واحد مظہر متوجہ اِلَی اللہ ہونا، عبادت کرنا اور ذکر واذکار اور تسبیح میں مشغول رہنا ہے جیسے ایک روایت میں آیا ہے کہ جب اللہ کے حبیب نبی اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ؛

''جب بھی جنت کے باغوں کے ساتھ تمہارا واسطہ پڑے تو رتع حاصل کرو''

صحابہ کرام نے پوچھا؛ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنّت کے باغ سے کیا مراد ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کے جواب میں فرمایا کہ ''اس سے مراد مسجد ہے۔''

پھر صحابہ نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''رتع'' سے کیا مراد ہے؛

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اس سے مراد تسبیح وتہلیل پڑھنے کے ساتھ اللہ کو یاد کرنا ہے۔''

---

(1) الجن،18۔ (2) مسلم شریف، ج1، ص210۔

(3) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ج1، ص466۔

اس قسم کی نصوص کا واضح مفاد یہی ہے کہ مسجدوں کی بناو تعمیر سے بنیادی مقصد اللہ تعالیٰ کے ساتھ لاؤ لگانا ہے چاہے نماز کی شکل میں ہو یا ذکر واذکار وغیرہ عبادات کی صورت میں فقہاء کرام کا اِن نصوص کے مطابق نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے حضرات پر سلام کرنے کے عدم جواز کا فتویٰ دینا عین مقتضاء فطرت ہے۔ قربان جاؤں ان کی نگاہ بصیرت پر کہ انہوں نے اس فتویٰ میں جہاں مسجد کی بناء وتعمیر کے اصل مقصد کو ملحوظ خاطر رکھا وہاں ایک دوسرے پر سلام کرنے کے مقاصد کو بھی پیش نظر رکھا کہ یہ سنت پیغمبر اور اسلامی حکم ہونے کے ساتھ باہمی تکلم بھی ہے۔ اس کی یہ حیثیت بناء مسجد کے بنیادی مقصد کے منافی ہونے کی بنا پر اس کے عدم جواز کی مقتضی ہے۔ جس کی فقہی اور تفصیلی دلیل استدلالِ مباشر کی شکل میں اس طرح ہوگی؛

اگر نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھے ہوئے حضرات پر سلام کرنا جائز ہوتا۔

تو وہ بناء مسجد کے بنیادی مقصد کے بھی موافق ہوتا۔

لیکن یہ انسانوں کے ساتھ ہمکلامی ہونے کی وجہ سے ایسا نہیں ہے۔

نتیجہ:۔ لہٰذا مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے حضرات پر سلام کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

اس کے ساتھ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ باہر سے آنے والوں کا پہلے سے مسجد میں موجود حضرات پر سلام کرنے کے جواز اور عدم جواز کے حوالہ سے گزشتہ سطور میں جو بارہ (12) مختلف صورتیں بمع احکام کے ہم بیان کر آئے ہیں اُن پر فقہی استدلال بھی نذر قارئین کر دیں۔ تو اِس سلسلہ میں پہلی دوسری، تیسری، چوتھی اور پانچویں صورتوں کا حکم بھی ایک ہے اور دلیل بھی ایک ہے۔ جو استدلالِ غیر مباشر کی شکل میں اس طرح ہے۔

شرعی حکم ومدعا:۔ اِن پانچوں صورتوں میں سلام کرنا نہ صرف جائز بلکہ سنّت ہے۔

صغریٰ:۔ کیوں کہ یہ سب کے سب یُسَلِّمُ الْمَاشِیُ عَلَی الْجَالِسِ وَالْقَائِمُ عَلَی الْقَاعِدِ کے عام شرعی اصول کے زمرہ میں شامل ہیں۔

کبریٰ:۔ اِس اُصول کے زمرہ میں شامل ہر صورت میں سلام کرنا نہ صرف جائز بلکہ سنّت ہے۔

حاصل نتیجہ:۔ لہٰذا مذکورہ پانچوں صورتوں میں سلام کرنا نہ صرف جائز بلکہ سنّت ہے۔

چھٹی صورت کے مذکورہ حکم پر فقہی دلیل بصورت استدلال غیر مباشر اس طرح ہے؛

شرعی حکم و مدعا:۔ مسجد میں پہلے سے کسی کی عدم موجودگی کی صورت میں داخل فی المسجد ہونے والوں کو اللہ کے رسول رحمت عالم ﷺ کی روح اقدس پر یا ملائکوں پر یا خود اپنے اُوپر یا عباد اللہ الصالحین پر سلام کرنا سنت یا مستحب ہے۔

صغریٰ:۔ کیوں کہ اس طرح سلام کرنے کا حکم غیر مفید للوجوب ترغیبی روایات میں آیا ہے۔

کبریٰ:۔ غیر مفید للوجوب ترغیبی روایات کا مفاد سنت یا مستحب ہوتا ہے۔

نتیجہ:۔ لہٰذا پیشِ نظر صورت میں بھی سلام کرنا سنت یا مستحب ہے۔

ساتویں صورت کے شرعی حکم پر تفصیلی دلیل اس طرح ہے؛

شرعی حکم و مدعا:۔ مسجد میں نماز کے انتظار میں پہلے سے بیٹھے ہوئے حضرات پر سلام کرنا مکروہ و ناجائز ہے۔

صغریٰ:۔ کیوں کہ یہ متفقہ طور پر ممنوع السلام مواقع کے زمرہ میں شامل ہے۔

کبریٰ:۔ ممنوع السلام مواقع کی ہر صورت میں سلام کرنا مکروہ و ناجائز ہے۔

حاصلِ نتیجہ:۔ لہٰذا پہلے سے مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے حضرات پر سلام کرنا مکروہ و ناجائز ہے۔

آٹھویں صورت کے شرعی حکم پر تفصیلی دلیل اس طرح ہے؛

شرعی حکم و مدّعا:۔ نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تمام حضرات اپنی بے علمی کیوجہ سے دنیوی باتوں میں مصروف ہوں تو باہر سے آنے والوں کا اُن پر سلام کرنا ناجائز ہے۔

صغریٰ:۔ کیوں کہ یہ سلام اُن کے ساتھ ہمکلام ہونے کی وجہ سے اِس ظلم و منکر اور بے محل گفتگو میں اُن

کے ساتھ شرکت ہے۔

کبریٰ:۔ظلم و منکر اور بے محل گفتگو میں شرکت کی ہر صورت ناجائز ہوتی ہے۔

حاصلِ نتیجہ:۔لہٰذا اِن لوگوں پر سلام کرنا بھی ناجائز ہے۔

نویں صورت کے شرعی حکم پر فقہی دلیل ساتویں صورت کی دلیل کی طرح ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اِن دونوں صورتوں میں اگر کوئی اسلامی مبلّغ یا کوئی مصلح مسلمان اس گناہ سے اُنہیں ٹوکنے اور منع کرنے کی نیت سے اُن پر سلام کرے تو یہ جائز ہوسکتا ہے جس کی فقہی دلیل اس طرح ہوگی؛

شرعی حکم و مدّعا:۔نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھ کر دنیوی باتیں کرنے والوں کو اس گناہ سے بچانے کی نیت سے سلام کرنا جائز ہے۔

صغریٰ:۔کیوں کہ یہ نہی عن المنکر کی ایک شکل ہے۔

کبریٰ:۔نہی عن المنکر کی ہر شکل جائز ہے۔

حاصلِ نتیجہ:۔لہٰذا ٹوکنے کی نیت سے اِن لوگوں پر سلام کرنا بھی جائز ہے۔

دسویں صورت کے حکم پر فقہی دلیل اِس طرح ہے؟

شرعی حکم و مدّعا:۔دعا میں مصروف شخص یا اشخاص چاہے مسجد میں ہوں یا مسجد سے بیرون کسی بھی جگہ میں، نیز انفرادی دعا میں ہو یا اجتماعی دعا میں مصروف ہو۔ نیز نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہو یا عام حالات میں بہر تقدیر اِن پر سلام کرنا جائز نہیں ہے۔

صغریٰ:۔کیوں کہ دعا کا عبادت ہونے کیوجہ سے یہ اُن کی عبادت میں خلل اندازی ہے۔

کبریٰ:۔کسی کی عبادت میں خلل اندازی کی ہر صورت ناجائز ہے۔

حاصلِ نتیجہ:۔لہٰذا اِن حضرات پر سلام کرنا بھی ناجائز ہے۔

گیارہویں صورت کے شرعی حکم پر فقہی دلیل دسویں صورت کی دلیل کی طرح ہی ہے۔

بارھویں صورت میں نماز یا ذکر و اذکار میں مصروف حضرات پر سلام کرنے کے عدم جواز کی دلیل

گیارھویں اور دسویں صورتوں کی دلیل سے ذرّہ برابر مختلف نہیں ہے۔ البتہ اس کی تیسری صورت یعنی ذاکرین ونمازیوں جیسے عابدین کے مقابلہ میں خاموش بیٹھے ہوئے حضرات پر عدم جوازِ سلام اس لیے ہے کہ آداب واحکام مسجد اور انتظارِ صلوٰۃ کے حوالہ سے وہ بھی ذاکرین کے حکم میں ہیں۔ جس کے مطابق خاص ان کی نیت کر کے سلام کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ جس پر تفصیلی دلیل اس طرح ہوگی؟

شرعی حکم ومدّعا:۔ ذاکرین ونمازیوں کے ساتھ خاموش بیٹھے نماز کے انتظار کرنے والے حضرات پر سلام کرنا بھی ناجائز ہے۔

صغریٰ:۔ کیوں کہ یہ اُن لوگوں کی توجہ اپنی طرف کرنا ہے جو ذاکرین ومتوجہین اِلی اللہ کے حکم میں ہیں۔

کبریٰ:۔ ذاکرین ومتوجہین اِلی اللہ کے حکم والوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوئی صورت بھی جائز نہیں ہوتی۔

حاصلِ نتیجہ:۔ لہٰذا اِن لوگوں کی نیت کر کے سلام کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

پیشِ نظر مسئلہ کی مذکورہ صورتوں کے شرعی احکام پر فقہی دلائل کی تفصیل نذرِ قارئین کرنے کے بعد ضروری سمجھتا ہوں کہ کن کن مواقع پر سلام کرنے کے عدم جواز پر فقہاء کرام کا اختلاف ہے اور کون کونسے مواقع ایسے ہیں جن میں سلام کرنے کے عدم جواز پر تمام فقہاء اسلام متفق ہیں اُن کی جدا جدا فہرست بھی نذر قارئین کر دوں تا کہ امامان مساجد سمیت اسلامی احکام سے آگاہی کے درپے رہنے والے حضرات کی رہنمائی ہو سکے۔ وہ مواقع جن میں سلام کرنا جملہ فقہاءِ اسلام کے نزدیک بالاتفاق ممنوع ہے؛

1 نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھے ہوئے حضرات۔

2 قرأت وتلاوت کرنے والے چاہے مسجد میں ہو یا بیرون مسجد کسی بھی جگہ میں۔

3 تسبیح وتہلیل یا ذکر واذکار میں مشغول حضرات چاہے جہاں پر بھی ہوں۔

4 علمی مذاکرہ میں مشغول حضرات چاہے یہ مذاکرہ جس شکل میں بھی ہو اور جس جگہ پر بھی ہو۔

5 اذان دینے میں مصروف ہو۔ 6 اقامت کرنے میں مصروف ہو۔

7 خطبہ دینے یا سننے میں مصروف ہو چاہے یہ خطبہ جونسا بھی ہو اور جس جگہ پر بھی ہو۔

8 وعظ ونصیحت کرنیوالے ہو یا وعظ و نصیحت سننے والے ہو اور یہ حضرات چاہے جہاں پر بھی ہوں۔

9 مراقبہ کی حالت میں ہو چاہے جہاں پر بھی ہو۔

10 شیخ ممازح یعنی بے باک مسخرہ باز بوڑھا جو وقت، جگہ اور حالات کی تمیز کئے بغیر ہمیشہ مسخرہ بازی کے شغل میں مبتلا ہو۔

11 کذاب یعنی وہ شخص جسے جھوٹ بولنے کی ایسی عادت ہو کہ اُسے معیوب و گناہ سمجھنے کی جگہ ہنر وکمال تصور کر کے اُس میں مبتلا ہو۔

12 لاغی یعنی وہ شخص جو بے محل کام کرنے اور جائز و ناجائز کی تمیز کئے بغیر عام حالات میں ناجائز و بے محل قول وعمل کرنے کے شغل میں مبتلا ہو۔

13 لوگوں کو گالی دینے اور بدزبانی کرنے کے گناہ کا عادی مجرم ہو۔

14 نامحرم عورتوں کو ارادی طور پر دیکھنے کا عادی مجرم ہو۔

15 گانا گانے کا عادی مجرم ہو۔ 16 جو ننگا ہو چاہے جس جگہ پر بھی ہو۔

17 چھوٹے یا بڑے پیشاب کے لیے بیٹھا ہو۔

18 کبوتر باز جو اپنے گھر کی چھت پر یا کسی بھی اونچی جگہ میں بیٹھ کر کبوتر بازی کرتے ہوئے لوگوں کے گھروں میں دیکھنے کا جرم کرتا ہو۔

19 جو غسل خانے میں ہو یا بغیر غسل خانہ کے بھی کسی کھلی جگہ میں لنگوٹ باندھ کر نہا رہا ہو یعنی غسل کی حالت میں ہو۔

20 جو نماز میں ہو چاہے جس جگہ پر بھی ہو اور جس قسم کی نماز میں بھی ہو۔

21 جو کھانے پینے میں مصروف ہو چاہے جہاں پر بھی ہو۔

22 جو تکبیر پڑھنے میں یا بیت اللہ شریف کے طواف کرنے میں مصروف ہو۔

23 قاضی جب منصب قضا پر بیٹھا ہو۔ 24 مفتی جب فتویٰ لکھنے میں مصروف ہو۔

وہ مواقع جن میں سلام کرنے کے جواز وعدم جواز میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے؛

1 شطرنج کھیلنے کا ایسا عادی ہو جو ہر وقت اسی فکر میں رہتا ہے۔

2 علانیہ فاسق ہو مثلاً استاذ کا یا والدین کا نافرمان اور ان کی بے ادبی کرنے کا مجرم ہو۔

زیر نظر مسئلہ کا ایک گوشہ یہ بھی ہے کہ جن جگہوں میں سلام کرنا جائز نہیں ہوتا ان کی فہرست چاہے مختصر ہو یا طویل، متفقہ ہو یا اختلافی، مسجد میں ہو یا بیرون مسجد۔ بہر تقدیر سلام کا عدم جواز کسی حکمت وفلسفہ کے بغیر نہیں ہوتا کیوں کہ اس حوالہ سے ایک دو جگہوں کے علاوہ اور کسی جگہ میں بھی اس کے ناجائز ہونے پر صریح نص موجود نہیں ہے تو فقہاء کرام نے اور جتنے مواقع کو بھی ناجائز قرار دیا ہے۔ اُس کی بنیاد شرعی قیاس واستحسان پر استوار ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جس جگہ اللہ کے رسول ﷺ نے سلام کرنے سے منع فرمایا ہے اُس کا فلسفہ وعلت بھی کسی نا کسی طریقے سے بتادی گئی ہے۔ اب وہی علت کسی بھی طریقے سے دوسری جگہ پائی جاتی ہو تو وہیں پر بھی اصل کا حکم جاری ہوگا۔ اسلام کے فروعی احکام کا زیادہ تر حصہ فقہاء کرام ومجتہدین عظام اِسی طریقے سے ثابت کرتے ہیں اور اسلامی فقہ کا اصل مقصد بھی یہی کچھ ہے۔ اس اصول کی روشنی میں جب ہم دیکھتے ہیں تو فقہاء اسلام کے بیان کردہ اِن مواقع میں سے بعض میں عدم جواز سلام کی علت وفلسفہ عبادت میں یا توجہ الی اللہ میں خلل ڈالنا ہے جیسے نماز، ذکر و اذکار، تلاوت، وعظ ونصیحت، درس وتدریس، اذان، اقامت، خطبہ، مراقبہ اور طواف جیسے مواقع میں ہوتا ہے۔ اور بعض میں حیاء کا منافی ہونا ہے جیسے بے لباسی، نہانے کی حالت یا بول وبُراز جیسے حالات میں ہوتا ہے کیوں کہ اس قسم جتنے بھی حالات ہوسکتے ہیں اُن سب میں دوسروں سے ستر وحیاء کا تقاضا ہوتا ہے۔ جبکہ سلام ہمکلامی ہونے کیوں کہ سے اس کے منافی ہے۔ اور بعض میں تضاد ہوتا ہے جیسے کذاب، فراڈی، لہو ولعب میں مبتلا یا نامحرم عورتوں کو ارادی طور پر دیکھنے کے عادی مجرموں کی صورتوں میں ہوتا ہے کہ یہ لوگ علانیہ فسق کی وجہ سے واجب التوہین ہیں جبکہ انہیں سلام کرنے میں ان کی تعظیم

ہے اور تعظیم وتوہین ایک دوسرے کے ضد ہونے کی وجہ سے ان پر سلام کرنا جائز نہیں ہے۔

ہماری اِس تحقیق کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ فقہاء کرام ومجتہدین اسلام کی کتب فتاوی میں سلام کے عدم جواز کے حوالہ سے جتنے مواقع بیان ہوئے ہیں۔ یہ صرف وہی ہیں جو تاریخ کے مختلف ادوار میں شرعی حیثیت معلوم کرنے کے لیے اِن کے سامنے پیش کئے گئے تھے ورنہ عدم جواز سلام کے مواقع وجزئیات کی اِن ہی کے ساتھ تخصیص نہیں ہے بلکہ اِن کے علاوہ اور جہاں کہیں بھی مذکورہ علتوں میں سے کوئی ایک پائی جائے تو وہیں پر بھی شرعی حکم یہی عدم جواز ہوگا۔ پیشِ نظر مسئلہ کے حوالہ سے ایک قابلِ افسوس بات یہ بھی ہے کہ غیر معیاری مفتیوں کے غلط فتوؤں کی وجہ سے عوام خدا جانے کتنے عرصہ سے اس غلط روش کے عادی چلے آرہے ہیں۔ ممنوع فی الاسلام کو مسنون فی الاسلام اور بدعت کو سنت جاننے کی اِس بدعتِ اعتقادی اور عملی کا ارتکاب کرتے آرہے ہیں۔ سچ کہا ہے صاحب ہدایہ نے۔

فَسَادُ کَبِیْرُ عَالِمُ مُتَھَتِّکُ وَاکْبَرُ مِنۡہُ جَاھِلُ مُتَنَسِّکُ

ھُمَافِتۡنَۃُ عَظِیۡمَۃُ لِمَنۡ بِھِمَا فِی دِیۡنِہ یَتَنَسَّکُ

یعنی اٹکل پچو چلا کر غلط فتویٰ دینے والے علماء بڑا فساد ہیں اور اُن سے بھی بڑا فساد اُن کے غلط فتوؤں کو شرعی فتویٰ سمجھ کر اُن پر عمل کرنے والے عوام ہوتے ہیں اور یہ دونوں آئندہ نسلوں کے لیے بڑے فتنے ہیں جو ان کے عمل کو دیکھ کر آئندہ ایسا کرتے رہیں گے۔

قارئین ہٰذا! صاحب ہدایہ کی اِس نصیحت کی روشنی میں پیش نظر مسئلہ کے حوالہ سے آج کل مسجدوں میں مسلمانوں کی معکوس العملی کو دیکھیں تو صاحب ہدایہ کی دور بین نگاہ بصیرت کو داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اِس حوالہ سے معروضی حالات کا یہ عالم ہے کہ پہلے سے مسجد میں آئے ہوئے کچھ حضرات نماز پڑھ رہے ہیں بعض ذکر اذکار میں مصروف ہیں، بعض تلاوت میں مشغول ہیں اور بعض روبقبلہ متوجہ الی اللہ بیٹھے ہوئے ہیں تو باہر سے آنکر مسجد میں داخل ہونے والے اُن پر با آواز بلند سلام کرکے کیا پا رہے ہیں اور کیا کھو رہے ہیں؟ (فَاعۡتَبِرُوۡا یَاُولِی الۡاَبۡصَارِ) نہ صرف اسی پر اکتفا بلکہ اگر کوئی شخص سلام کیے بغیر

اندر آ جائے تو اُلٹا اُسے معیوب سمجھا جاتا ہے۔ مساجد اور نمازیوں کے حوالہ سے بے اعتدالیوں کی سرحد صرف یہیں پر ختم نہیں ہوتی بلکہ اِس قسم بدعت کاریوں کا دائرہ اور بھی وسیع ہے جماعت کے لیے اقامت کے آغاز سے ہی مقتدیوں کے کھڑے ہونے کی بدعت اور جمعہ کی ''بین یدی الخطیب'' اذان کا مسجد کے اندر صف اوّل میں خطیب کے منہ میں منہ ڈال کر جو دی جاتی ہے یہ بھی اس معکوس العملی کی واضح مثالیں ہیں اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اقامت میں ''حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ'' سے پہلے کھڑے ہونے سے منع جملہ فقہاء اسلام کی کتب فتاویٰ میں موجود ہونے کے باوجود اور بین یدی الخطیب اذان جمعہ کا مسجد کی حد سے باہر آمنے سامنے دروازہ پر سنت پیغمبر وسنت خلفاء راشدین ہونے کے باوجود اِن بدعات کی ترویج کب سے شروع ہوئی اور ابتداء کس نے کی جس میں آج کل نمازیوں کی کافی تعداد مبتلا ہے۔ بہر تقدیر مشتے نمونہ از خروارے یہ نمازیوں اور مسجدوں سے متعلقہ اُن خلاف سنت بے اعتدالیوں کی چند جھلکیاں تھیں۔ اب بدعت ہوئے بغیر ویسے ہی گناہ ہونے کے اعتبار سے دیکھا جائے تو کتنے نمازی اور اچھے خاصے اہل علم بھی ایسے ہیں جو مسجدوں میں دنیوی باتیں کرتے ہیں ، بغیر نیت اعتکاف کے کھاتے پیتے ہیں جبکہ اکابرین اسلام کے متفقہ فتووں کے مطابق یہ سب کچھ گناہ محض ہیں ، بے محل لغوکاریاں ہیں اور آداب مسجد سے متعلقہ نیکیوں کو ضائع کرنے کے ساتھ احکام مسجد کے بھی منافی ہیں جیسے فتاویٰ فتح القدیر میں ہے ؛

''اَلْکَلَامُ الْمُبَاحُ فِیْہِ مَکْرُوْہٌ یَاکُلُ الْحَسَنَاتِ''(1)

اور مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں بھی اسی طرح موجود ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ، ج7، ص384) شامی میں ہے ؛

''اَلْحَدِیْثُ فِی الْمَسْجِدِ یَاْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَاتَاْکُلُ الْبَھِیْمَۃُ الْحَشِیْشَ''(2)

اِس سے بھی بدتر معصیت ، مسجد کی توہین ، پاک فطرت نمازیوں اور فرشتوں کی ایذا رسانی کا سبب

---

(1) فتاویٰ فتح القدیر ، ج1، ص369، کتاب الصلوٰۃ۔

(2) شامی ، ج1، ص489۔

سگریٹ پینے والوں کا اُس کی غلیظ بد بو منہ میں لے کر مسجدوں میں جانا ہے اور صفوں میں کھڑے ہو کر نماز کو خراب کرنا اور نمازیوں کو اِس بد بو سے اذیت پہنچانا ہے۔ جسے کسی بھی مذہب میں جائز نہیں سمجھا گیا۔ ایسے نشئی لوگوں کو مسجد میں جانے سے ہی اللہ کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے چہ جائے کہ ایک صف میں پاک فطرت نمازیوں کے ساتھ کھڑے ہونا اُن کا جائز ہو سکے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا؛

''مَنْ اَکَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ الْمُنْتِنَةِ فَلا يَقْرُبَنَّ مَسْجِدَنَا فَاِنَّ الْمَلٰٓئِكَةَ تَتَاذّٰى مِمَّا يَتَاذّٰى مِنْهُ الْاِنْسُ''(1)

جو شخص اس بدبودار سبزی (پیاز) کو کھائے تو ہماری مسجد کے قریب نہ آئے کیوں کہ فرشتوں کو بھی اس بد بو سے تکلیف پہنچتی ہے، جس سے انسانوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔

جب محض بد بو کی وجہ سے کچا پیاز کھانے والوں کو مسجد کے قریب آنے سے ہی منع کیا گیا ہے تو پھر سگریٹ جیسے غلیظ بُو والے نشہ کے عادی لوگوں کو مسجد کے اندر جانے کی اجازت کا کیا امکان ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام نے ہر بد بُو دار چیز کو اِس پر قیاس کر کے جب تک اس کی بُو مکمل ختم نہیں ہوتی اُس وقت تک اُن لوگوں کے لیے مسجد کے اندر جانے کو ممنوع قرار دیا ہے فقہ کی وہ کونسی کتاب فتاویٰ ہو سکتی ہے جس میں شریعت کا یہ حکم لکھا ہوا موجود نہ ہو جیسے فتاویٰ الدر المختار، ج 1، ص 82 پر واضح لکھا ہوا ہے جس کی تشریح کرتے ہوئے فتاویٰ شامی میں لکھا ہے؛

''كَبَصَلٍ وَنَحْوِهٖ مِمَّالَهٗ رَائِحَةٌ كَرِيْهَةٌ لِلْحَدِيْثِ الصَّحِيْحِ فِي النَّهْيِ''(2)

یعنی منہ میں بد بُو لے کر مسجد میں جانے سے صحیح حدیث میں منع آنے کی وجہ سے پیاز جیسی کسی بھی بد بُو دار چیز کا یہی حکم ہے کہ جب تک اُس کی بد بُو منہ میں موجود ہو اُس وقت تک مسجد میں جانا جائز نہیں ہے۔

---

(1) مشکوٰۃ شریف، ص 68، باب المساجد۔

(2) فتاویٰ شامی نے ج 1، ص 489۔

بخاری شریف میں اِس کے متعلق وارد شدہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے شارح عینی علی البخاری نے لکھا ہے؛

''اَلْعِلَّةُ اَذَی الْمَلٰٓئِکَةِ وَاَذَی الْمُسْلِمِیْنَ فَیَخْتَصُّ النَّهْیُ بِالْمَسْجِدِ وَمَافِی مَعْنَاهَا وَلَایُخْتَصُّ بِمَسْجِدِهٖ ﷺ بَلِ الْمَسَاجِدُ کُلُّهَا سَوَاءٌ عَمَلًا بِرِوَایَةِ مَسَاجِدِنَا بِالْجَمْعِ''(1)

یعنی منہ میں بدبُو لے کر مسجد جانے کے عدم جواز کی علت اُس سے فرشتوں اور نمازیوں کو اذیت پہنچنا ہے لہٰذا یہ نہی مسجدوں کے ساتھ اور اُن جیسی اور مقدس جگہوں کے ساتھ خاص ہوگی اور صرف مسجد نبوی ﷺ کے ساتھ خاص نہیں ہوگی بلکہ اِس روایت میں مساجدنا کے صیغہ جمع پر عمل کرتے ہوئے تمام مسجدوں کا یہی حکم ہوگا کہ منہ میں بدبُو لے کر کسی بھی مسجد میں جانا روانہیں ہے۔

پیاز، مولی، گندانہ اور لہسن جیسی کسی بھی بدبُو دار چیز کی بُو لے کر مسجد کے اندر جانے سے منع کے متعلقہ بخاری شریف کی مذکورہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے شارح کرمانی نے شرح کرمانی علی البخاری میں فرمایا؛

''وَیُلْحَقُ بِالثَّوْمِ کُلُّ مَالَهٗ رَائِحَةٌ کَرِیْهَةٌ مِنَ الْمَاکُوْلَاتِ''(2)

یعنی لہسن جیسی بدبُو دار چیزوں کے حکم میں شمار اجائے گا ہر اُس کھانے کے قابل سبزی کو جس کی مکروہ بُو ہو۔

نمازیوں کو اور فرشتوں کو اذیت پہنچانے کے سبب کسی قسم کی بھی بُو کو لے کر مسجد جانے کے حرام ہونے کے لیے اللہ کے رسول ﷺ کے اس امتناعی حکم کو اور اُس کی شرح کرنے والے محدّثین کرام کی اِن متفقہ

---

(1) شرح عینی علی البخاری ج6، ص146۔

(2) شرح کرمانی علی البخاری، ج5، ص200۔

تصریحات کو دیکھ کر جنوبی ایشیا کے اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم و بے مثل فقیہ امام احمد رضا (نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف) نے تمباکو کی بدبُو کو سب سے غلیظ ترین بدبُو کہہ کر نہ صرف اُسے منہ میں لے کر مسجد جانے کو اور نمازیوں کی صف میں کھڑے ہونے کو نا جائز لکھا بلکہ نمازیوں سے خالی مسجد میں داخل ہونے کو بھی ممنوع وحرام ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ چنانچہ پر اسی نوعیت کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے جو کچھ فرمایا ہے وہ بمع سوال من وعن بلا کم وکاست یہ ہے؛

مسئلہ نمبر 1009، 21 ربیع الاول شریف 1323ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حُقّہ تمبا کو پینے والے کے منہ کی بُو نماز میں دوسرے نمازی کو معلوم ہوئی تو کوئی قباحت تو نہیں ہے؟ (بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا)

الجواب:۔ منہ میں بدبُو ہونے کی حالت میں نماز مکروہ ہے اور ایسی حالت میں مسجد میں جانا حرام ہے جب تک منہ صاف نہ کرلے اور دوسرے نمازی کو ایذا پہنچانی حرام ہے اور دوسرا نمازی نہ بھی ہو تو بدبُو سے ملائکہ کو ایذا پہنچتی ہے۔ حدیث میں ہے؛

''اِنَّ الْمَلٰٓئِکَۃَ تَتَاذّٰی مِمَّا یَتَاذّٰی مِنْہُ بَنُوْ آدَمَ'' (وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَم) (1)

نیز فرمایا؛ ''اگر منہ میں کوئی تغیر رائحہ ہو تو جتنی بار مسواک اور کلّیوں سے اُس کا ازالہ ہو لازم ہے اس کے لیے کوئی حد مقرر نہیں۔ بدبُو دار کثیف بے احتیاطی کا حُقّہ پینے والوں کو اس کا خیال سخت ضروری ہے اور اُن سے زیادہ سگریٹ والے کہ اِس کی بدبُو مرکّب تمبا کو سے سخت تر اور زیادہ دیرپا ہے اور اِن سب سے زائد اشد ضرورت تمبا کو کھانے والوں کو ہے جن کے منہ میں اُس کا جرم دَبا رہتا ہے اور منہ کو اپنی بدبُو سے بسا دیتا ہے یہ سب لوگ وہاں تک مسواک اور کلّیاں کریں کہ منہ بالکل صاف ہو جائے اور بُو کا اصلاً نشان نہ رہے اور اِس کا امتحان یوں ہے کہ ہاتھ اپنے منہ کے قریب لیجا کر منہ کھول کر زور سے تین بار حلق سے پوری سانس ہاتھ پر لیں

(1) فتاویٰ رضویہ، ج 7، ص 384۔

اور معاً سونگھیں بغیر اس کے اندر کی بدبُو خود کم محسوس ہوتی ہے اور جب منہ میں بدبُو ہو تو مسجد میں جانا حرام، نماز میں داخل ہونا منع ۔(وَاللّٰہُ الْھَادِی) (1)

الغرض حُقّہ اور سگریٹ جیسی غلیظ بدبُو منہ میں لے کر مسجد جانے، نمازیوں کی صف میں کھڑے ہونے اور ساتھ والے نمازیوں کو بدبُو کی اذیت پہنچانے کے حرام وناجائز ہونے سے متعلق اِن احادیث نبوی وفتوہائے متفقہ کے باوجود مساجد کے آئمہ وخطباء یا منتظمین مساجد کو اِس کے خلاف تبلیغ کرنے کی جرائت ہی نہیں ہے۔ اِس پر مستزاد یہ کہ کچھ مساجد کے امام وخطیب حضرات جو خود نسوار یا حُقّہ وسگریٹ کے عادی ہوتے ہیں مقتدیوں کو اِس کے خلاف تبلیغ کرنے کی بجائے خود منہ میں اِس کی غلیظ بدبُو لے کر ہی نماز پڑھاتے ہیں۔ (لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّابِاللّٰہِ)

تنم همه داغ داغ شد پنبه کجا کجا نهم

مسجدوں کے نمازیوں سے متعلقہ کچھ بدعات اور کچھ گناہ کی بے اعتدالیوں کی یہ مشتے نمونہ ازخروارے ہے ورنہ صرف پیش آمدہ مسئلہ ہی نہیں بلکہ یہاں پر بہت سے مسائل قابل اصلاح ہیں جبکہ اصلاح کرنے والوں کا فقدان ہے۔ عوام تو اپنی عادت سے مجبور ہوتے ہیں پھر عادت بھی ایسی جو معاشرہ کی غالب اکثریت کو شامل ہو اُس سے ہٹا کر اُن کی اصلاح کا عمل تب ممکن ہو سکے گا۔ جب ائمہ مساجد وخطباء حضرات اجتماعی طور سے اِس کا احساس کریں جس کے لیے حق شناسی وحق گوئی درکار ہے۔ حق طلبی کے ساتھ اخلاقی جرأت درکار ہے جو چراغ لیکر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔ (فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی)

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اِتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَاالْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَااِجْتِنَابَہٗ

حَرَّرَہُ اَلْعَبْدُ الضَّعِیْفُ خَادِمُ الْاِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِیْنَ

پیر محمد چشتی

دار العلوم جامعہ غوثیہ معینیہ بیرون یکہ توت پشاور شہر

---

(1) فتاویٰ رضویہ، ج1، ص623۔

تقسیم اُمت والی حدیث کی تشریح

مسئلہ یہ ہے کہ آپ نے ماہنامہ آوازِ حق میں لکھا ہے کہ اللہ کا سچا دین کسی ایک فرقے میں منحصر نہیں ہے۔ جبکہ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اللہ کے سچے دین کو صرف اہل سنت و جماعت میں منحصر کر کے دوسرے تمام بدمذہبوں کو ''کِلَابُ النَّار '' کہا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے علاوہ بھی حدیث شریف میں (73) فرقوں میں سے (72) کو جہنمی اور صرف ایک کو جنتی فرقے ناجیہ جو قرار دیا گیا ہے اُس کی شرح کرتے ہوئے سلف صالحین نے بھی اللہ کے سچے دین کو صرف اہل سنت و جماعت میں منحصر کیا ہے اور حدیث کے مطابق فرقہ ناجیہ سے مراد صرف اہل سنت لیا ہے اور (72) جہنمی فرقوں سے مراد مذہب کے نام پر بدمذہبی پھیلانے والی جماعتیں مراد لی ہیں۔ اِس وجہ سے مفتیانِ اہل سنت اللہ کے سچے دین کو مذہب اہل سنت میں منحصر کہتے ہیں اور آپ کی اِس بات کو عقیدہ اہل سنت کے ساتھ متضاد و متناقض سمجھتے ہیں۔ اِن حالات میں مفتیانِ کرام اور علماء اہل سنت کو آپ کے اِس مضمون سے تشویش ہو رہی ہے۔ مہربانی فرما کر اِس کی وضاحت کریں۔ شکریہ

السائل...... مولانا سیف الرحمٰن چترالی، امام مسجد غوثیہ دربار روڈ لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کے سچے دین کا کسی ایک فرقے میں منحصر نہ ہونا اور بات ہے اور مذہب اہل سنت و جماعت کا اللہ کے سچے دین کے اندر منحصر ہونا اور بات ہے۔ آپ کے یہ مفتیان کرام محض ظاہر بین ہیں اُنہیں حقائق کا کوئی علم نہیں ہے۔ اُنہیں اگر الٰہیات کی صحیح روشنی نصیب ہوئی ہوتی تو وہ ان دونوں جدا جدا حقائق کو ایک دوسرے کے متضاد و متناقض کبھی نہ سمجھتے نہ کسی جعلی پیر کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر حقیقی علماءِ اہل سنت کو اہل حق سے نکالنے کی احمقانہ جسارت کرتے نہ کبھی اعلیٰ حضرت

اور دیگر بزرگان دین پر جھوٹ بولتے اور تہمت باندھتے کہ اُنہوں نے اللہ کے سچے دین کو اہل سنت میں منحصر کیا ہے، حاشا وکلاّ ایسا ہر گز نہیں ہے۔ اِن شیطانی باتوں کی حقیقی مذہب اہل سنت میں گنجائش نہیں ہے کیوں کہ تضاد دو وجودی چیزوں میں ہوتا ہے جبکہ یہاں پر ایسا نہیں ہے اِس لیے کہ اللہ کے سچے دین کا کسی ایک فرقے میں منحصر نہ ہونا امر عدمی ہے جبکہ مذہب اہل سنت کا اللہ کے سچے دین میں منحصر ہونا امر وجودی ہے اور تناقض اِس لیے نہیں ہے کہ اُس کے لیے موضوع ومحمول کی وحدت ضروری ہے جو یہاں پر مفقود ہے کیوں کہ اللہ کا سچّا دین کسی ایک فرقے میں منحصر نہیں ہے والا جملہ میں موضوع اللہ کا سچّا دین ہے جبکہ محمول اُس کا عدم انحصار ہے اور مذہب اہل سنت و جماعت اللہ کے سچے دین کے اندر منحصر ہے والا جملہ میں موضوع مذہب اہل سنت و جماعت ہے۔ محمول اُس کا انحصار فی دین اللہ الحق ہے۔ جب موضوع ومحمول جدا جدا ہیں تو پھر تناقض کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اہل علم حضرات کی توجہ وتسلی کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

اگر در خانہ کس است   یك حرف بس است

لیکن تمام قارئین اِن اشارات کو سمجھنے کے قابل نہیں ہوتے پھر یہ بھی ہے کہ پنجاب کی مذہبی آب وہوا بڑی عجیب ہے وہیں پر اپنے ماحولیاتی نظریات وتصورات کو اصل بنا کر چاہے ہوں یا نہ ہوں بہر تقدیر قرآن وسنت کا رُخ اُسی طرف کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جو اللہ کے سچے دین کو سمجھنے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے شاید تاریخ کے ہر دور میں موجود اِس ذہن کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا؛

''لَایَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ''(1)

یعنی جب تک مزعومہ ترجیحات کو اصل بنانے کی آلودگی سے اپنے ذہنوں کو صاف وآزاد کر کے اُس پر غور نہیں کریں گے اُس وقت تک اُس کے مقاصد ومعارف کی سمجھ اِنہیں نصیب نہیں

(1) الواقعہ، 79

ہوگی۔ حَسْبَ تَفْسِيْرِ الْغَزَالِیْ حیث قال فی الاحیاء "کما ان ظاهر جلد المصحف وورقه اللامس الا اذا کان متطهر فباطن معناه ایضا بحکم عزه وجلاله محجوب عن باطن القلب الا اذا کان متطهرا عن کل رجس ومستنیرا بنور التعظیم والتوقیر" (1)

اِس لیے مذکورہ دونوں عقیدوں کی قرآن وسنّت اور بزرگانِ دین کی روشنی میں مکمل وضاحت پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اللہ کے سچے دین کا کسی ایک فرقے میں منحصر نہ ہونا قرآن وسنت اور بزرگانِ دین کی روشنی میں کس حد تک درست ہے اور مذہب اہل سنت وجماعت کا اللہ کے سچے دین میں منحصر ہونا کس حد تک صحیح ہے جس کے بعد اللہ کے سچے دین کو اپنے مذہب میں منحصر مشہور کرنے والے مفتیوں کی اس تشہیر کی شرعی حیثیت آپ ہی واضح ہوجائے گی کہ اِس کا حقیقت کے ساتھ بھی کوئی واسطہ ہے یا نہیں لیکن قارئین کے ذہنوں کی اِس تک رسائی کے لیے بطور تمہید سب سے پہلے اِن مسلمات اسلامیہ کو جاننا ضروری ہے۔

پہلی تمہید:۔ دین قرآن وحدیث اور لغت کی زبان میں مختلف معنوں کے لیے استعمال ہوا ہے جن میں سے ایک معنی قانون واُصول کا بھی ہے پیش نظر مسئلہ میں یہی معنی ومفہوم معتبر ہے اور اِس کے دو مفہوم ہیں؛ ایک کلی، دوسرا جزی۔

کلی دین سے مراد "مَايُطْلَقُ عَلَيْهِ هٰذَا الْمَفْهُوْمِ" ہے چاہے اِس کا مصداق ومظہر انسانی زندگی کے کسی بھی شعبہ سے ہو۔ اس کے وجود کے لیے اسکے کسی ایک فرد کا وجود بھی کافی ہے جبکہ نفی وعدم کے لیے تمام افراد کا عدم ضروری ہے یعنی کسی ایک فرد یا چند افراد کے نہ ہونے سے اِس کا نہ ہونا لازم نہیں آتا۔

جُزی دین سے مراد انسانی زندگی کے تمام گوشوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا قانون ہے جس کے وجود کے لیے اِس کی تمام شکلوں کا وجود ضروری ہے۔ جبکہ اس کے معدوم ہونے کے لیے کسی ایک شکل

(1) احیاء العلوم، ج1، ص281، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت۔

کا معدوم ہونا بھی کافی ہے۔ شریعت کی زبان میں اللہ کا سچا دین اِن دونوں معنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے حسب المواقع کبھی ایک کے لیے کبھی دوسرے کے لیے۔ جزی معنی میں استعمال ہونے کی مثال قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَامُ'' (1) یعنی اللہ کے نزدیک اسلام ہی دین ہے۔

نیز فرمایا؛

''ھُوَالَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْکَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ'' (2)

یعنی لائق عبادت وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچے دین (نظامِ حیات) کے ساتھ بھیجا کہ اُسے سب دُنیوی (نظاموں) پر غالب کرے۔

اس قسم کے تمام مواقع پر دین سے مراد جزی دین ہی ہوسکتا ہے۔ یعنی انسانی زندگی کے جملہ شعبوں کے لیے اللہ کا بھیجا ہوا قانون جیسے اِن مواقع استعمال کے سیاق وسباق اِس پر شاہد ہے اور دین کا اپنے کلی مفہوم میں استعمال ہونے کی مثال جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''مَاکَانَ لِیَاْخُذَ اَخَاہُ فِیْ دِیْنِ الْمَلِکِ'' (3)

یعنی چوروں کی سزا کے لیے بادشاہِ مصر کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو لینا حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے ممکن نہیں تھا۔

جس کے مطابق یہاں پر دین اپنے لغوی اور کلی مفہوم کے ایک خاص فرد کے لیے استعمال ہوا ہے۔ جو چوروں کی سزا کے لیے مقررہ قانون واُصول ہے۔

دوسری تمہید:۔ ہر نوع اور فرد میں اُس کے جنس اور کلی کے معتبر ہونے کے فطری اصول کے عین مطابق دین کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اِس میں بھی حسب مواقع مذکورہ دونوں مفہوم مراد

---

(1) آل عمران،19۔ (2) التوبہ،33۔ (3) الیوسف،76۔

ہوسکتے ہیں جیسے پیش نظر مسئلہ یعنی "اللہ کا سچا دین کسی ایک فرقے میں منحصر نہیں ہے" میں اللہ کے دین سے مراد اُس کا مفہوم کلّی بھی ہوسکتا ہے۔ جس کے مطابق پیش نظر جملہ سے مقصد یہ ہوگا کہ اللہ کا سچا دین یعنی انسانی زندگی سے متعلق اللہ کا قانون واُصول چاہے اپنے کسی بھی نوع وفرد کی شکل میں ہوانسانوں کے کسی خاص فرقے میں منحصر نہیں ہے بلکہ کسی میں بھی بشرائط پایا جاسکتا ہے اور مفہوم جزی بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔ جس کے مطابق اِس جملہ سے مقصد یہ ہوگا کہ اللہ کا سچا دین یعنی انسانی زندگی کے جملہ شعبوں سے متعلق اللہ کے قوانین واُصول کا مجموعہ من حیث المجموعہ انسانوں کے کسی خاص فرقے میں منحصر نہیں ہے بلکہ جو بھی اُسے اپنائے گا وہی اُس کے ثمرات کو جملہ ظروف حیات (دُنیا، برزخ اور آخرت) میں پائے گا۔

تیسری تمہید:۔ اللہ کا سچا دین چاہے مفہوم کلّی میں مستعمل ہو یا مفہوم جزی میں بہر تقدیر کسی کا تابع نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ متبوع ہی ہوتا ہے، کسی فرد یا جماعت کی خواہش وپسند کے پیچھے نہیں چلتا بلکہ سب کو اپنے پیچھے چلنے کی دعوت دیتا ہے اور کسی کی تابعداری نہیں کرتا بلکہ سب کو اپنا تابعدار بنانے کا تقاضا کرتا ہے جیسے رَبِّ النّاس جل جلالہٗ وعَمّ نوالہٗ نے ارشاد فرمایا:

"وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآئَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ"(1)

اگر حق اِن کی خواہشوں کی تابعداری کرتا تو زمین وآسمان اور جو کچھ ان میں ہیں وہ سب کچھ تباہ ہوجاتے۔

نیز فرمایا: "كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ"(2)

یعنی لوگوں کے سب فرقے اپنے اپنے مذہبوں پر خوش ہیں۔

اس قسم نصوص کے اندر کہیں بھی یہ نہیں ہے کہ حق اہل سنت کی تابعداری کرتا ہے باقی کسی کی بھی نہیں، (حَاشَا وَ كَلَّا) ایسا ہرگز نہیں ہے نہ صرف قرآن میں بلکہ تمام انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی

(1) المومنون، 71۔ (2) الروم، 32۔

شریعتوں میں بھی حق نے ہمیشہ لوگوں کے تمام فرقوں کو صرف اپنی تابعداری کرنے کی دعوت دی ہے۔ بلکہ پیغمبروں کی عظمتِ شان کا راز بھی یہی بتایا ہے کہ وہ اللہ کے سچے دین کی تابعداری کرنے والے ہیں۔علی ہذا القیاس کسی بھی باکرامت وباعظمت کی عظمت وکرامت کا راز اُس کا تابع حق ہونے میں ہی بتایا ہے۔ربّ کریم جل مجدہٗ نے اپنے جس سچے دین کو سب کے لیے متبوع،سب کے لیے اصل اور سب فرقوں کی کامیابی کا ضامن بتایا ہے اُس کا مختصر تعارف اس طرح پیش کیا ہے؛

"اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصَّابِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ" (1)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ انسانوں کے معاشرہ میں کوئی مؤمن ومسلمان کے نام سے پکارا جاتا ہو یا یہود ونصاریٰ اور ستارہ پرست وغیرہ کسی بھی نام سے بہرتقدیر اللہ کا سچا دین کسی کی تابعداری کرنے کی بجائے سب کو اپنی تابعداری کرنے کی اس طرح دعوت دیتا ہے کہ جو بھی سچے دل سے اللہ پر اور قیامت پر ایمان لائیں اور عمل صالح کریں تو اُن کے لیے ان کے ربّ کے پاس ثواب ہے اور انجام کار نہ اُنہیں کسی قسم کا خوف ہوگا نہ کوئی غم۔

اپنے اسی سچے دین کی سب کے لیے برابری،سب کے لیے اصل ومتبوع اور کسی میں بھی منحصر نہ ہونے کی بابت ارشاد فرمایا؛

"لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَا اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا" (2)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کا سچا دین کسی فرقے کی تابعداری کرنے اور اسکی آرزوں وتمناؤں کے پیچھے چلنے کی بجائے خود کو متبوع اور اصل الاصول بتا کر سب کو اپنی تابعداری کرنے کی

(1) البقرہ،62۔ (2) النساء،123،124۔

طرف اس طرح دعوت دیتا ہے کہ جس نے بھی بُرا کیا اُس کی سزا اُسے دی جائے گی اور وہ اپنے لیے کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار پائے گا اور جس نرینہ یا زنانہ نے ایمان کے ساتھ اچھے عمل کیے تو وہ جنت میں جائیں گے اور اُن پر تل برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

پیغمبری مذہبوں کے مدّعی تمام فرقوں کو اپنے سچے دین کی تابعداری کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا؛

"قُلْ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ "(1)

الغرض اللہ کا سچا دین چاہے اپنے کلی مفہوم میں لیا جائے یا جزی مفہوم میں ہر حالت میں متبوع الفطرت، اصل الاصول اور قابل تقلید واتباع ہے۔ انسانوں کے تمام فرقوں کو اپنی تابعداری میں منحصر کرنے کی دعوت دیتا آیا ہے اور قیامت تک اِسی طرح کی دعوت دیتا ہی رہے گا۔ منحصر انحصار سے ہے اور انحصار حصر سے ہے حصر کے معنی بند کرنے، منع کرنے اور تنگ کرنےکے ہیں جو رتبۃً اُس سے مؤخر ہوتی ہے۔

چوتھی تمہید:۔ ہر منحصر چیز اپنے منحصر فیہ کی فرع اور اُس کے تابع ہوتی ہے یعنی منحصر اور منحصر فیہ کے مابین اصل اور فرع کا تعلّق ہوتا ہے۔ کہ ہر منحصر فیہ چیز اصل ہوتی ہے جبکہ اُس میں منحصر ہونے والی چیز اُس کی فرع اور رُتبۃً اُس سے موخر ہوتی ہے۔ اِسی بنیاد پر ان کے مظاہر ومصادیق کے مابین بھی عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہوتی ہے جس کے مطابق منحصر کے پائے جانے کی صورت میں منحصر فیہ کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔ جبکہ اِس کا عکس کلّی نہیں ہے یعنی ایسا نہیں ہے کہ جہاں کہیں بھی منحصر فیہ پایا جائے تو اُس میں منحصر ہونے والی چیز بھی سو فیصد پائی جائے یہ اتنا عام اور مشہور مسئلہ ہے کہ ہر علم وفن والے اپنے اپنے علوم وفنون کے حوالہ سے اِسے جانتے ہیں۔ مثال کے طور پر علم نحو والے کہتے ہیں کہ فاعل ہونا اسم میں منحصر ہے یعنی اس کے سوا کلمہ کی کوئی دوسری قسم فاعل نہیں ہوتی کہ فاعل ہونا اسم کی فرع اور اس کا تابع ہے جس کی رُو سے اسم کے بغیر فاعل کے پائے جانے کی قطعاً کوئی صورت نہیں ہے جبکہ اسم بغیر فاعل

(1) آلِ عمران، 64۔

ہوئے بھی پایا جاسکتا ہے جیسے مفعول بہ وغیرہ صورتوں میں ہوتا ہے۔

فلسفہ کے حصّہ الٰہیات میں فقہاء کرام کہتے ہیں کہ وجوب زکوٰۃ مالِ نامی وحولی میں منحصر ہے تو ظاہر ہے کہ جب تک مال نامی وحولی نہیں ہوگا اُس وقت تک اُس میں وجوبِ زکوٰۃ کا سوال بھی نہیں ہوگا۔لیکن مالِ نامی وحولی بغیر وجوب زکوٰۃ کے بھی پایا جاسکتا ہے۔جیسے صاحب نصاب کا مقروض ہونے کی صورت میں ہوتا ہے۔

فلسفہ کے حصّہ منطق میں اِس کی مثال جیسے کلیت وجزئیت میں سے ہر ایک کا مفہوم مفرد میں منحصر ہونا جس میں کلی ہونا یا جزئی ہونا مفہوم مفرد کے تابع وفرع ہیں یعنی جہاں پر مفہوم مفرد کا وجود نہیں ہوگا وہیں پر کلی موجود ہوسکتی ہے نہ جزئی اور مفہومِ مفرد کے پائے جانے کی صورت میں اِن میں سے ہر ایک نہیں بلکہ صرف ایک پائی جاسکتی ہے۔

فلسفہ کے حصّہ ریاضی میں اِس کی مثال جیسے کسی چیز کا زوج الزوج یا زوج الفرد ہونا منحصر ہے عدد میں جس کے مطابق عدد اصل ومتبوع ہے جبکہ زوج الزوج یا زوج الفرد ہونا اس کے تابع وفروع ہیں۔اسی وجہ سے عدد کا وجود بغیر زوج الزوج وزوج الفرد کے بھی پایا جاتا ہے۔جیسے ایک اور دو کی عدد میں ہوتا ہے لیکن زوج الزوج اور زوج الفرد کا وجود عدد کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

اِسی طرح فلسفہ کے حصّہ طبعیات میں جیسے کہتے ہیں کہ بے اختیار کھانسنے کا عمل پھیپھڑوں کے فساد میں منحصر ہے تو اس کا مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا کہ بے اختیار کھانسی کا وجود پھیپھڑوں کے فساد کے بغیر ممکن نہیں ہے جبکہ پھیپھڑوں کا فساد کھانسی کے بغیر بھی پایا جاسکتا ہے۔

منحصر اور منحصر فیہ کے مابین مذکورہ نسبتوں کی وضاحت کے سلسلہ میں عصری مفتیان کرام کی توجہ مبذول کرانے کی غرض سے یہ متعدد مثالیں ہم نے پیش کیں ورنہ یہ مسئلہ بجائے خود اتنا واضح ہے کہ کسی بھی ذی شعور انسان کو منحصر کا فرع وتابع ہونے میں اور منحصر فیہ کا اُس کے اصل ومتبوع ہونے میں شک نہیں ہوسکتا اور نہ ہی منحصر کا اپنے مصداق کے اعتبار سے خاص اور منحصر فیہ کا اپنے مصداق کے اعتبار سے عام

ہونے میں کوئی تردّد ہوسکتا ہے۔

اِن فطریات و مسلّمات کو بطور تمہید سمجھنے کے بعد پیش نظر دونوں مسئلوں کی شرعی حیثیت آپ ہی واضح ہوجاتی ہے۔ مثلاً پہلا مسئلہ کہ ''اللہ کا سچا دین کسی ایک فرقے میں منحصر نہیں ہے'' یہ جملہ اپنی جگہ سو فیصد درست، عین تقاضا اسلام اور مطابق قرآن ہے۔ اس کے حق و سچ ہونے پر بطور استدلالِ غیر مباشر فقہی دلیل اِس طرح ہے؛

مدّ عا:۔ اللہ کا سچا دین کسی ایک فرقے میں منحصر نہیں ہے۔

صغریٰ:۔ کیوں کہ وہ اصلی الفطرت و متبوع ہے۔

کبریٰ:۔ کوئی بھی اصلی الفطرت و متبوع کسی ایک فرقے میں منحصر نہیں ہوتا۔

حاصلِ نتیجہ:۔ لہٰذا اللہ کا سچا دین کسی ایک فرقے میں منحصر نہیں ہے۔

اِس دلیل کا پہلا حصّہ یعنی صغریٰ قرآن شریف کی سورۃ المومنون، آیت نمبر 71 جیسے نصوص قطعیہ کا مدلول ومفاد ہونے کی بنا پر بدیہیات اسلامیہ کے قبیل سے ہے تو کبریٰ تمہید نمبر (3) اور (4) کے مطابق فطریات کے قبیل سے ہے ایسے میں یہ دلیل اپنے تمام اجزا کا بدیہیات یقینیہ ہونیکی وجہ سے نہ صرف فقہی استدلال بلکہ برہان قرار پاتی ہے۔ جس میں جاہل مرکّب کے سوا کسی اور شخص کو تردّد نہیں ہوسکتا۔ مگر یہ کہ ناقص پیروں کے پھندے میں پھنسے ہوئے ناقص مفتیوں کا معاملہ نرالا ہے کہ اُن کی نظر مرغی کی نظر سے بھی کمزور ہے اُنہیں مزاج اسلام کی سمجھ ہے نہ حلاوتِ ایمان کی، انحصار کی حقیقت کا اِدراک ہے نہ منحصر و منحصر فیہ کے مابین نسبت کا ایسے ناقص مفتیوں سے خدا کی پناہ۔ (اللھم ان نجعلک فی نحورھم ونعوذبک من شرورھم)

مذکورہ چاروں تمہیدات کو سمجھنے والے حضرات اِس مدّ عا کی حقانیت وصداقت پر استدلال مباشر بھی کر سکتے ہیں جس کی شکل اِس طرح ہوگی کہ ''اللہ کا سچا دین کسی ایک فرقے میں منحصر نہیں ہے'' حق و درست ہے کیوں کہ یہ اگر حق و درست نہ ہوگا تو اللہ کے سچے دین کی ہر شکل اور ہر فرد کسی ایک فرقے میں منحصر

ہوگا۔ ورنہ ارتفاع نقیضین ہوگا جو محال ہے۔ حالاں کہ یہ باطل، جھوٹ اور خلاف حق ہے کیوں کہ سورۃ المومنون، آیت نمبر 71 جیسی نصوصِ قطعیہ کے منافی ہے اور اصل کو فرع قرار دینے کے مترادف ہے۔
اہل علم جانتے ہیں کہ اس استدلال میں اصل کلام یعنی "اللہ کا سچا دین کسی ایک فرقے میں منحصر نہیں ہے" قضیہ مہملہ ہے۔ جو محصورہ جزیہ کے حکم میں ہونے کی بنا پر اس کی نقیض اللہ کے سچے دین کی ہر شکل و ہر فرد کسی ایک فرقے میں منحصر ہوگا والا موجبہ کلیہ ہی ہوگا جو جھوٹ، خلاف حقیقت، نصوص قطعیہ کے خلاف اور اصل کو فرع قرار دینے کے مترادف ہونے کی بنا پر بالیقین مردود و نا قابل قبول ہے۔ یہ ہوئی "اللہ کا سچا دین، صراط مستقیم اور انسانوں کی رَبُّ الناس جَلَّ جَلَالُہٗ کی طرف سے روحانی تربیت کے لیے نظام حیات سے متعلقہ قانون الٰہی کی بات کہ وہ انسانوں کے کسی بھی فرقے میں منحصر نہیں ہے، کسی کا تابع نہیں ہے اور کسی کی فرع نہیں ہے۔ جس پر نہ صرف فقہی دلیل بلکہ دو برہان ہم نے بیان کیے جن کی روشنی میں اللہ کے سچے دین کا کسی فرقے میں منحصر نہ ہونے کا عقیدہ نہ صرف بدیہیات مذہبیہ بلکہ بدیہیات اسلامیہ کے قبیل سے قرار پاتا ہے۔ جس سے انکار کرنے والوں پر لگنے والا شرعی فتویٰ جتنا سخت اور خطرناک ہے اُسے تمام اہل علم جانتے ہیں جس کی ایک جھلک آگے چل کر ہم بھی اپنے انداز سے بیان کریں گے (انشاء اللہ تعالیٰ)۔

رہا دوسرا مسئلہ یعنی مذہب اہل سنت و جماعت کا اللہ کے سچے دین میں منحصر ہونے کا مسئلہ تو مذکورہ چاروں مسلمات اسلامیہ کو بطور تمہید سمجھنے کے بعد اِس کی حقانیت و صداقت بھی سب پر واضح ہو جاتی ہے۔ جس پر فقہی دلیل بطور استدلال غیر مباشر اِس طرح ہوگی؛

مدعا و مطلوب:۔ مذہب اہلسنت و جماعت اللہ کے سچے دین میں منحصر ہے۔

صغریٰ:۔ اِس لیے کہ یہ دین فطرت کی فرع و تابع ہے۔

کبریٰ:۔ دین فطرت کی ہر فرع و تابع اللہ کے سچے دین میں منحصر ہوتا ہے۔

حاصل نتیجہ:۔ لہٰذا مذہب اہل سنت و جماعت بھی اللہ کے سچے دین میں ہی منحصر ہے۔

اہل علم جانتے ہیں کہ اِس استدلال میں بھی صغریٰ قرآن شریف کی سورۃ المومنون، آیت نمبر 71 جیسے نصوص کا مفاد و مدلول ہونے کی وجہ سے بدیہیات مذہبیہ کے قبیل سے ہے جیسے تمہید نمبر (2) اور (3) سے معلوم ہورہا ہے۔ اور کبریٰ تمہید نمبر (4) کے مطابق بدیہیات فطریہ کے قبیل سے ہے۔ اہل دانش سے مخفی نہیں ہے کہ جس تفصیلی دلیل کے ہر دو مقدمے اور تمام اجزاء علی الاطلاق بدیہیات یقینیہ نہ ہو تو وہ برہان ہوسکتی ہے نہ علی الاطلاق منتج یقین۔

ایسے میں اس دلیل کو بھی برہان نہیں کہا جاسکتا کیوں کہ یہ یقینی علی الاطلاق اور غیر یقینی علی الاطلاق سے ترکیب پانے کی بنا پر درجہ یقین سے مادون اور نیچے ہے کیوں کہ بدیہیات مذہبیہ چاہے جتنے ہی قوی کیوں نہ ہو بدیہیات اسلامیہ کی بنسبت کمزور ہی ہوتے ہیں، متواتر ہی ہو پھر بھی متواترات اسلامیہ سے مادون ہی ہوتے ہیں اور بدیہی وضروری ہوتے ہوئے بھی ضروریات اسلامیہ کے مقابلہ میں کسی طرح معرض خفا کے حامل ہی رہتے ہیں۔ اِسی نکتۂ امتیاز کی بنیاد پر اِس کے منکر کی تضلیل وتفسیق اور تذمیم جیسے قبائح کے ساتھ یاد کرنے کی اسلام میں اجازت ہونے کے باوجود تکفیر کی اجازت نہیں ہے۔ جیسے فتاویٰ رضویہ میں ہے کہ؛

> ''اگر کسی کے کلام میں ہزار میں سے صرف ایک احتمال کفر سے بچنے کے لیے موجود ہو تب بھی اُس کی تکفیر ناجائز وممنوع ہے۔'' (1)

ایسے میں مذہب اہل سنت وجماعت کی حقانیت کے لیے بیان کی جانے والی اِس دلیل کے صغریٰ کو تسلیم نہ کرنے والے دوسرے مذاہب فقہیہ کی اُن کی غلطی کے باوجود ہم تکفیر نہیں کر سکتے ہیں کیوں کہ دلیل کے اِس حصہ کا یعنی مذہب اہل سنت کا دین فطرت اور اللہ کے سچے دین کی فرع وتابع ہونے کا ثبوت بدیہیات اسلامیہ کے ثبوت کی طرح یقینی علی الاطلاق نہیں ہے، قطعی الثبوت والدلالۃ نہیں ہے اور جملہ مدعیان اسلام یا انسانیت کی نگاہ میں ناقابلِ انکار نہیں ہے۔ اِسی نکتۂ امتیاز کی بنا پر سلف صالحین نے

(1) فتاویٰ رضویہ، ج12، ص317۔

میں خالق کائنات جل جلالہ کے کھلے فرمان ''هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ'' (1) کے برخلاف عقیدہ رکھ کر انسان کو خود اپنے افعال کا خالق بتانے والے معتزلہ کو بھی دائرہ اسلام سے خارج نہیں کیا ہے۔ الغرض مذہب اہلسنت کی صداقت کے لیے بیان کی جانے والی یہ دلیل ضرورت مذہبی اور ضرورت فطری سے مرکب ہونے کی بنا پر واقعہ کے عین مطابق، عین حق اور سو فیصد درست و مفید مدعا ہونے کے باوجود محض اِس وجہ سے برہان نہیں ہوسکتی کہ برہان کی تعریف اِس پر صادق نہیں آتی، برہان کی اقسام میں سے کسی ایک کے نیچے بھی مندرج نہیں ہو رہی اور انسانیت کی نگاہ میں علی الاطلاق نا قابل انکار بھی نہیں ہے۔

ایسے میں اِس کی عقلی حیثیت دلیل جَدَلی یا دلیل خطابی کے سِوا اور کچھ نہیں ہے کیوں کہ اس کے صغریٰ میں ''یہ دین فطرت اور اللہ کے سچے دین کی فرع و تابع ہے'' کہنے میں اگر مذہب اہل سنت کے معتقدات و معمولات کے وہ حصے مراد ہوں جو مظنونات یا مقبولات عند الجمہور کے قبیل سے ہیں تب یہ پوری دلیل خطابی ہوگی اور جب اِن دونوں سے قطع نظر ہو تب بھی خطابی ہوگی اِس لیے کہ کسی بھی تفصیلی دلیل کی نوعیت کو متعین کرنے اور اُس کے لیے مخصوص نام مقرر کرنے میں ہمیشہ اُس کے کمزور جزو کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ لہٰذا خطابی کا رُتبہ دلیل جَدَلی سے مادون ہونے کی وجہ سے اِس غیر متعین صورت میں بھی اُسے دلیل خطابی کہنا ہی مناسب ہے۔

ایک متوقع اشتباہ اور اُس کا ازالہ:۔ دلیل جدلی میں لفظ جَدَلی کا منسوب بسوئے جَدَل بمعنی جدال و مجادلہ ہونے کو اور دلیل خطابی میں لفظ خطابی کا منسوب بسوئے خطاب بمعنی تقریر و بیان ہونے کو دیکھ کر شاید کسی کو یہ خیال پیدا ہو جائے کہ ہم مذہب اہل سنت کی حقانیت کو موجودہ دور کے اِس مجادلانہ و معاندانہ اور غلط بیانی و لاف زنی کے طریقے سے ثابت کر رہے ہیں (حَاشَا وَكَلَّا) ایسا ہرگز نہیں ہے ہم تو موجودہ دور کی اِس مذہبی روش کو جائز ہی نہیں سمجھتے چہ جائے کہ اِسے مذہب کی حقانیت پر دلیل

(1) فاطر، 3۔

بنائیں۔ بلکہ مذہب اہل سنت و جماعت کی صداقت کے لیے بیان کی جانی والی مذکورہ دلیل جدَلی یا خطابی سے ہماری مراد بالترتیب مقدمات مسلّمہ عندالخصم یا مسلّمہ عندالعوام کو فقہی اندازِ استدلال میں پیش کرنے یا مقدمات مظنونہ یا مقبولہ عندالجمہور کو تفصیلی دلیل کی شکل میں پیش کرکے مذہب اہل سنت کی صداقت کو ثابت کرنے کے سِوا اور کچھ نہیں ہے جس میں جدال ہوتا ہے نہ قتال، مکابرہ وغرور ہوتا ہے نہ کذب بیانی، گالی گلوچ ہوتی ہے نہ منافرت، کتمانِ حق ہوتا ہے نہ تعصب اور ہم اپنے اِس اندازِ عمل کو پیغمبرِ کریم رحمتِ عالم ﷺ کی سنتِ طیبہ و اُسوۂ حَسَنہ کے عین مطابق سمجھتے ہیں کیوں کہ سخت سے سخت مذہبی مخالف کے سامنے بھی اپنے موقف کی صداقت وحقانیت کو ثابت کرنے کے لیے ہمارے آقاو مولیٰ سید عالم ﷺ کا اندازِ استدلال برہانی، جدَلی اور خطابی کے سوااور کچھ نہیں ہوا کرتا تھا۔

قرآن شریف کے اندر بھی خالق کائنات جل جلالہٗ نے جہل مرکب اور تعصب جیسے امراض میں مبتلا گمراہوں کو مائل بحق کرنے، اسلام کی صداقت ظاہر کرنے اور توحید ورسالت کی حقانیت سمجھانے کے لیے تفہیمی استدلال کے اِن ہی طریقوں کو استعمال فرمایا ہے کیوں کہ برہانی دلیل چاہے حسّی ہو یا وجدانی ،فطری ہو یا حدسی، تجرباتی ہو یا خبری بہر تقدیر مانوس الحقائق لوگوں کے لیے استعمال کی جاتی ہے اور دلیل جدلی چاہے مسلّماتی ہو یا شہرتی بہر تقدیر اُن لوگوں کے لیے استعمال کی جاتی ہے جن کی رسائی فہم مسلّمات ومشہورات تک محدود ہو اور دلیل خطابی صرف اُن لوگوں کی فہمائش کے لیے استعمال کی جاتی ہے جن کا رجحان طبع اور زیادہ لگاؤ ودلچسپی مقبولات عندالجمہور یا مظنونات میں ہو۔ قرآن شریف کے ''تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ'' (1) یعنی ہر چیز کا مکمل بیان ہونے کے تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر اُنہیں تبلیغ کریں۔ اِس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کے اندر اوّل سے لے کر آخر تک چاہے توحید کی دلیل سمجھائی ہے یا رسالت کی، بعث بعد الموت کی دلیل بیان فرمائی ہے یا حقانیت مجازاۃ اعمال کی بہر تقدیر وہ بنیادی طور پر اِن تینوں کو شامل ہیں۔

---

(1) النحل، 89۔

جی چاہتا ہے کہ قرآن شریف کے متعدد مقامات سے اِن سب کی تمثیلی وضاحتیں نذرِ قارئین کردوں لیکن خلط مبحث ہونے کے خوف سے قلم کو یہیں پر ہی روکتا ہوں تا کہ اللہ کے سچے دین اور مذہبی فرقوں کے مابین مناسبت کے حوالہ سے پیش نظر موضوع کو تفسیر قرآن میں تبدیل کرنے کی بے تکی سے بچ سکوں۔ جیسے قرآن کا انداز استدلال اِن تینوں سے متجاوز نہیں ہے ویسے ہی اُسوۂ حسنہ سید الانام ﷺ بھی اِن ہی خطوط پر استوار ہیں۔ اِس کے بعد بزرگان دین سلف صالحین اور فقہاء کرام بھی اقتداء بخیر الکلام واهتداء بسیرۃ سید الانام ﷺ اپنے ہر مذہبی مخالف کی فہمائش کے لیے استدلال کی اِن ہی قسموں کو قابل عمل سمجھتے آئے ہیں گویا کسی بھی اسلامی حکم کے اثبات وفہمائش کے لیے اسلامی انداز استدلال کی صرف یہی تین قسمیں ہیں۔ مذہب شناسی کی راہ میں اسلامی انداز استدلال کی اِن قسموں کی اہمیت کو دیکھ کر ہمارے اسلاف کرام نے بھی اِن کے حقائق وماہیات اور اقسام واحکام کو سمجھنے اور سمجھانے کا پورا پورا اہتمام کیا ہے۔ جس کے نتیجہ میں درس نظامی میں شامل جملہ علوم وفنون آلیہ سے زیادہ کتابیں منطق ومعقولات کی رکھی گئیں تا کہ ان کی مدد سے مذہب شناسی کے اِس مہم کو سمجھا جاسکے۔ علم فقہ پڑھنے سے پہلے اُصول فقہ پڑھنے اور پڑھانے کا اہتمام محض اس وجہ سے کیا گیا۔ تا کہ اسلامی استدلال کی اِن قسموں کی مشق وتمرین اور تعلیم وتربیت سے مزین ہوکر مآخذ شرعیہ سے حدودُ اللہ کا استنباط کیا جاسکے، جائز وناجائز کا فلسفہ سمجھا جاسکے، اُصول وفروع اور منحصر ومنحصر فیہ کی نسبتوں کی تمیز کی جا سکے۔ کتب فتاویٰ میں ہدایہ ہو یا الدُّر المختار، فتاویٰ رضویہ ہو یا فتح القدیر یا کوئی اور وہ کون سی کتاب فقہ ہو سکتی ہے جس میں اسلامی اندازِ استدلال کے ان طریقوں کو نہ اپنایا گیا ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ ان حضرات نے فقہی استدلال کے اِن تینوں طریقوں میں بغرض اختصار قیاس ضمیر کی راہ اختیار کی ہے یعنی تفصیلی دلیل کے صغریٰ کے ذکر کرنے پر اکتفا کیا ہے یا مآخذ شرعیہ سے معلوم ہونے والی علت کو بطور صغریٰ ذکر کر کے قارئین کی فہم پر اعتماد کرتے ہوئے کبریٰ کا صراحۃً ذکر نہیں کیا کیوں کہ ہر قیاس فقہی کا کبریٰ اُصولِ فقہ کا اُس مقام کے مناسب کسی مسئلہ کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا جو اُصولِ فقہ کی کتابیں

سمجھ کر پڑھنے والے ہر عالم وقاری کو پہلے سے یاد ہونے کی وجہ سے یہاں پر اُسے صغریٰ کے ساتھ ملا کر نتیجہ نکالنا آسان ہے۔ مثال کے طور پر فقہ وفتاویٰ کی ہر کتاب میں نماز کے لیے وضو کے بطور شرط فرض ہونے پر دلیل کی غرض سے یہی ایک لفظ کہا گیا ہے کہ؛

''لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی...... اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ''

اسی طرح خود نماز کی فرضیت پر دلیل کے لیے بیک آواز تمام کتابوں میں کہا گیا ہے؛

''لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی...... اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ''

اور زکوٰۃ کی فرضیت کے لیے بھی یہی ایک لفظ کہا گیا ہے کہ؛

''لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی...... وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ''

تو ظاہر ہے کہ قرآن شریف کی یہ آیات بالترتیب وضو، نماز اور زکوٰۃ کی شرعی حیثیت پر محض اجمالی دلائل ہیں جنکا مفاد ومدلول اِن کی شرعی حیثیت یعنی اِن کی فرضیت ثابت کرنے کے لیے دی جانے والی تفصیلی دلیل کے لیے صغریٰ بننے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ جس کا کبریٰ اُصول فقہ کا مسئلہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر مطلق کے مفاد ومدلول کا فرض ہونا ہے گویا اِن تمام حضرات نے اپنے مذکورہ اقوال میں وضو، نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت پر بالترتیب اِس طرح تفصیلی دلائل بیان کیے کہ؛

مدّعا وشرعی حکم:۔ نماز کے لیے وضو کرنا فرض ہے۔

تفصیلی دلیل:۔ کیوں کہ یہ قول اللہ ''اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ'' والے امر مطلق کا مفاد ومدلول ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر مطلق کا ہر مفاد ومدلول فرض ہوتا ہے۔

حاصلِ نتیجہ:۔ لہٰذا نماز کے لیے وضو کرنا بھی فرض ہے۔

اسی طرح نماز کی فرضیت پر فقہاء کرام کی دی ہوئی اجمالی دلیل کی تفصیل اِس طرح ہے کہ؛

مدعا و شرعی حکم:۔ نماز پڑھنا فرض ہے۔

فقہی دلیل:۔ کیوں کہ یہ قول اللہ ''اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ'' والے امر مطلق کا مفاد و مدلول ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر مطلق کا ہر مفاد و مدلول فرض ہوتا ہے۔

حاصلِ نتیجہ:۔ لہٰذا نماز پڑھنا بھی فرض ہے۔

یہی حال زکوٰۃ کی فرضیت پر دی گئی اجمالی دلیل کا ہے کہ؛

مدّعا و شرعی حکم:۔ زکوٰۃ دینا فرض ہے۔

تفصیلی دلیل:۔ کیوں کہ یہ قول اللہ ''وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ'' والے امر مطلق کا مفاد و مدلول ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر مطلق کا ہر مفاد و مدلول فرض ہوتا ہے۔

حاصل نتیجہ:۔ لہٰذا زکوٰۃ دینا بھی فرض ہے۔

علی ہٰذا القیاس کتب فقہ میں بیان کئے گئے تمام احکام کا یہی حال ہے کہ فقہاء کرام واصحاب فتاویٰ نے مآخذ شرعیہ سے معلوم ہونے والی دلیل جو اپنے حکم پر اجمالی دلیل ہوتی ہے کو بطور صغریٰ ذکر کر کے تفصیلی دلیل کو قیاس ضمیر کے انداز میں بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے، اِس لیے کہ مآخذ شرعیہ سے معلوم ہونے والی حد اوسط کا صغریٰ میں بطور محمول مذکور ہو جانے کے بعد کبریٰ میں اُس کا محمول فی المدعا کے لیے موضوع ہو جانا محتاجِ نظر نہیں رہتا۔ گویا اُصولِ فقہ کے مسائل کو سمجھ کر پڑھنے کے بعد فقہ کی کتابوں سے انسانی اعمال کی شرعی حیثیات کی فہم حاصل کرنے کے درپے حضرات کے لیے فقہی دلیل کا کبریٰ بدیہی امر ہے، جس کو پیش نظر رکھ کر فقہاء کرام محض اختصار کی خاطر اِن تفصیلی دلائل کو قیاس ضمیر کے طور پر بیان کر کے صرف صغریٰ کا اشارہ دیتے ہیں۔ (فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ خَيْرَ الْجَزَآءِ)

ورنہ نماز کے لیے وضو کی فرضیت خود نماز کی فرضیت اور زکوٰۃ کی فرضیت جیسے احکام کی فہم وفہمائش کے لیے ''لِقولہ تعالیٰ ...... اِلیٰ آخرہ'' کو بطور دلیل بیان کرنے کی کیا تک ہو سکتی ہے۔ کون سا ہوش مند انسان اِسے معقول کہہ سکتا ہے اور قول جیسے مفرد کو فقہی حکم کے لیے دلیل بتانے کا کیا جواز ہو سکتا ہے جبکہ

فقہی احکام کی دلیل کا ہمیشہ مرکبِ تفصیلی ہونا ضروری ہے۔ کیوں کہ یہ علم فقہ کی حقیقت کا جزو ہے، اُس کی تعریف ''ھُوَ الْعِلْمُ بِالْاَحْکَامِ الشَّرْعِیَّۃِ عَنْ اَدِلَّتِھَا التَّفْصِیْلِیَّۃِ'' میں جو ''اَدِلَّتِھَا التَّفْصِیْلِیَّۃِ '' مذکور ہے اِس سے مراد مرکّب تفصیلی کی شکل میں فقہی استدلال کے سوا اور کچھ نہیں ہے جیسے مسلّم الثبوت اور اُس کی شروح، تحریر الاصول ابن ہمام اور اُس کی شروح میں اس کی علی وجہِ اتم تفصیل موجود ہے جو نہ تو الٰہیات کے کسی مدرس و معلّم سے پوشیدہ رہ سکتی ہے نہ کسی فوقانی متعلم سے چہ جائیکہ حقیقی مفتیان کرام یا بامعنی شیوخ الحدیث اِس سے غافل رہ سکیں۔ لیکن جب شاہینوں کے نشیمنوں پر گِدھوں کا بسیرا ہو، حقیقت کے لباس میں مجاز کی خودنمائی ہو، اصل کی جگہ نقل کا دور دورہ ہو، صلاحیت اِفتاء کے بغیر فتویٰ نویسی ہو، حدیث دانی کے بغیر شیخ الحدیث بن بیٹھنے کا رواج ہو، ناپختہ کاروں کی اختیارداری اور عصبیت کی عمل داری ہو تو پھر آوازِ حق کے حق پرستوں کے پاس ''لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ '' پڑھنے کے سوا کوئی اور چارۂ کار نہیں رہتا اور ''یَاللْعَجب لِضِیعَۃِ الْعِلْمِ وَالْعَمَلِ وَالطَّلَبِ'' کہے بغیر صبر کا یارا نہیں رہتا۔

ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ برصغیر پاک و ہند کے اس خطے کے کچھ حضرات جو اُٹھتے بیٹھتے اہل سنت و جماعت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، اپنے سوا باقی تمام کے تمام دوسرے مسالک والوں کے ''کِلَابُ النَّار '' ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں اور خود کو اللہ کے سچّے دین کے ساتھ مساوی فی المصداق کہہ کر جنّت کی ٹھیکیداری کی تشہیر کرتے ہیں۔ کھلے ذہن سے اُن کے معروضی حالات کا جائزہ لینے پر یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ اُن کا حقیقی اہل سنت و جماعت کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے۔ فرمان نبوی ﷺ ''مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِی '' کے ساتھ ربط نہیں ہے کیوں کہ معدودے چند مذہبی باتوں کے علاوہ نہ اُن کی قوت فکری اہل سنت و جماعت کے سانچے میں فِٹ ہوتی ہے نہ قوت عملی۔ کیوں کہ اہل سنت سے مراد ہمیشہ سنت نبوی اور اسوۂ حسنہ سید الانام ﷺ کے پابند و پیروکار ہوتے ہیں اور جماعت سے مراد ہمیشہ جماعۃ الصحابہ یعنی سرورِ کائنات رحمتِ عالم ﷺ کے صحابہ کرام اہل بیت نبوت کے پاکیزہ

کردار کے حامل لوگ ہوتے ہیں جسکے مطابق اہل سنت و جماعت کے حقیقی مصداق و مظہر وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو من حیث الاعتقاد والعمل سنت نبوی اور کردار صحابہ واہل بیت نبوۃ کے پیروکار و پابند ہوں۔

جیسے حضرت شاہ عبدالعزیز (نَوَّرَاللّٰهُ مَرْقَدَهُ الشَّرِيْف) نے فتاوی عزیزیہ میں حدیث ''سَتَفْتَرِقُ اُمَّتِيْ عَلٰى ثَلَاثٍ وَسَبْعِيْنَ فِرْقَةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ اِلَّا وَاحِدَةً'' کی تشریح کرنے کے بعد فرمایا ہے؛

''پس کسی کہ اتباع حدیث پیغمبر وپیروی جماعت صحابہ آئین و شیوئہ اُو باشد ناجیہ ہمان است وظاہر آنست کہ ایں معنی بجز اہل سنت وجماعت دیگری رانیست زیرا کہ سنت متابعت حدیث است وجماعت پیروی جماعت صحابہ''(1)

اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ جوبھی حدیثِ پیغمبر کی اِتباع اور جماعت الصحابہ کے کردار کو اپنانے کا احترام کرے گا وہی فرقہ ناجیہ ہے اور ظاہر بات یہ ہے کہ یہ معیار اہلسنت و جماعت کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں ہے کیوں کہ اہلسنت ہونے کا مطلب متبع حدیث نبوی اور جماعت الصحابہ کے پیروکار ہے۔

حضرت امام غزالی (نَوَّرَاللّٰهُ مَرْقَدَهُ الشَّرِيْف) نے احیاء العلوم میں حقیقی اہل سنت و جماعت کے عقائد کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کے بعد بطور نتیجہ لکھا ہے؛

''فَمَنِ اعْتَقَدَ جَمِيْعَ ذٰلِكَ مُوْقِناً بِهٖ كَانَ مِنْ اَهْلِ الْحَقِّ وَعِصَابَةِ السُّنَّةِ وَفَارَقَ اَهْلَ الضَّلَالِ وَحِزْبَ الْبِدْعَةِ''(2)

جس نے بھی معتزلہ، قدریہ مرجیہ وغیرہ فرقہ ہائے ضالہ کے مقابلے میں اہل حق کے تمام مذکورہ اعتقادات پر یقین کے ساتھ عقیدہ رکھا وہی اہل حق ہوگا جو اہل سنت و جماعت ہے اور گمراہ بدعتیوں سے جدا ہے۔

---

(1) فتاوی عزیزیہ، ج2، ص63۔ (2) احیاء العلوم، ج1، ص93۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اہل حق واہل نجات اور اللہ کے سچے دین میں منحصر نیک بختوں کے مصداق پر کافی بحث کرنے کے بعد فرمایا؛

"فَلا شَکَّ وَلَارَیْبَ اَنَّھُمْ ھُمْ اَھْلُ السُّنَّۃِ وَالْجَمَاعَۃِ"(1)

یعنی اُسوۂ حسنہ سید الانام ﷺ اور خلفاء راشدین وصحابہ کرام کے کردار پر چلنے والوں کے سوا کوئی اور اس کے مصداق نہیں ہیں۔

الجامع الصغیر للسیوطی کی جس روایت میں جماعت سے نکلنے والوں کو قتل کرنے کا جو حکم آیا ہے اُس کی تشریح کرتے ہوئے محدث المناوی نے فیض القدیر میں فرمایا؛

"اَلصَّحَابَۃُ وَمَنْ بَعْدَھُمْ مِنَ السَّلَفِ"(2)

یعنی جماعت سے مراد صحابہ کرام کی جماعت اور اُنکے بعد والے سلف صالحین کی جماعت ہے۔

حقیقی اہل سنت و جماعت کے تعین کی بابت سلف صالحین کی ان تصریحات سے صاف صاف پتہ چل رہا ہے کہ "آدھا تیتر آدھا بٹیر" جیسے اہل سنت اور سنتِ نبوی و جماعت الصحابہ کے بعض معتقدات کو ماننے اور بعض کی دھجیاں اُڑانے والوں کو اکابرینِ اسلام نے کبھی بھی حقیقی اہل سنت و جماعت نہیں سمجھا بلکہ تاریخ کے ہر دور میں پاکانِ اُمت کے اِن بزرگوں نے سنتِ نبوی ﷺ اور جماعت الصحابہ کے عقائد کے برعکس کسی قسم کے بھی غلط عقیدہ میں مبتلا حضرات کو اہل بدعت ہی جانا ہے۔ عقیدہ کی یہ خرابی چاہے کسی ایک مسئلہ سے متعلق ہو یا ایک سے زیادہ بہر حال سنت نبوی ﷺ اور جماعت الصحابہ سے ثابت عقائد و عمل کے منافی مذہب رائج کرنے والوں کو اہل بدعت قرار دینا بھی سنتِ اسلاف ہے۔

حقیقی اہل سنت و جماعت کے اس معیار کو سمجھنے کے بعد جب ہم خود کو اہل سنت و جماعت کہنے والی اس نئی جنس کی قوت فکری و عملی پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں اِن کی شکل میں کچھ اور ہی دکھائی دیتا ہے۔ کیوں کہ سنتِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات میں ضعفِ اعتقادی کی قطعاً گنجائش نہیں ہے جبکہ یہ سراپا اس

(1) مرقاۃ شرح مشکوۃ، ج1، ص2تا4۔ (2) فیض القدیر، ج4، ص99۔

میں ڈوبے ہوئے نظر آتے ہیں، صحابہ کرام ضعیف الاعتقادی اور توہم پرستی کو ایمان کے منافی سمجھتے تھے جبکہ یہ اُسے داخل فی الاسلام سمجھتے ہیں، سنت نبوی ﷺ میں ریاکاری کو شرک کی ایک قسم قرار دے کر اُسے گناہ کبیرہ کے زمرہ میں شمار کیا گیا ہے، صحابہ کرام ؓ اسے ایمان کی راہ میں نقصان سمجھتے رہے جبکہ یہ حضرات اُسے مصلحت فی الاسلام سمجھ کر ارتکاب کر رہے ہیں۔ سنتِ نبوی ﷺ میں اتحاد بین المسلمین کے لیے قدم اُٹھانے کو فرض عین قرار دیا گیا ہے صحابہ کرام ؓ اُس پر عمل کرنے کو فرض سمجھتے تھے جبکہ یہ اُسے ایمان کی کمزوری کہہ کر اُس کی ضد یعنی افتراق بین المسلمین کی حرام کاری میں مبتلا ہیں۔ سنت نبوی ﷺ میں خودستائشی کو گناہ قرار دے کر اُس سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے صحابہ کرام ہمیشہ اُس سے اجتناب کرتے رہے جبکہ یہ اُسے مصلحت سمجھ کر ارتکاب کر رہے ہیں، منہ پر لوگوں کی تعریف کرنے اور خوشامد کرنے کو سنتِ نبوی ﷺ میں ظلم قرار دے کر اُس سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ صحابہ کرام و من بعدہم جملہ سلف صالحین اُسے ہمیشہ معیوب سمجھتے رہے ہیں جبکہ یہ اُسے داخل فی الاسلام کہہ کر ارتکاب کر رہے ہیں۔

قبروں کو سجدہ کرنے اُن پر میلہ لگانے اور کسی بھی غیر اللہ کو سجدہ کرنے سے سنتِ نبوی ﷺ میں منع کر کے اُنہیں ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ صحابہ کرام نے ہمیشہ اسے ناجائز ہی جانا ہے جبکہ یہ حضرات من گھڑت تاویلات سے ان تمام خرافات کو جائز کہتے ہیں، بزرگانِ دین کی توہین مسلمانوں کی بدنامی اور بیضۃ الاسلام کی کمزوری کا سبب بننے والے ہر عمل کو سنتِ نبوی ﷺ میں حرام قرار دے کر اُس سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے صحابہ کرام ہمیشہ اِس کی پابندی کرتے رہے جبکہ یہ حضرات محض اپنی خواہش کی اتباع میں انہیں جائز سمجھ کر ارتکاب کر رہے ہیں۔ روحانیت و مذہب کے حوالہ سے عوام کی رسائی فہم سے بعید یا اشتباہ کے سبب بننے والی فی الجملہ جائز باتوں کی تبلیغ کرنے کو سنتِ نبوی ﷺ میں ناجائز و ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ صحابہ کرام نے ہمیشہ اُس پر عمل کیا جبکہ یہ اسے جائز سمجھ کر فخریہ طور پر ارتکاب کر رہے ہیں، سنتِ نبوی ﷺ میں اہل کتاب کے احبار و رہبان کے کردار کو حرام قرار دے کر اُس سے منع کیا گیا

ہے۔ صحابہ کرام بھی ہمیشہ اُسے مکروہ جان کر نفرت کرتے رہے جبکہ یہ حضرات اُسی چیز کو دوسرے ناموں سے جائز سمجھ کر اپنا رہے ہیں۔

الغرض اہل سنت و جماعت کے خالص اسلامی نام کے پردہ میں بدعت کاریوں کی یہ فہرست نہایت طویل ہے، اس کے گوشے تاریک اور خوشے تلخ ہیں اور اس کے ان حاملین کی فکر و عمل اُنجانے میں مخالفِ سنت و منافی جماعت ہے اور اس قسم آدھی سنت آدھی بدعت والے حضرات، پیری مریدی کے کاروبار کرنے والے، نیم خواندہ علماء اور جاہل پیروں میں بکثرت پائے جاتے ہیں جو اُٹھتے بیٹھتے اپنے آپ کو اہل سنت و جماعت کہتے نہیں تھکتے۔

ایک اشتباہ اور اُس کا ازالہ:۔ مذہبیت اور روحانیت کے حوالہ سے ان معروضی حقائق پر غور کرنے والے قارئین کرام کو یہاں پر اشتباہ ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں کو حقیقی اہل سنت و جماعت کا خلاف اور ضد قرار دیا جا رہا ہے وہ شرح عقائد، مواقف اور فقہ اکبر جیسی کتب عقائد میں لکھے ہوئے مسائل اہل سنت و جماعت کو تسلیم کرتے ہیں یعنی معتزلہ، خوارج، قدریہ، مرجیہ، امامیہ، وغیرہ فرقوں کے ساتھ اختلافی مسائل میں اسلافِ اہل سنت نے جو موقف اختیار کیا ہے اِن لوگوں کا بھی وہی موقف ہے۔ ایسے میں انہیں حقیقی اہل سنت سے خارج قرار دینے کا کیا جواز ہو سکتا ہے؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ کتابوں میں جن مسائل کے حوالہ سے اسلاف اہل سنت کا موقف بیان ہوا ہے اُن کا تعلق صرف اور صرف ماضی بعید کے مختلف ادوار میں سنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم اور جماعت الصحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے برخلاف وجود میں آنے والے گمراہوں سے بچانے کے لیے اہلِ حق نے اُن کی نشان دہی کی تھی کیوں کہ سنتِ نبوی ﷺ اور جماعت الصحابہ کے خلاف روش اختیار کرنے والے اہل بدعت کا وجود کسی ایک تاریخ کی پیداوار تو ہے نہیں کہ یہ سب گمراہ فرقے کسی ایک وقت میں ہی وجود میں آئے ہوں اور سنت نبوی و جماعت الصحابہ کا دفاع کرنے والے اہل حق نے بھی اُسی ایک وقت میں ہی اُن کا رد کر کے حقیقی اہل سنت و جماعت بننے کے لیے معیار و

خطوط مقرر کر کے آئندہ ہمیشہ کے لیے نئے جنم پانے والے گمراہ فرقوں کا راستہ روکا ہے ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ فتنۂ خوارج جو سنت نبوی و جماعت الصحابہ کے خلاف اوّلین بدعت و گمراہی تھی سے شروع ہونے والے اِس سلسلہ بدعت کی منحوس شاخوں کا تسلسل ہر دور و تاریخ میں جاری رہا اور جاری ہے بلکہ قیامت تک جاری رہے گا۔ یہاں تک کہ حضرت امام مہدی جب تشریف لائیں گے تو اہل بدعت کے یہی نیم خواندہ متعصب علماءِ سُوٓ اور ان کے ہمکار جاہل پیر اُن کے خلاف ہوں گے، بظاہر اگرچہ مخالفت کرنے کی استطاعت خوفِ شمشیر کی وجہ سے نہیں رکھیں گے لیکن باطنی خباثت کا مظاہرہ قلبی منافرت کی شکل میں ضرور کریں گے۔ جیسے فیض القدیر شرح جامع الصغیر، جلد 6، صفحہ 279 اور الفتوحات المکیہ، جلد 3، صفحہ 327 پر اس کی مکمل تشریحات موجود ہیں۔

بدعت کار گمراہ جماعتوں کے اِس جاری عمل کی واضح مثالیں ماضی قریب میں لکھی گئی کتب عقائد مثلاً المعتقد المنتقد اور اُس کی شرح المستند المعتمد بناء نجاۃ الابد اور فتاویٰ بہار شریعت حصہ اوّل کی شکل میں بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔ جن میں سنت نبوی و جماعت الصحابہ کے حقیقی پاسبانوں نے تاریخ کے مختلف ادوار میں گمراہ جماعتوں کی نشان دہی کر کے اُن سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ جن کا وجود ماضی بعید کے کسی بھی دور میں نہیں تھا۔ فتاویٰ رضویہ میں بھی مزارات اولیاء کو سجدہ کرنے، غیر معیاری مشائخ و جعلی پیروں کے اِس گھناؤنے کاروبار کو جائز سمجھنے مصنوعی مزارات بنانے اور پیری مریدی کو ذریعہ معاش بنانے والے، احبار و رھبان کا کردار اپنانے جیسے بدعت کاروں کا سنتِ نبوی ﷺ اور جماعت الصحابہ کے خلاف ہونے کی کتنے مقامات پر نشاندہی کر کے ان بدعتی گمراہوں سے بچنے کی تبلیغ کی گئی ہے۔

ہم بھی بزرگانِ دین کے اِسی تبلیغی کردار کے عین مطابق اپنے دور کے نمبر دو (2) اہل سنت کی فکری و عملی بدعت کاریوں کو سنت نبوی ﷺ اور جماعت الصحابہ کے منافی و متضاد ہونا ظاہر کر کے وہی فریضہ انجام دے رہے ہیں جو اسلاف نے دیا، وہی کردار اپنا رہے ہیں جو انہوں نے اپنایا اور اصل و نقل کی وہی تفریق بتا رہے ہیں جو انہوں نے ہمیں بتائی تھی۔ لہٰذا سنت نبوی ﷺ اور جماعت الصحابہ کے متضاد،

طرح طرح کی فکری و عملی بدعتوں میں ملوث لوگوں کو محض اِس وجہ سے اہل سنت و جماعت کہنا کہ وہ ماضی بعید وقریب یا زمانہ حال کی کچھ گمراہ جماعتوں کے خلاف ہیں یا اِس لیے کہ وہ کچھ مسائل میں سنت نبوی ﷺ اور جماعت الصحابہ کے مطابق ہیں بے حقیقت تصور ہے، اشتباہ برائے اشتباہ ہے۔ اس اشتباہ کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی ناواقف حال شخص کسی ظالم کو یا لباس خضر میں دھوکہ باز فراڈی غدار کو محض اُس کے اسلامی لباس یا خوبصورت چہرہ کو دیکھ کر یا نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کو دیکھ کر مرد صالح کہے۔ واقف حال سب جانتے ہیں کہ کجا حقیقی مرد صالح کجا یہ فراڈی ظالم، کجا حقیقی نمازی و روزہ دار اور کجا خلق خدا کا یہ مجرم و غدار۔

اہلِ سنت و جماعت ہونے کا یہ مطلب کہ آدھے تیتر آدھے بٹیر کو اہل سنت کہا جائے، آدھی سنت آدھی بدعت التباس الحق بالباطل کرنے والے مجرموں کو سنت نبوی ﷺ اور جماعت الصحابہ کا پیروکار ٹھہرایا جائے یا محض چند گمراہ فرقوں کی مخالفت کرنے کی بناء پر سنت نبوی ﷺ و جماعت الصحابہ کے اِن فکری و عملی مخالفوں کو اہل سنت و جماعت قرار دیا جائے بجائے خود اہل سنت و جماعت کی مخالفت ہے ورنہ معتزلہ و کرامیہ، اور دوسرے بہت سے گمراہ فرقوں کو بھی اہل سنت کہنا پڑے گا کہ وہ بھی تو سنتِ نبوی ﷺ اور جماعت الصحابہ کے سو فیصد مخالف نہیں ہیں۔ ایسے میں مذکورہ اشتباہ شیطانی وسوسہ کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ (اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الْمُسْتَعَانُ عَلَی الشَّیْطَانِ)

دین اسلام کو اپنی خواہشات کا تابع کرنے والوں کا ایک اور ظلم:۔

مذکورہ شیطانی اشتباہ کے علاوہ اپنی خواہش نفس پر مبنی تصورات کو منحصر فی الحق اور اللہ کے سچے دین حق کو اپنے اِن مزعومہ نظریات میں منحصر کہنے کی جسارت کرنے والے ناقصوں کا ایک ظلم بلکہ ظلم عظیم یہ بھی ہے کہ عرصہ ربع صدی سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ مرغی کی نظر رکھنے والے یہ مٹھی بھر ناقص الفکر اپنے ان مزعومہ نظریات کے خلاف کرنے والوں کو چاہے وہ کتنے ہی بڑے عالم و عامل اور فاضل و کامل ہی کیوں نہ ہو اہل سنت و جماعت کے خلاف ہونے کا فتویٰ دے رہے ہیں، اہل سنت و جماعت کے لیے

بے مثال خدمات انجام دینے والے محسنین اہل سنت کے خلاف چہ میگوئیاں کر رہے ہیں اور اہل حق کی پگڑیاں اُچھال کر اپنے محدود و منحوس ماحول کے جہلا سے داد تحسین لے رہے ہیں۔ سلسلۂ حماقت کی اس نا معقول حرکت میں گزشتہ چار سالوں کے دوران مرحوم علماء حق میں سے میرے استاذ الحدیث حضرت غزالی زمان سید احمد سعید کاظمی، شاہ احمد نورانی قدس اللہ اسرارہم القدسیہ اور بقید حیات علماء حق میں برادرم محترم شیخ الحدیث مولانا غلام رسول سعیدی، رفیقِ محترم حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد اشرف سیالوی کے خلاف محض اِس وجہ سے ماہنامہ آوازِ حق میں کچھ لکھنے کے لیے مجھ سے درخواستیں کی گئیں، بار بار خطوط بھیجے گئے کہ اِنکی کچھ تحریریں اُن مرغی کی نظر رکھنے والوں کے مزعومہ خیالات کے خلاف تھیں۔
بدعت کاروں کی یہ محدود و منحوس جماعت اِس وجہ سے بھی قابلِ رحم ہے کہ ان میں کوئی رجل رشید نہیں ہے جو اُنہیں روکے، ٹوکے اور اپنے فکری گھروندہ کی حدود میں رہنے کا اُنہیں کہے۔ اس زوال رسیدہ ماحول و معاشرہ میں کوئی مصلح نہیں ہے جو اللہ کے سچے دین کو اپنے نظریات میں منحصر کرنے کی بدانجامی سے اُنہیں آگاہ کرے کہ اللہ کا سچا دین دُنیائے انسانیت کے ہر دور و تاریخ میں موجود تھا جبکہ تمہارے خیالات کل کی پیداوار ہیں، اللہ کا سچا دین اُس کے مقدس فرمان ''اِنَّ ھٰذِہٖ اُمَّتُکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّاَنَا رَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْنِ'' (1) کا مظہر و مصداق ہو کر جملہ انبیاء و مرسلین کی سابقہ شریعتوں میں بھی جلوہ فرما تھا۔ جبکہ تمہارے اِن نظریات کا کوئی تصور بھی نہیں تھا اور اُس کے کچھ حصّوں پر عمل کر کے غیر مسلم اقوام بھی ترقی کی منازل طے کر رہی ہیں۔ جبکہ تم اُسے اپنے اندر منحصر ہونے کے جھوٹے گھمنڈ کے قعرِ ذلت میں گرتے جا رہے ہو۔
اللہ کے سچے دین کا اصل الاصول ہونے اور جملہ اسلامی فرقوں کے گمان و خیال میں متبوع العقیدہ والعمل تصور کیے جانے کی وجہ سے آج تک کسی بڑے سے بڑے گمراہ فرقے نے بھی اُسے اپنے مخصوص نظریات کا تابع بنا کر اپنے عقیدہ و عمل میں منحصر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ سب نے اِس معکوس

---

(1) الانبیاء، 92۔

الفطرت گمراہی کے برعکس اپنے اپنے فرقوں کو اُسی کی اتباع میں منحصر سمجھ کر دوسروں کو غلط کہا ایسے میں اللہ کے سچے دین کو اپنے عقائد واعمال میں منحصر کہہ کر اُس لامحدود کو محدود کرنے والا اصل کو فرع بتانے والا اور متبوع کو تابع قرار دینے والا ایسا جدید فرقہ ہے جس کی کوئی مثال ہی نہیں ملتی، جس کی سنت نبوی اور جماعت الصحابہ کے ساتھ کوئی مناسبت ہی نہیں ہے۔ لگتا ہے کہ سنتِ نبوی ﷺ اور جماعت الصحابہ کے خلاف کردار کی حامل اس نئی جنس کو اللہ تعالیٰ نے فرضِ منصبی سے غافل علماء پر عذاب کے طور پر مسلط کیا ہوا ہے۔ ورنہ علماء حق اگر سنتِ نبوی ﷺ اور جماعت الصحابہ کے حوالہ سے اصل ونقل کی تمیز بتاتے، حقیقی اہل سنت و جماعت اور نمبر دو اہل سنت کی تفریق کرتے اور اصل کی اشاعت کے ساتھ نقل کے انسداد کا فریضہ انجام دیتے تو اصل کی جگہ نقل کے مشہور ہونے کا یہ فساد کبھی نہ ہوتا، التباس الحق بالباطل کا یہ مکروہ منظر کبھی نہ ہوتا اور حقیقی اہل سنت و جماعت کی زوال پذیری دیکھنے کو کبھی نہ ملتی۔ میں پوری شرح صدر کے ساتھ یہ سطور علماء حق کی آگاہی کے لیے سپرد قلم کر رہا ہوں اور اُنہیں آگاہی دے رہا ہوں کہ یہ سب کچھ آپ حضرات کی تن آسانیوں، مصلحت کوشیوں اور مداہنت فی الدین جیسی بے اعتدالیوں کا منطقی انجام ہے، اللہ کے سچے دین میں مجازاۃ اعمال کے حوالہ سے مقررہ دنیوی سزاؤں کا نمونہ ومظہر ہے اور ربّ الناس جل مجدہٗ الکریم کی طرف سے تنبیہ ہے کہ اب بھی اگر مذہب حق اہلِ سنت و جماعت کی تبلیغ کے لیے، اس حوالہ سے اصل ونقل کی تفریق کے لیے اور فساد کاروں سے تحفظ وتطہیر کے لیے نہ اُٹھو گے تو آئندہ کی سزائیں آج سے زیادہ سخت ہونگی کیوں کہ جس قوم میں اصل اور نقل کی تفریق بتانے کا اہتمام نہ ہو اصل کو دجل سے بچانے کا احساس نہ ہو اور جہلا کی قیادت سے اجتناب نہ ہو تو اُس کا انجام ایسا ہی ہوتا ہے۔

اللہ کے لامحدود، اصل الاصول اور متبوع دین کو اپنے مزعومہ اہل سنت میں منحصر کرنے کی خطرناک جسارت کرنے والوں کا ایک اور اشتباہ آواز بازگشت کی طرح ہمارے کانوں تک یہ پہنچی ہے کہ وہ حقیقی اہل سنت کے مذاہب اربعہ کے اختلاف کا حوالہ دے کر کہتے ہیں کہ اِن تمام مذاہب کے حق ہونے یا

بعض کا حق اور بعض کا ناحق ہونے میں اسلاف اہل سنت کے دو اقوال ہیں؛

پہلا قول:۔ یہ سب کے سب حق ہیں۔ دوسرا قول:۔ حق صرف ایک ہے باقی تینوں غلط ہیں۔

تو اسلافِ اہلِ سنت کے اِس اختلاف کا لازمی نتیجہ اِس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ وہ اللہ کے سچے دین کو صرف اور صرف اہل سنت و جماعت کی اِس چاردیواری کے اندر منحصر سمجھ کر اِن کے سوا باقی تمام مذاہب باطلہ کو ''کِلَابُ النَّار'' قرار دیتے ہیں۔

جواب:۔ جہاں تک مذاہب اربعہ کے حق ہونے کے حوالہ سے اسلاف اہل سنت کے مذکورہ اختلاف کا ذکر کیا گیا ہے یہ تو درست ہے لیکن اِن دونوں اختلافی اقوال کی تشریح کرنے اور اِن کے محمل و مصداق متعین کرنے میں اِن حضرات کو اشتباہ ہوا ہے کیوں کہ اکابرین اہل سنت کے مذکورہ دونوں فریقوں میں سے کسی ایک نے بھی یہ نہیں کہا ہے کہ اللہ کا سچا دین عہد صحابہ کے بعد وجود میں آنے والی اِس چاردیواری میں منحصر ہے بلکہ اُن میں سے ایک فریق کا مؤقف جیسے ''المیزان الکبریٰ للامام الشعرانی'' میں موجود ہے، یہ ہے کہ مذاہب اربعہ کے اماموں میں سے ہر ایک ولایت خاصہ کے خصوصی مقام پر فائز ہونے کی بدولت بندوں کے افعال اختیاریہ کی شرعی حیثیات کے غیبی رموز و اسرار پر مطلع تھا تو جس نے اپنے آپ کو جس استطاعت و پوزیشن کا سمجھا اُسی کے مطابق بندوں کے اِن اختیاری اعمال کی شرعی حیثیت کا قول کیا لہٰذا یہ سب کے سب اقوال برحق ہیں کسی ایک امام یا کسی ایک مذہب کو بھی غلط نہیں کہا جا سکتا۔ چنانچہ امام عبدالوہاب الشعرانی نور اللہ مرقدہ نے نہ صرف اپنے مخصوص انداز میں تمام مجتہدین فی الاسلام کے حق اور مصیب ہونے کو ''المیزان الکبریٰ'' کے صفحات میں واضح کیا ہے بلکہ اُنہوں نے از اول تا آخر اِس پوری کتاب کو اِسی موضوع کے لیے مختص کیا ہے۔ جبکہ ان کے علاوہ اور حضرات نے اپنی اپنی کتابوں میں اسے جزوی طور پر ذکر کیا ہے، جیسے مسلم الثبوت اور اُس کی شروح میں موجود ہے۔ اور دوسرے فریق کا مؤقف جیسے ''مسلم الثبوت'' میں لکھا ہے؛

''هٰذَا هُوَ الصَّحِيْحُ عِنْدَ الْاَئِمَةِ الْاَرْبَعَةِ'' یعنی حق کا ایک ہونا چاروں اماموں کے مطابق صحیح ہے۔

اس کی شرح میں فواتح الرحموت نے لکھا ہے؛

''وَالْحَقُّ عِنْدَاللّٰهِ وَاحِدٌ''(1)

بندوں کے جن اختیاری اعمال کی شرعی حیثیت متعین کرنے میں ان نفوسِ قدسیہ کا اختلاف ہے ان میں حق کو پانیوالا صرف ایک ہوتا ہے جبکہ اس کے مقابلہ میں اور جتنے بھی ہیں وہ سب کے سب مخطی ہیں۔ اس قول کے مطابق اہل حق کے مذاہب اربعہ کے اماموں میں سے ہر ایک کے ماننے والے مقلدوں کو ہر اجتہادی واختلافی مسئلہ میں اپنے امام کے مصیب ہونے پر غالب گمان وراجح عقیدہ اور اُس کے مدمقابل کے مخطی ہونے پر غالب گمان وراجح عقیدہ رکھنا ضروری ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اپنے امام کے مخطی ہونیکا مرجوح گمان یا تصور وہم کے درجہ میں ہونے کے ساتھ دوسرے اماموں کے مصیب ہونیکا مرجوح گمان وتصور ہوا کرتا ہے۔ ایسے میں مذاہب اربعہ کے حق ہونیکے حوالہ سے سلف صالحین کے مذکورہ اختلاف کا مفاد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ بندوں کے غیر منصوصی اختیاری اعمال کی شرعی حیثیت بتانے میں مجتہدین کرام نے جو کچھ کہا ہے حق اُن سے متجاوز نہیں ہے وہ سب کے سب حق ہیں یا اُن میں سے صرف ایک حق ہے لیکن اِس کا یہ مطلب سمجھنا کہ اُنہوں نے اللہ کے سچے دین کو مذاہب اربعہ میں منحصر کیا ہے، محض کج فہمی ہے، مغالطہ یا اشتباہ ہے یا سلف صالحین کے اِس جائز اختلاف سے اپنی ناجائز پسند وترجیح پر غلط استدلال ہے، جسے کوئی بھی سنجیدہ انسان تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اِن حضرات کو لگنے والے اِس اشتباہ کی منشاء اور اصل صورتحال کی وضاحت اِس طرح ہے کہ مذکورہ اختلافی تفصیل میں بزرگان دین نے جس حق کے متعلق لکھا ہے ''کون الحق واحدا'' یا لکھا ہے کہ ''وَالْحَقُّ عِنْدَاللّٰهِ تَعَالٰی وَاحِدٌ'' جیسے مسلم الثبوت کی عبارت ''هٰذَا هُوَ الصَّحِيْحُ عِنْدَ الْأَئِمَةِ الْأَرْبَعَةِ'' کے تحت ''فواتح الرحموت'' نے لکھا ہے۔ تو اُس سے مراد بندوں کے اختیاری افعال کی شرعی حیثیت بتانے کے حکم کا مطابق واقعہ ہونا ہے کیوں کہ اجتہادی مسائل کا تعلق ہمیشہ بندوں کے اختیاری

(1) فواتح الرحموت، ج2، ص381۔

اعمال کے ساتھ ہوتا ہے۔ فقہاء کرام کا باہمی اختلاف بھی ان ہی کی شرعی حیثیت متعین کرنے میں ہوتا ہے۔ ایسے میں ہر دونوں فریقوں کی نگاہ میں اس حق سے مراد اجتہادی حکم کے معنی ومفہوم کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ یہاں پر اسے ''دِینِ اللّٰہِ الحَق ''یعنی اللہ کے سچے دین پر محمول کرنے کی کوئی تک ہو، کیوں کہ ہر کلام اور ہر لفظ کا محمل ومصداق متعین کرنے میں اُسکا سیاق وسباق اور مفہوم بعبارۃ النص سب سے بڑی دلیل ہوتا ہے۔ جبکہ مذکورہ اختلاف کے حوالہ سے فریقین کا کلام صرف اور صرف اجتہادی مسائل کے ساتھ خاص ہے تو پھر یہاں پر استعمال ہونے والے لفظ ''حق'' سے مراد دین اللہ الحق مراد لینا کیوں کر درست ہوسکتا ہے، لیکن اللہ کے سچے دین کو اپنے مزعومہ عقائد واعمال میں منحصر سمجھنے والے کوتاہ بینوں نے مفہوم بعبارۃ النص سے لے کر سیاق وسباق تک تمام شواہد وقرائن سے صَرف نظر کر کے اسے دین اللہ الحق یعنی اللہ کے سچے دین پر محض اس وجہ سے محمول کیا کہ اُنہیں یا تو حق کے مصداق کو سمجھنے میں اشتباہ ہوا، سیاق وسباق اور مفہوم، عبارۃ النص پر توجہ نہیں دی تو حق سے مراد دین اللہ الحق لیا جو ہر اعتبار سے غلط ہے یا اللہ کے سچّے دین کو اپنے مزعومہ عقائد واعمال میں منحصر سمجھنے کی جہالت، ماحولیاتی اثر اور تعصب کے ہاتھوں مجبوری نے ایسا کرایا بہر تقدیر اس کے عوامل ومحرکات جو بھی ہو۔ (وَاللّٰہُ اَعْلَمُ)

بزرگان دین کے اِس کلام میں واقع لفظ حق سے مراد ''دِینِ اللّٰہِ الحَق ''یعنی اللہ کا سچا دین مراد لینا بے محل، بے مقصد سیاق وسباق کے خلاف اور مفہوم بعبارۃ النص کے منافی ہونے کی وجہ سے فحش غلطی ہے۔ کاش اِن کج فہموں کو اس حوالہ سے اور استطاعت نہ سہی تو کم از کم شرح عقائد میں ''قَالَ اَھْلُ الْحَقِ حَقَائِقُ الْاَشْیَاءِ ثَابِتَۃٌ '' کی گئی تشریح اور لفظ حق کے مصادیق اربعہ کے جدا جدا مواقع استعمال کی سمجھ نصیب ہوئی ہوتی پھر بھی اس غلطی کے شکار نہ ہوتے لیکن سچ فرمایا فقہاء کرام نے ''اَلتَّعَصُّبُ اِذَا تَمَلَّکَ اَھْلَکَ ''(1) یہ بیچارے بھی اللہ کے سچے دین کو اپنے مزعومہ عقائد واعمال میں منحصر

(1) فتاوٰی رضویہ، ج28، ص340۔

سمجھ کر اور اُسے اپنے خیالات کے تابع بنا کر اپنے سوا باقی سب کو کلاب النار جہنمی قرار دینے کے تعصب کی وجہ سے نہ صرف اسی مسئلہ میں بلکہ قدم قدم اشتباہ میں مبتلا رہتے ہیں ورنہ مجتہدین فی الاسلام کے اقوال ومذاہب کی نوعیت کے لیے چلائے گئے اس کلام میں واقع لفظ حق سے مراد اللہ کا سچا دین لینے کی غلطی تعصب سے پاک انسان کبھی نہیں کرسکتا۔

حقیقی اہل سنت کا موقف:۔

پیشِ نظر مسئلہ کے پہلے حصہ یعنی اللہ کے سچے دین کا کسی بھی فرقے میں منحصر نہ ہونے کی حقانیت وصداقت پر گزشتہ صفحات میں ہم دو برہانی دلیلیں اور اِس کے دوسرے حصہ یعنی حقیقی مذہب اہلِ سنت وجماعت کا اللہ کے سچے دین میں منحصر ہونے کی حقانیت وصداقت پر خطابی دلیل بیان کر کے اِن دونوں کو بے غبار کر آئے ہیں۔ اب دل چاہتا ہے کہ اِس دوسرے حصہ یعنی مذہب اہل سنت وجماعت کا اللہ کے سچے دین میں منحصر ہونے کی حقانیت وصداقت پر برہانی دلیل بھی نذر قارئین کر کے اِن دونوں اسلامی عقیدوں کا توازن برابر نہ سہی کم از کم ایک دوسرے کے قریب کروں، تو وہ بطورِ اِستدلال مباشر اس طرح ہے؛

مدعا وشرعی حکم:۔ حقیقی مذہب اہل سنت وجماعت کے معتقدات ومسائل کا اللہ کے سچے دین میں منحصر ہونا حق ہے۔

استدلال مباشر:۔ ورنہ اُس کی نقیض حق ہوگی یعنی معتقدات ومسائل اہلِ سنت وجماعت میں سے کسی ایک کا بھی حق نہ ہونا، لیکن یہ نقیض چونکہ ظاہر البطلان وناحق ہے لہٰذا ہمارا اصل مدعا یعنی مذہب اہل سنت وجماعت کے معتقدات ومسائل کا اللہ کے سچے دین میں منحصر ہونا ہی حق ہے۔

اصل مدعا یعنی معتقدات مذہب اہل السنۃ والجماعۃ منحصر فی دین اللہ الحق، جو قضیہ مہملہ ہے اس کا موجبہ جزئیہ کے حکم میں ہونے کی بنا پر اُس کے نقیض سالبہ کلیہ یعنی "لَاشَیْئَ مِنْ مُعْتَقَدَاتِ اَھْلِ السُّنَّةِ وَ الْجَمَاعَةِ مُنْحَصِرٌ فِی دِیْنِ اللهِ الْحَقِ" کا جھوٹا ہونا، اِس لیے ظاہر ہے کہ جمیع معتقدات مذہب

اہل السنۃ والجماعۃ میں اجماعیات ومتفقات بین المذاہب بھی شامل ہیں جن کے غیر منحصر فی دین اللہ الحق ہونے کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ مذہب اہل سنت کا اللہ کے سچے دین میں منحصر ہونے پر مباشر استدلال کے اِس انداز کو ہم نے دلیل برہانی اِس لیے کہا کہ کسی بھی حکم کے نقیض کا جھوٹا ہونا اُس کے صدق وحق ہونے پر دلیل ہوتا ہے جس کے بعد کسی بیرونی دلیل کی ضرورت ہی نہیں رہتی اور اجتماع نقیضین یا ارتفاع نقیضین کا محال ہونا چونکہ بدیہیات اَوّلیہ کے قبیل سے ہے اور اَوّلیات ہمیشہ یقین کا افادہ دیتے ہیں اور یقین پر منتج دلیل ہمیشہ دلیل برہانی ہوا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ استدلال مباشر کی ہر یقینی صورت ہمیشہ برہانی دلیل ہوتی ہے۔ جب اللہ کے سچے دین کا کسی فرقے میں منحصر نہ ہونے اور مذہب اہل سنت وجماعت کا اللہ کے سچے دین میں منحصر ہونے کی حقانیت الگ الگ براہین سے مبرہن ہوچکی اور اِن کے مابین تضاد وتناقض کا قول مردود ہو چکا تو پھر سوال نامہ ہٰذا کی ابتداء میں مذکور مفتی صاحبان کا یہ کہنا کہ ''مذہب اہل سنت اللہ کے سچے دین میں منحصر اور اللہ کا سچا دین مذہب اہل سنت میں منحصر ہے'' اپنے آپ مردود ہوگیا۔ کیوں کہ؛

1 اس میں لامحدود کو محدود سمجھا گیا تھا۔ 2 اصل کو فرع ٹھہرایا گیا تھا۔

3 متبوع کو تابع قرار دے کر اللہ کے فرمان ''شَرَعَ لَکُمۡ مِّنَ الدِّیۡنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوۡحًا وَّالَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ وَمَا وَصَّیۡنَا بِہٖۤ اِبۡرٰہِیۡمَ وَمُوۡسٰی وَعِیۡسٰۤی اَنۡ اَقِیۡمُوا الدِّیۡنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوۡا فِیۡہِ''(1) اور ''وَلَقَدۡ وَصَّیۡنَا الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ وَاِیَّاکُمۡ اَنِ اتَّقُوا اللّٰہَ''(2) جیسے درجنوں نصوص قطعیہ کی مخالفت ہے۔

4 ''اِنَّ شَرِیۡعَۃَ جَائَتۡ عَلٰی ثَلَاثِ مِائَۃٍ وَسِتِّیۡنَ طَرِیۡقَۃً مَّا سَلَکَ اَحَدٌ طَرِیۡقَۃً مِنۡھَا اِلَّا نَجَا''(3) جیسی مقبول عند الاسلاف روایات سے بے اعتنائی ہے۔

---

(1) الشوریٰ، 13۔ (2) النساء، 131۔

(3) المیزان الکبریٰ للشعرانی، ج 1، ص 30، مطبوعہ مصر بروایت طبرانی۔

5 چاروں مذاہب اہل سنت کا مُروّج ہونے سے قبل صحابہ کرام وتابعین عظام کے جو اجتہادی مذاہب مثلاً مسلک ام المؤمنین حضرت عائشہ، عبداللہ ابن عباس، مسلک حسن بصری، سفیان ثوری، امام اوزاعی ابن سیرین جیسے درجنوں صحابہ وتابعین یا تبع تابعین جو اللہ کے سچے دین میں منحصر اور حق ہونے کے باوجود موجودہ مذاہب اربعہ کے پابند نہیں تھے اُن سب کو اللہ کے سچے دین سے نکالنے کے مترادف ہے۔

6 اللہ کے سچے دین کے مطابق عقیدہ وعمل والے اُن تمام حضرات کو اسلام سے نکالنے کے مترادف ہے جو اہلِ سنت کے سوا کسی اور ناموں سے دُنیا کے مختلف خطوں میں آباد ہیں یا کسی جائز وجوہ کی بناء پر غیر مسلموں میں یا بد مذہبوں میں رہتے ہیں۔

7 کوئی غیر مسلم ایمان لاکر اپنی قوت فکری وعملی کو اسلام کے مطابق بنا کر یا کوئی بد مذہب توبہ تائب ہوکر اہل سنت کی بجائے اُس نام سے مشہور ہو جو اُس خطے میں ایسے لوگوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اُنہیں اسلام سے نکالنے کے مترادف ہے۔

8 اللہ کا سچا دین اور دین اللہ الحق بالمعنی الکلی کے وہ حصے جو صرف بعد عہد الصحابہ مرّوج ومشہور ہونے والے مذاہب اہلسنت وجماعت کے ساتھ مختص ہیں بلکہ قبل از اسلام اور زمانہ جاہلیت میں بھی پائے جاتے تھے۔ لوگوں کے معمول بہ تھے اور مستحسن عند اللہ وعند الناس تھے جیسے مرد کی دیت کا پورا اور عورت کی دیت کا نصف ہونا، ضیوف اللہ (حجاج کرام) کی خدمت واحترام کرنا اور عدل کو استحسان کی نگاہ سے دیکھنے جیسے ہزاروں جزئیات جو بالیقین تاریخ کے ہر دور میں اللہ کے سچے دین کے حصے چلے آرہے ہیں اُن سب کو دین اللہ الحق سے نکالنے کے مترادف ہے۔

9 حضرت امام مہدی علیہ السلام کی تشریف آوری کے بعد مذہب اہل سنت وجماعت کے حصہ ظنیات سمیت جملہ مذاہب عالم کے معدوم ہوکر صرف اور صرف اللہ کے سچے دین کا عہد نبوت کی طرح یقینی حالت میں نافذ ہونے کے اجماعی عقیدہ کے منافی ہے۔

10 اللہ کے فرمان "لَا خَیْرَ فِی کَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَیْنَ النَّاسِ "(1) کے عموم وشیوع جیسے نصوص کثیرہ کے منافی ہے جن میں اللہ کا سچا دین اپنے کلی مفہوم کے اعتبار سے موجود ہے چاہے مفہوم اہل سنت و جماعت کے حاملین ومصداق و مکلفین موجود ہو یا نہ ہو۔

11 اللہ کے فرمان "وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا "(2) کے خلاف ہے جس میں ربُّ النّاس جل مجدہٗ نے کسی فرقے کی خصوصیت کے بغیر تمام اہل ملل ونحل کو اپنے سچے دین کو لائحہ عمل بنانے کا حکم دیا ہے۔

12 مذکورہ آیتِ کریمہ سمیت اُن تمام نصوص قطعیہ وظنیہ سے انحراف ہے جن میں اتحاد بین المسلمین کے جویاں رہنے کا، افتراق سے بچنے کا، اُمت مسلمہ کو زوال سے نکال کر ترقی وعروج کی راہ پر ڈالنے کا اور صالح قیادت لانے کا بلاتفریق مسلک سب کو حکم دیا گیا ہے اور اس کے برعکس زندگی گزارنے والوں کی بلاتفریق مسلک "مَنْ لَّمْ یَهْتَمَّ بِاَمْرِ الْمُسْلِمِیْنَ فَلَیْسَ مِنْهُمْ" کہہ کر مذمّت کی گئی ہے۔

جب پیشِ نظر مسئلہ کے ہر دونوں پہلو قرآن وسنت اور بزرگان دین کی روشنی میں واضح ہو چکے اور اہل سنت عقائد کا اللہ کے سچے دین میں منحصر ہونے کے ساتھ اللہ کے سچے دین کا کسی بھی فرقے میں منحصر نہ ہونے کی حقانیت وصداقت کا فرق بھی معلوم ہو چکا کہ مذہب اہل سنت و جماعت کا اللہ کے سچے دین میں منحصر ہونا بعض معتقدات اہل سنت کے اعتبار سے قطعی ہے جیسے معتقداتِ قطعیہ، مسائل اجماعیہ اور ضروریات اسلامیہ میں ہوتا ہے اور بعض معتقدات اہل سنت کے اعتبار سے ظنی ہیں جیسے معتقدات ظنیہ، مسائل اختلافیہ اور ضروریاتِ مذہبیہ میں ہوتا ہے جبکہ اللہ کے سچے دین کا انسانوں کے کسی بھی فرقے میں منحصر نہ ہونا علی الاطلاق قطعی ہے، اجماعی ہے اور ضروریاتِ دینیہ کے زمرہ میں شامل ہے تو پھر تعصب کے نشہ میں مدہوش وغافل اور معرفت کی مہک سے محروم مفتیوں کا یہ کہنا کہ "اللہ کا سچا دین

---

(1) النساء، 114۔ (2) آل عمران، 103۔

مذہب اہل سنت میں منحصر ہے'' اُنہیں کس طرف لے جا رہا ہے؟ کہاں سے کہاں تک پہنچا رہا ہے اور (فتاویٰ رضویہ کے مطابق ان پر کتنا خطرناک حکم لگ رہا ہے۔ اُنہیں چاہئے کہ خود سوچیں اور آوازِ حق کی اِس مُبرھن و مُنقح عبارت کو مشکوک نظروں سے دیکھنے کی بجائے خود اپنے ایمان کی خیر منائیں۔ فتاویٰ رضویہ کی محولہ بالا عبارت مندرجہ ذیل ہے؛

''عند التحقیق آدمی کو اسلام سے خارج نہیں کرتا مگر انکار اُس کا جس کی تصدیق نے اُسے دائرہ اسلام میں داخل کیا تھا اور وہ نہیں مگر ضروریات دین (کَمَا حَقَّقَهُ الْعُلَمَاءُ الْمُحَقِّقُوْنَ مِنَ الْاَئِمَةِ الْمُتَكَلِّمِيْنَ)۔(1)

پیش نظر سوال نامہ کے سائل محترم مولانا سیف الرحمان چترالی کا اور مذکورہ مفتیوں کا یہ کہنا کہ ''اُمت کا 73 فرقوں میں تقسیم ہونے والی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے سلف صالحین اور شارح حدیث نے اللہ کے سچے دین کو مذہب اہل سنت و جماعت میں منحصر کیا ہے'' سو فیصد جھوٹ ہے بلکہ ان بے گناہ حضرات پر بہتان عظیم ہے، کسی نے بھی یہ غلطی نہیں کی ہے۔ میرے خیال میں اِن بے گناہ اسلاف کی طرف اِس معکوس الفطرت قول کی نسبت کرنا ان حضرات کی بصیرت پر چڑھی ہوئی آلودگی تعصب کا نتیجہ ہے کہ اِن بے چاروں نے حقیقی سنتِ نبوی ﷺ اور جماعت الصحابہ کے کردار کو اپنی من پسند کا تابع بنانے کی غلطی کرنے کی طرح یہاں پر بھی محض اپنی تمنائے نفس کو ان بے گناہوں کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ (فَهَدَاهُمُ اللّٰهُ لِفَهْمِ الدِّيْنِ) آمین۔ اور امام اہل سنت شاہ احمد رضا خان (نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهُ الشَّرِيْف) کی طرف اس کو نسبت کرنے کا جرم تو ''چہ دلاور است دوزدی کہ بکف چراغ دارد'' سے مختلف نہیں ہے۔

اعلیٰ حضرت جیسے ثقہ فقیہ اور مزاج شناس اسلام ہستی اس طرح کی معکوس الفطرت بات لکھ ہی نہیں سکتی

---

(1) فتاویٰ رضویہ، ج 5، ص 101، مطبوعہ رضا فائونڈیشن جامعہ نظامیہ اندرون لوہاری گیٹ لاہور۔

ورنہ بتایا جائے کہ اُنہوں نے یہ غیر فطری بات اپنی کس تصنیف میں لکھی ہے۔ (مَا اَعْجَزَهُمْ مَا اَبْهَتَهُمْ مَا اَجْهَلَهُمْ، فَهَدَا هُمُ اللّٰهُ سَبِيْلَ الرَّشَادِ)

اہل انصاف کو دعوت فکر ہے کہ امام احمد رضا نور اللہ مرقدہٗ جیسے بے داغ مفتی اسلام کے یہ نادان دوست انجانے میں اُن کی کس طرح توہین کر رہے ہیں اور ان کی بے داغ شخصیت کو کس طرح داغدار کر رہے ہیں۔ سچ کہا گیا ہے کہ (نادان دوست سے دانا دشمن اچھا) جہاں تک اعلیٰ حضرت سمیت دوسرے محدثین وغیرہ اسلاف کرام کا فرقہ ناجیہ کو اہل سنت و جماعت کے ساتھ خاص بتانے کا سوال ہے تو اُس کے ساتھ ہم سب اہل سنت و جماعت کہلانے والے متفق ہیں، یہ ہمارے ایمان کا تقاضا ہے اور ہمارے عقیدے کا جزو ہے لیکن ''اَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ مُنْحَصِرٌ فِي الْفِرْقَةِ النَّاجِيه'' یا ''اَلْفِرْقَةُ النَّاجِيَةُ مِنْ اُمَّتِه عليه السلام مُنْحَصِرَةٌ فِي اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ'' کا درست ہونا ''دِيْنُ اللّٰهِ الْحَقُّ مُنْحَصِرٌ فِي مَذْهَبِ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ'' کہنے کو کب مستلزم ہے؟ اللہ تعالیٰ سب کو علم کی روشنی نصیب فرمائے، آمین۔ کج فہموں کی یہ اندھیر نگریاں صرف اس حد تک محدود نہیں ہیں بلکہ تعصب جیسے گناہ کبیرہ، فرقہ واریت جیسے فساد اور ماحولیاتی تقلید جامد کے اسیر ہونے جیسے امراض کا انجام ہر جگہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ (اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ)

اُمت کا 73 فرقوں میں تقسیم ہونے کا فلسفہ:۔

اُمتِ رسول ﷺ کا 73 فرقوں میں تقسیم ہونے اور اُن میں سے صرف اہل سنت و جماعت کا جنّتی ہونے والی روایت سے یہ مطلب نکالنا کہ اللہ کا سچا دین صرف اہل سنت و جماعت میں منحصر ہے کسی بھی سنجیدہ انسان کا عمل نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ کوئی حقیقی مفتی اِس کا تصور کر سکے یا کوئی حقیقی اہل سنت و جماعت عالم دین کہلانے والا شخص اس کا چرچا کر سکے کیوں کہ اللہ کے سچے دین کا مفہوم و مصداق اور حقیقی اہل سنت و جماعت کے مفہوم و مصداق اور ان کے مابین قائم نسبت وارتباط پر نگاہ رکھنے والے ہر شخص کو ''مَذْهَب اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ مُنْحَصِرٌ فِي دِيْنِ اللّٰهِ الْحَقِّ'' اور ''دِيْنُ اللّٰهِ الْحَقُّ

غیر منحصرٍ فِیْ مَذْھَبِ اَھْلِ السُّنَّۃِ وَالْجَمَاعَۃِ'' کے دونوں جملوں کے صادق ہونے میں ذرّہ برابر شک نہیں ہوسکتا تو پھر ''دِیْنُ اللّٰہِ الحَقُ مُنْحَصِرٌ فِی مَذْھَبِ اَھْلِ السُّنَّۃِ وِالْجَمَاعَۃِ'' کے جھوٹ کو ثابت کرنے کے لیے مذکورہ روایت کو دلیل کے طور پر پیش کرنا ''سوال گندم جواب جَو'' سے مختلف نہیں ہے۔ بلکہ تعصّب زدہ ذہن اور تحقیق دشمن ماحول سے پیدا شدہ تمناء محض ہے۔ جس کا قائل کنویں کے ان مینڈکوں کے سوا کوئی اور نہیں ہے چہ جائیکہ شارحین حدیث اور قابل قدر اسلاف کی طرف اس کی نسبت درست ہوسکے۔ اِسی قسم تعصّب زدہ ماحول کے معکوس العملیوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے؛

''کَبُرَتْ کَلِمَۃً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا کَذِبًا''(1)

مقام تعجب ہے کہ اُمت مسلمہ کا (73) فرقوں میں تقسیم ہونے اور اُن میں سے (72) فرقوں کا کسی بھی طریقے سے دین اللہ الحق سے جزوی انحراف اور ضروریات دینیہ سے مادون وکم درجہ کے مسائل میں بداعتقادی اختیار کرنے کی بناپر مخصوص وقت تک مستحق جہنم ہونے کے لیے اور صرف ایک فرقے کا دین اللہ الحق کے حوالہ سے ''مَااَنَاعَلَیْہِ وَاَصْحَابِی '' کے مصداق ہونے کی بدولت مستحق جنّت، منحصر فی دین اللہ الحق اور قابل بشارت ہونے کے لیے واردشدہ اِس روایت کا جب اللہ کے سچّے دین کا کسی فرقے میں منحصر ہونے کے ساتھ کوئی واسطہ ہی نہیں ہے، کوئی تصوّر اور ربط ہی نہیں ہے تو پھر اس سے استدلال کرکے اللہ کے سچّے دین کو اپنے من پسند مذہب وفرقے میں منحصر ہونے کا چرچا کرنا جہالت کی بدترین مثال نہیں تو اور کیا ہے۔ سچ فرمایا امام شاہ احمد رضا (نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف) نے؛

''اَلتَّعَصُّبُ اِذَاتَمَلَّکَ اَھْلَکَ''(2)

تعصّب کا ہی نتیجہ ہے کہ یہ مخطیان کرام نہ صرف خود اِس اندھیر نگری میں مبتلا ہیں بلکہ اپنے حلقہ اثر کو بھی اس کا اسیر بنائے ہوئے ہیں۔ شاید اِن ہی طبقوں کے متعلق حضرت امام برہان الدین (صاحب

(1) الکھف، 5۔ (2) فتاویٰ رضویہ، ج 28، ص 340۔

ہدایہ) نے فرمایا ہے:

فَسَادٌ کَبِیرٌ عَالِمٌ مُتَهَتِّکٌ وَاَکْبَرُ مِنْهُ جَاهِلٌ مُتَنَسِّکٌ

هُمَا فِتْنَةٌ عَظِیْمَةٌ لِمَنْ بِهِمَا فِی دِیْنِهٖ یَتَنَسَّکُ

اس جہالت نگری کے جراثیم سے مسلمانوں کو بچانے کے لیے مناسب سمجھتا ہوں کہ اُمت مسلمہ 73 فرقوں میں تقسیم ہونے اور اُن میں سے صرف اہلسنت وجماعت کا مستحق جنت ہونے سے متعلق اِس روایت کی تحقیق پیش کروں، ہماری رسائی فہم کے مطابق یہ حدیث مندرجہ ذیل پہلوؤں سے قابل غور ہے۔

1 حضرت ابو ہریرۃ، عبداللہ ابن عمرو ابن العاص، انس ابن مالک، ابن مسعود، جابر ابن عبداللہ، ابی اُمامہ، ابوسعید الخدری، اُبی ابن کعب، واثلہ ابن الاسقع رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ اَجْمَعِیْن جیسے عظیم صحابۂ کرام کے حوالوں سے متعدد اسانید واختلاف الفاظ کے ساتھ یہ روایت حدیث کی متعدد کتابوں میں مذکور ہے جن میں سے کوئی ایک سند بھی ایسی نہیں ہے جس پر اعتراض نہ کیا گیا ہو۔ ضعف سند کی اِس کمزوری کو دیکھ کر کچھ محدثین واسلاف نے اسے قابل استدلال ہی نہیں سمجھا۔

2 نہ صرف محدثین کی اکثریت بلکہ مختلف طبقہ ہائے علم کے جمہور نے اِسے درست وقابل استدلال جان کر حقیقی اہل سنت وجماعت کا اللہ کے سچے دین میں منحصر ہونے پر اس سے جو استدلال کیا اُن کا آپس میں اختلاف کا یہ عالم ہے کہ ایک فریق "کُلُّهَا فِی النَّارِ" کے مصداق (72) فرقوں کو ضروریات دین کے منکر اور ہمیشہ کے لیے جہنمی قرار دیتا ہے جبکہ دوسرا فریق انہیں ضروریات دین کے "مَادون مَاثَبَتَ فِی دِیْنِ اللّٰهِ الْحَقّ عَلٰی سَبِیْلِ الظَّنّ" کے منکر اور کسی مخصوص وقت تک جہنمی ٹھہراتا ہے پھر یہ بھی ہے کہ بعض اِنکے جہنمی ہونے کی وجہ ان کی بدعت اعتقادی قرار دیتے ہیں اور بعض ان کی بدعت عملی کو اور بعض اِن کی عقیدگی وعملی دونوں بدعتوں کو اِس کی بنیاد بتاتے ہیں۔ یہی حال "اِلَّا وَاحِدَة" کے حصۂ مستثنیٰ میں بھی ہے۔ تو اِن اختلافات واحتمالات کی موجودگی میں مذہب اہلسنت و جماعت کا اللہ کے سچے دین میں منحصر ہونے پر اس سے استدلال کرنا بجائے خود حق ہونے کے

باوجود قطعی الثبوت والدلالۃ نہیں ہے، انسانیت کی نگاہ میں ناقابل انکار اور ضروریات دینیہ کے قبیل سے نہیں ہے۔ چہ جائے کہ اس سے اللہ کے سچے دین کا مذہب اہل سنت و جماعت میں منحصر ہونے کے لیے استدلال کرنا درست ہو سکے۔ کیونکہ اس کے ساتھ اس کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ محدثین وشارحین حدیث سے لے کر متکلمین اسلام تک، مفسرین کرام سے لے کر فقہاء عظام تک، الفقہ المقارن کے محسنین اسلام سے لے کر علم الخلاف کے ماہرین تک الٰہیات کے اِن تمام طبقوں کے درجنوں اسلاف نے اِس روایت کے مذکورہ گوشوں پر گفتگو کی ہے لیکن کسی ایک نے بھی اللہ کے سچے دین کو اپنے من پسند نظریہ میں یا مذہب اہل سنت و جماعت میں منحصر ہونے کے لیے اس سے استدلال نہیں کیا ہے۔ قربان جاؤں سید عالم ﷺ کی دوربین نگاہ بصیرت پر کہ آپ ﷺ نے ایسے بدعت کار و خطاء کار نااہل مفتیانِ زمانہ سے متعلق فرمایا تھا؛

”عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَكُوْنُ فِیْ آخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُوْنَ كَذَّابُوْنَ يَاْتُوْنَكُمْ مِنَ الْاَحَادِيْثِ بِمَالَمْ تَسْمَعُوْا اَنْتُمْ وَلَا آبَائُكُمْ فَاِيَّاكُمْ وَاِيَّاهُمْ لَايُضِلُّوْنَكُمْ وَلَا يَفْتِنُوْنَكُمْ“(1)

آخر زمانہ میں التباس الحق بالباطل کرنیوالے ایسے جھوٹے علماء سوٗ ہونگے جو دین کے نام سے ایسی ایسی باتیں تمہیں بتائیں گے جو تم اور تمہارے آباؤ اجداد نے کبھی نہیں سنی ہوں گی تو اُن سے دور رہو اور اُنہیں اپنے سے دور رکھو ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں گمراہ کریں اور تم کو فتنوں میں ڈالیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ضروریاتِ دینیہ اور ضروریاتِ مذہبیہ کی تعریف سے غافل، اعتقادیاتِ قطعیہ اور اعتقادیاتِ ظنیہ کی تمیز سے بے خبر اور مذہب اہل سنت و جماعت کے حصہ یقینیات وحصہ ظنیات کے جدا جدا احکام وانجام سے ناآشنا حضرات میں نہ ذاتی طور پر اتنی استعداد ہے جس کی بدولت اس قسم کی

(1) مشکوۃ شریف، باب الاعتصاب بالکتاب والسنۃ بحوالہ مسلم شریف، ص 28۔

کثیر الجہات روایات کے شرعی مقاصد تک پہنچ سکیں اور نہ بزرگانِ دین وسلف صالحین کے کھینچے ہوئے خطوط کو سمجھ کر اُن کی پیروی کرنے کی صلاحیت ہے۔ (فَهَدَاهُمُ اللّٰهُ لِفَهْمِ الدِّيْنِ) آمین۔

مذہبی تعصب و جانبداری سے پاک ذہن کے ساتھ اس روایت کے ہر دونوں حصّوں پر بار بار غور وفکر کرنے کے بعد اہل سنت و جماعت اکابرین سے منقول توجیہ سے بہتر کوئی اور محمل و مصداق مجھے اس کا نظر نہیں آیا لہٰذا اُسی کی وضاحت پر اکتفا کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ اہل سنت و جماعت اسلاف کی متعدد کتابوں میں موجود اس توجیہ کی روح و مطلب ایک ہونے کے باوجود انداز کے اختلاف کی وجہ سے اُنہیں متضاد سمجھا جاتا ہے اور اُن کی حقیقت تک ہر قاری کی مکمل رسائی ممکن نہیں ہوتی جسے سہل الفہم بنا کر اُن کی یکسانیت کو واضح کرنے کے لیے مندرجہ ذیل مسائل کو بطور تمہید سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جس کے بعد اہلِ سنت بزرگوں کی توجیہ کا بے غبار ہو کر ہر قاری و سامع کے لیے باعث طمانیت ہونا آپ ہی آسان ہو جائے گا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

پہلا مسلّمہ:۔ کسی بھی اہل اسلام یا مدّعی اسلام کے کافر ہونے یا اسلام سے نکلنے کی صرف اور صرف ایک صورت ہے کہ ضرورت دینی سے التزاماً انکار کرے۔ ضرورت دینی سے مراد اسلام کا کوئی ایسا حصہ جس کا حصۂ اسلام ہونا اسلام شناسوں کو معلوم ہو، جس پر دلیل تلاش کرنے کی ضرورت نہ ہو یعنی حصۂ اسلام ہونا اُس کا کسی بھی اسلام شناس سے پوشیدہ نہ ہو اور معلومیت کا یہ انداز آغازِ اسلام سے لے کر اب تک تسلسل کے ساتھ روان ہو اور التزامی انکار سے مراد یہ ہے کہ بلا واسطہ انکار ہو ورنہ اگر انکار کسی ایسی چیز کا ہے جس سے ضرورت دینی کا انکار لازم آئے، جو مفضی الی انکار الضرورۃ الدینی ہو اور وہ ضرورت دینی کے انکار کے لیے واسطہ بنے تو پھر التزام انکار نہیں ہوگا بلکہ لزوم انکار ہونے کی بنا پر کفر سے بچنے کی راہ بن سکتی ہے۔ لزوم کفر اور التزام کفر کی مشہور فقہی اصطلاح کی حقیقت بھی اِس کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہے۔ مثال کے طور؛

مدعا:۔ قرآن شریف کو مخلوق کہنا لزوم کفر ہے، لزوم انکار ہے اور ضرورت دینی کے انکار کا واسطہ و راہ

ہے۔

صغریٰ:۔ کیوں کہ جو مخلوق ہو وہ حادث ہوتا ہے اور قرآن شریف چونکہ اللہ کا کلام ہے اور ہر کلام اپنے متکلم کی صفت ہوتا ہے۔

کبریٰ:۔ اور صفت کا حدوث اپنے موصوف کے حدوث کو مستلزم ہے اور موصوف کا حدوث اُس کے قِدم و وجوب اور ازلیّت و ابدیّت کے منافی ہے۔

نتیجہ:۔ لہٰذا قرآن شریف کو مخلوق کہنا اللہ کو قدیم، واجب اور ازلی و ابدی ماننے سے انکار کو مستلزم ہے جبکہ اللہ کے قدیم، واجب اور ازلی و ابدی ہونے پر یقین ضروریات دین کے قبیل سے ہے۔

دوسری مثال:۔ حسب منشاء علم غیب دریافت کرنے کو اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ کہنا التزام انکار یا التزام کفر نہیں ہے۔ بلکہ لزوم کفر ہے کیوں کہ یہ جملہ اللہ تعالیٰ کے استمراری علم غیب سے انکار کو مستلزم ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے لیے دواماً و استمراراً علم غیب ماننا ضروریاتِ دین کے قبیل سے ہے یہی وجہ ہے کہ کلمہ کفر ہونے کے باوجود اس کے قائل پر کافر و مرتد ہونے کا فتویٰ دینا جائز نہیں ہے۔

اس کے برعکس اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے علم غیب ذاتی سے انکار کرے تو ضرورت دینی سے انکار کے التزام کا مرتکب ہونے کی وجہ سے اُس کے کافر و مرتد ہونے کا فتویٰ دینا واجب ہو جاتا ہے۔

التزام کفر اور لزوم کفر کے مابین اِس فرق کو فقہی انداز استدلال میں اس طرح سمجھنا چاہیے۔

لزومِ کفر کی مثال:۔ مدّعا:۔ حسب منشاء علم غیب دریافت کرنا خدا کی صفت خاصہ ہے کہنے والے شخص کا یہ کلام کلمہ کفر ہے کفر نہیں یعنی اس میں صرف لزوم کفر ہے التزام کفر نہیں۔

صغریٰ:۔ کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی مستمر کے انکار کو مستلزم ہے۔

کبریٰ:۔ اور جو کلام بھی اللہ تعالیٰ کے علم ازلی مستمر کے انکار کو مستلزم ہو وہ صرف کلمہ کفر ہوتا ہے کفر نہیں۔

نتیجہ:۔ لہٰذا حسب منشاء علم غیب دریافت کرنے کو اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ کہنے والے شخص کا یہ کلام بھی کلمہ کفر ہے کفر نہیں، جس کے قائل پر تجدیدِ ایمان کے ساتھ توبہ بھی لازم ہے لیکن مرتد کا حکم لگانا جائز

نہیں ہے۔

التزامِ کفر کی مثال:۔ مدّ عا:۔ کسی کا یہ کہنا کہ ''انسانوں کی عقل وحواس سے پوشیدہ باتوں کا علم اللہ کو نہیں ہے'' یہ التزام کفروارتداد ہے۔

صغریٰ:۔ کیوں کہ یہ ضرورت دینی کا صریح انکار ہے۔

کبریٰ:۔ اور کسی بھی ضرورت دینی سے صریح انکار التزام کفروارتداد ہے۔

نتیجہ:۔ لہٰذا انسانوں کی عقل وحواس سے پوشیدہ باتوں پر اللہ تعالیٰ کے علم سے انکار بھی التزام کفروارتداد ہے۔

دوسرا مسئلہ:۔ ''خلود فی النار'' صرف اور صرف غیر مسلموں اور کافروں کا خاصہ ہے کسی بھی مسلمان یعنی تمام ضروریات دینیہ کے ماننے والے اہل قبلہ کے لیے خلود فی النار کا تصور اسلام میں نہیں ہے چاہے وہ کتنا ہی بڑا گناہ گار کیوں نہ ہو۔

تیسرا مسئلہ:۔ ہر بدعت چاہے اعتقادی ہو یا عملی یا قولی معصیت وگناہ ہے لیکن ہر گناہ ومعصیت بدعت نہیں ہے۔

چوتھا مسئلہ:۔ اہل سنت وجماعت عقائد کے مطابق کفر وبدعات کے سوا ہر گناہ ومعصیت کی بخشش ومعافی کے لیے مختلف قسم کی شفاعتوں کا ذریعہ ہوسکتا ہے۔ جسکی بدولت دخول جہنم سے چھٹکارا ممکن ہے۔

پانچواں مسئلہ:۔ حد کفر سے مادون اور کم درجہ کی بدعتوں میں مبتلا رہ کر بغیر توبہ کے مرنے والے بدعتیوں کے لیے بطور سزا وتطہیر دخول جہنم لازمی ہونے کے باوجود اُن کے لیے خلود فی النار نہیں ہے بلکہ حدِ تطہیر کی مخصوص مدّت حسب علم اللہ اُس میں رہنے کے بعد وہیں سے نکلنا بھی ہوگا جو اللہ کے فرمان ''فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ'' (1) کے عین مطابق ہے۔

چھٹا مسئلہ:۔ پیشِ نظر حدیث کے ''كُلُّهُمْ'' یا ''كُلُّهَا فِي النَّارِ'' میں لفظ ''کُل'' اِس مخصوص

---

(1) العادیات، 7۔

استعمال سے قطع نظر اپنے اصلی اور لغوی معنی کے اعتبار سے دو طرح استعمال ہوتا ہے؛

پہلا:۔ کسی مخصوص چیز اور فرد کے جملہ اجزاء یا اُس کے مخصوص احوال وصفات کے احاطہ وشمول کے لیے جس میں اس کا مدخول ومضاف الیہ ہمیشہ مفرد ہوتا ہے جیسے ''اَخَذْتُ کُلَّ الْمَالِ'' اور اللہ تعالیٰ کے فرمان ''وَلَاتَبْسُطْهَا کُلَّ الْبَسْطِ''(1) جیسی مثالوں سے بھی ایسا ہی معلوم ہورہا ہے۔

دوم:۔ متعدد چیزوں اور مختلف افراد کو محیط وشامل ہونے کے لیے استعمال ہوتا ہے جس میں اس کا مدخول ومضاف الیہ کبھی جمع معرف بالام ہوتا ہے چاہے جمع لفظی ہو یا معنوی کبھی اسی قسم جمع معرف بالام کی طرف لوٹنے والا ضمیر ہوتا ہے کبھی اس کے مضاف الیہ کو حذف کر کے تنوین کو اُس کا قائم مقام کیا جاتا ہے اور کبھی اسکا مضاف الیہ ایسا مفرد کلی ہوتا ہے جس سے مراد اُس کے تمام جزئیات وافراد علی سبیل الاستغراق ہوتے ہیں جن کی مثالیں بالترتیب قرآن شریف میں اس طرح بیان ہوئیں ہیں کہ مضاف بسوئے جمع لفظی معرف بالام، جیسے ''لَهٗ فِيْهَا مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ''(2) مضاف بسوئے مفرد لفظی متعدد معنوی معرف بالام جیسے ''کُلُّ الطَّعَامِ کَانَ حِلًّا لِّبَنِیْ اِسْرَائِیْلَ''(3) مضاف بسوئے ضمیر جمع معنوی معرف بالام کی طرف جیسے ''وَ تُؤْمِنُوْنَ بِالْکِتٰبِ کُلِّهٖ''(4) مضاف بسوئی ضمیر جمع لفظی معرف بالام جیسے ''وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ کُلَّهَا''(5) مضاف بسوئی مفرد نکرہ جس کے جمیع افراد بالاستغراق مراد ہو جیسے ''وَلَا تَکْسِبُ کُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَیْهَا''(6) مضاف المعنی جس کے مضاف الیہ کو حذف کر کے تنوین کو اُسکے قائم مقام کئے جانے کی مثال جیسے ''وَ کُلًّا وَعَدَاللّٰهُ الْحُسْنٰی''(7) اِن تمام صورتوں میں لفظ کل

---

(1) بنی اسرائیل،29۔ (2) البقرہ،266۔ (3) آل عمران،93۔

(4) آلِ عمران،119۔ (5) البقرہ،31۔ (6) الانعام،164۔

(7) النساء،95

کے مضاف الیہ کے تمام ممکنہ افراد مراد ہوتے ہیں، چاہے کلام میں صراحتاً مذکور ہو یا نہ ہو۔

نیز دو ہو یا تین یا زیادہ سے زیادہ اور شمار سے بے شمار بہر تقدیر مفردات القرآن امام راغب الاصفہانی کے مطابق اِن تمام کے تمام مواقع کو پہلی صورت کے مقابلہ میں ایک شمار کیا جاتا ہے کیوں کہ اپنے مدخول اور مضاف الیہ کے تمام ممکنہ افراد کو شامل و محیط ہونے کی صفت اِن سب میں قدرِ مشترک ہے جو پہلی صورت میں نہیں پائی جاتی۔

مفردات القرآن کی اِس لغوی تحقیق کی روشنی میں لفظ ''کُــل'' کی پہلی قسم کو اگر کل فردی یا کل مخصوص کہا جائے اور دوسری قسم کو کل اَفرادی یا کل مجموعی کے نام سے موسوم کیا جائے تو بعید از قیاس نہیں ہوگا لیکن منطق کی بعض کتابوں میں لفظ کل کی جو تین قسمیں (کل بمعنی کلی، کل بمعنی کل مجموعی اور کل بمعنی افرادی) بیان کی جاتی ہیں۔ لغت کی کتابوں میں اس کا کوئی نام ونشان تک نہیں ملتا اور پھر یہ بھی ہے کہ اِن کی جو مثالیں دی جاتی ہیں اُن کا بھی کوئی ثبوت عربی لغت میں نہیں ہے۔ ایسے میں پیشِ نظر حدیث کی تحقیق کے حوالہ سے یہاں پر وارد اس لفظ کو اُن مصنوعی قسموں کے سانچوں میں فٹ کرنے کی کوشش کرنا ضیاعِ وقت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ بخلاف اس با حوالہ لغوی تحقیق کے کہ اس کے مطابق اس حدیث میں لفظ ''کُلُّهَا فِی النَّارِ'' یا ''کُلُّهُمْ فِی النَّارِ'' میں مستعمل لفظ ''کُل'' اپنے دوسرے معنی میں متعین ہے۔ پہلے معنی کا تصور یہاں پر ممکن نہیں ہوسکتا۔ اِن تمہیدات کو ملحوظ خاطر رکھنے کے بعد اہل سنت وجماعت اکابرین کی کتابوں مثلاً مکتوبات امام ربانی، فتاویٰ شاہ عبدالعزیز، الفتاویٰ الکبریٰ، مرقات شرح مشکوٰۃ، اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ وغیرہ میں اس حدیث کی کی گئی توجیہ کا ماحاصل اس طرح ہے کہ جن 72 فرقوں کے متعلق ''کُلُّهُمْ فِی النَّارِ'' کہا گیا ہے اُن سے مراد اعتقادی بدعات میں یا اعتقادی وعملی دونوں طرح کی مادون حد الکفر بدعات میں مبتلا فرقہ ہائے ضالہ ہیں جن کا وجود خوارج سے شروع ہوکر حضرت امام مہدی علیہ السلام کی تشریف آوری سے کچھ عرصہ قبل تک جاری رہے گا۔ جن کی شاخوں کی کوئی حد ہی نہیں ہے اور ان میں سے ہر فرقہ کا اپنی تمام شاخوں کے جملہ افراد علی سبیل

الاستغرق سمیت جہنم جانا ضروری ہے جو بدعت کاری کا منطقی نتیجہ ہے۔ جس کے مطابق ہر ایک کو اُس کی بدعت کاری کی نوعیت کے مطابق سزا بھگتنے کے بعد حسب علم اللہ مخصوص مدت کے بعد خلاصی ملے گی اور جیسے بدعت کاری، ہوا پرستی اور سنت پیغمبر کی من حیث المذہب تبدیلی جیسی فکری و عملی گمراہیاں بلاتفریق اولین و آخرین اِن سب میں قدر مشترک و موجب سزا جہنم بن رہی ہیں اِسی طرح ضروریات دین کو ماننے جیسے فکری جوہر کی اِن سب میں موجودگی بھی بلاتفریق اِن سب کو نار جہنم سے نکالنے کا سبب بن رہی ہے تاکہ اللہ کے فرمان ''فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ''(1) کے تقاضوں کا مظاہرہ ہو سکے اور عتقاء الرحمان سے متعلقہ مسلم شریف کی مرفوع حدیث نبوی ﷺ کی عملی تصدیق ہو سکے۔

حدیث کے دوسرے حصہ یعنی ''اِلَّا وَاحِدَة'' کے فرقہ ناجیہ سے مراد ہر وہ سعادت مند طبقہ ہے جو ہر طرح کی بدعت کاری سے پاک و محفوظ ہو، جن کی قوتِ فکری میں بدعت ہو نہ قوتِ عملی میں، جس نے اپنی قوت فکری و عملی کی امانتوں کو سنتِ نبوی ﷺ اور جماعت الصحابہ کے کردار کے مطابق بنایا اور اُن کی بتائی ہوئی شریعت کو اللہ کا سچا دین جان کر خود کو اُس پر منحصر کیا، اُن کے طریقۂ علم و عمل کو طریقت جان کر خود کو اُسی پر رواں دواں کیا اور اُن کے مقابلہ میں اُبھرنے والی ہر ہوائے نفس و ماحولیاتی بدعات کی طرف پشت کر کے خود کو اللہ کے سچے دین پر مستقیم رکھا۔ اس کے باوجود بتقاضائے بشریت جو عملی کمزوریاں از قسم صغیرہ و کبیرہ اگر اُن سے سرزد ہو جائیں تو اُن کی بخشش و معافی کے لیے شفاعت جیسے کافی ذرائع و اسباب موجود ہیں پھر بھی اگر کوئی گناہ بغیر بخشش کے رہ گئے ہوں، جن کی سزا و تطہیر کے لیے نار جہنم ہی ناگزیر علاج قرار پاتی ہو تو اس سعادت مند فرقے کے کچھ افراد کا جہنم جانا محض شامتِ اعمال کی بنا پر ہوگا، خبث اعتقادی پر نہیں، بدعملیوں کی وجہ سے ہوگا بداعتقادیوں کی وجہ سے نہیں اور بشری کمزوریوں کی بنیاد پر ہوگا، بدعت کاریوں کی لعنت کی وجہ سے نہیں۔

---

(1) العادیات، 7

اس پوری تحقیق کا خلاصہ بعد التفصیل یہ ہے کہ اُمت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم میں مدعیان اسلام کے (72) گمراہ فرقوں میں سے ہر ایک اپنی تمام شاخوں کے باالاستغراق جملہ افراد سمیت محض اپنی بدعت کاریوں کی بنیاد پر مخصوص اوقات کے لیے جہنم جائیں گے۔ جبکہ سنتِ نبوی ﷺ اور جماعت الصحابہ کے کردار کے پابند فرقہ ناجیہ کے کچھ افراد اگر جہنم جائیں گے تو محض اپنی عملی بے اعتدالیوں کی وجہ سے جائیں گے ورنہ من حیث الجماعۃ اسے نجات حاصل ہے۔ گویا (72) گمراہ فرقے من حیث الجماعۃ واستغراق الافراد سب مخصوص انداز کے جہنمی ہیں جبکہ فرقہ ناجیہ یعنی اہل سنت من حیث الجماعۃ جنتی ہے۔ اگر چہ اُس کے بعض افراد محض عملی غلط کاریوں کی وجہ سے دوزخ جائیں گے۔

آخر میں ایک بار پھر جملہ اہل دانش کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہوں گا کہ اللہ کو حاضر ناظر جان کر پڑھیں اور بار بار پڑھیں کہ اہلِ سنت اکابرین کی جن کتابوں کا حوالہ میں نے پیش کیا ہے اُنہیں بھی اُٹھا کر دیکھیں کہ اِس حدیث کے کسی پہلو میں اللہ کے سچے دین کا مذہب اہل سنت و جماعت میں منحصر ہونے کا کوئی ذکر ملتا ہے؟ یا کسی محدّث وشارح اور قابل ذکر ہستی نے اللہ کے وسیع ولامحدود سچے دین کو محدود کر کے اپنے نظریہ کے اندر منحصر کیا ہے؟ اور اہل سنت کے مذاہب کے کسی بھی امام نے اللہ کے سچے اصل الاصول اور متبوع دین کو مذہب اہل سنت میں منحصر بتایا ہے؟ (فَاعْتَبِرُوْا یَااُولِی الْاَبْصَار)

اُمید کرتا ہوں کہ ہماری یہ تحقیق ناپختہ مفتیوں اور ناتجربہ کار اصحاب محراب ومنبر کے لیے چراغِ ہدایت ہوگی بشرطیکہ اُن کی بے علمی جہل مرکب کی حد تک نہ پہنچی ہو ورنہ جہل مرکب کا علاج اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی نہیں فرمایا ہے ہم کیا کر سکتے ہیں۔

حَرَّرَہُ العَبدُ الضَّعِیف

پیر محمد چشتی ۱۲-۱۱-۲۰۰۶

☆☆☆☆☆

وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کی تحقیق

ماہنامہ آوازِ حق کے تحقیقی مضامین پڑھ کر اُمید پیدا ہوئی کہ شاید میرے مسائل کا بھی جواب مل سکے۔ مسئلہ یہ ہے کہ حضرت امام سرھندی مجدّد الف ثانی نے وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود سے بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے؛

''توحیدِ یکہ دراَثناءِ رَاہ این طائفہ عَلِیَہ رادست می دہد دو قسم است توحیدِ شُہُودی و توحیدِ وُجُودی توحیدِ شُہُودی یک دیدن است یعنی مشہودِ سالك جُز یکے نباشد و توحیدِ وُجُودی یك موجود دانستن است وغیر اورا معدوم انگاشتن۔ وباوجود عَدَمیت مجالی ومظاہر آن یکی پنداشتن۔ پس توحید وجودی از قبیل علم الیقین آمد و شہودی از قسم عین الیقین''

اس کلام میں علم الیقین اور عین الیقین کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟

کسی بات کا حقیقت کے مطابق اور واقعی ہونا جسے یقین کہا جاتا ہے اس کے بعد اس کے علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین کی طرف تقسیم ہونے کا کیا مقصد ہے؟

کیا تصوّف کی زبان میں استعمال ہونیوالے اس قسم کے الفاظ کے چکر میں پڑنا وقت کا ضیاع نہیں ہے؟

کیا تصوّف پڑھنے والوں نے یا پیری مریدی کرنے والوں نے ملک وملت کے لیے کوئی قابلِ ذکر خدمات کبھی انجام دی ہیں؟

کیا تصوف کی یہ کتابیں الفاظ کا معمہ اور خیالی دُنیا کی بے حقیقت تصویر نہیں ہیں؟

میرا یہ نظریہ اگر غلط ہے تو از راہ لِلّٰہ حقائق کی روشنی میں میری تسلی کی جائے۔ اس کے علاوہ اہل تصوّف

کی اصطلاح کے مطابق وحدۃ الوجوداور وحدۃ الشہود کی حقیقت اور اِن کے مابین قابل فہم امتیاز اگر ہے

تو اُس کو بھی واضح کیا جائے۔ والسلام

المستفتی:۔ انجینیئر رحمت کبیر، خضرا روڈ گوادر ضلع گوادر، 06-01-2006

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

جہاں تک تصوّف کو الفاظ کا معمّہ اور بے حقیقت خیالی تصویر قرار دے کر اُس کی افادیت کو صفر کے ساتھ ضرب دینے اور اس کے پڑھنے پڑھانے کو وقت کا ضیاع ٹھہرانے کا عندیہ قائم کیا گیا ہے یہ سب کچھ تصوّف اور پیری مریدی کے حوالہ سے نااہلوں کے پیدا کردہ گمراہ کن ماحول کا فطری نتیجہ ہے کیوں کہ تصوّف کے نام پر پیری مریدی کی موجودہ کساد بازاری اور غیر معیاری پیروں کے حالات کو دیکھنے والوں کے دلوں میں ایسا تصور کا پیدا ہونا فطری امر ہے لیکن معاشرہ کی چاروں طرف کثرت سے پھیلی ہوئی اس گمراہی کو دیکھ کر حقیقی تصوّف کی افادیت سے ہی انکار کرنا انصاف نہیں ہے۔ تصوّف کی افادیت تھی کہ جب خلافت راشدہ کے بعد بالترتیب بنواُمیّہ اور بنوعباسیہ کے شرابی خلفاء کے ہاتھوں مذہبی اقدار کی دھجیاں اُڑائی جارہی تھیں، سنّتِ طیّبہ اور اُسوۂ حسنہ سید الانام ﷺ کی جگہ بدعات کو فروغ دیا جارہا تھا اور سرکاری مشائخ و درباری علماء سُو کے ہاتھوں مقتدرہ کی سرپرستی میں التباس الحق بالباطل کا بازار گرم کیا جارہا تھا۔ ایسے پُرآشوب وقت میں اہل اللہ کی اس مقدس جماعت نے حضرت امام جعفر صادق، امام زین العابدین، حسن بصری، سری سقطی، جنید بغدادی اور امام ابوحنیفہ جیسے حضرات کی صورت میں خلقِ خدا کو سلوک فی الدین کے فریضہ سے آگاہ کیا، اُمّت مسلمہ کے سیاسی اقتدار پر ناجائز تسلّط جمانے والوں کے دست و بازو بننے والے درباری مشائخ و علماء سُو کی دجل کاریوں سے اسلام کو بچایا، اصل اور نقل کی تفریق بتائی اور سنت و بدعت کی تمیز کرائی جس کے نتیجہ میں اسلام کا چراغ اپنی اصلی شکل میں آئندہ نسلوں کو منتقل ہوتے ہوئے ہم تک پہنچا ہے۔

اُمّتِ مسلمہ کو اہل اللہ کی اس مقدس جماعت کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اُس کے اوائل نے

سلوک فی الدین کے فریضہ پرعمل کرنے اور کرانے کیلیے اللہ کے فرمان ''وَتُوبُوا اِلَى اللّٰهِ جَمِيعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ ''(1) سے لے کر ''وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰىٓ ۝ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ''(2) تک توبہ، زہد، فقر، صبر، شکر، توکّل، خوف، رجاء، حُبّ ورضا کے اِن دس احکام اسلامیہ کونصاب تبلیغ بنا کر اللہ کے فرمان ''اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ''(3) میں پوشیدہ منشأ الٰہی کی تکمیل فرمائی۔نظامِ مصطفیٰ ﷺ کے حوالہ سے اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ دولتِ شام سے لے کر دولتِ عراق تک، مصر کی دولتِ فاطمیہ سے لے کر خلافتِ عثمانیہ تک ہزار سے بھی زائد صدیوں پر محیط دورانیہ کی ہر صبح وشام خلافت کے نام پر تاجداری کرنے والے کج کلاہوں سے اسلامی اقتدار کو اگر بچایا تو صرف اور صرف اہل اللہ کی اس مقدس جماعت نے بچایا ہے۔

حضرت امام حسن بصری، فضیل ابن عیاض، جنید بغدادی، حضرت امام المسلمین زین العابدین، امام جعفر صادق، امام حسن عسکری، امام المسلمین ابوحنیفہ، محمد ابن ادریس الشافعی، مالک ابن انس، احمد ابن حنبل، پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانی، خواجہ معین الدین حسن اجمیری، حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش، شیخ عبدالحق محدّث دہلوی، شیخ احمد سرہندی مجدّد الف ثانی اور ماضی قریب میں امام المسلمین علی الاطلاق امام احمد رضا جیسے مختلف رنگ ونسل اور مختلف بقاع وقبائل میں پائے جانے والی اِن مقدس ہستیوں کی تعلیمات پرغور کرنے والے اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتے ہیں کہ چراغِ مصطفوی ﷺ کی حقیقی روشنی کے تحفظ واشاعت اہل اللہ کی اس مقدس جماعت کی مرہون منت ہے، اگر امام جعفر صادق اور اُن کے شاگرد رشید امام المسلمین ابوحنیفہ جیسے درویشوں کا وجودِ مسعود نہ ہوتا تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کج کلاہ مقتدرہ اور اُن کے دست وبازو بننے والے درباری مشائخ وعلماء سُو کے ہاتھوں نظامِ مصطفیٰ ﷺ کو کتنا نقصان پہنچایا گیا ہوتا، حضرت پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانی کی تعلیمات نہ ہوں تو بنوعباسیہ کے خزاں رسیدہ اقتدار کے اور اُس کے دست وبازو بننے والے غیر معیاری پیرومشائخ اور علماء سُو کیا کیا تباہیاں

---

(1) النور، 31۔ (2) اللیل، 19تا21۔ (3) الحجر، 9۔

پھیلاتے۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن اجمیری کی تبلیغ نہ ہوتی تو شاید اس پورے خِطہ ہند میں مذہبی بہار کی یہ رونقیں کبھی دیکھنے کو نہ ملتیں۔

غیر معیاری مشائخ اور علماءِ سؤ کی گمراہ کن صحبت سے بگڑا ہوا جلال الدین اکبر کے دینِ اکبری کی گمراہیوں کی سرکوبی کے لیے حضرت شیخ احمد سرہندی کی شکل میں درویشوں کی یہ مقدس جماعت اگر نہ ہوتی تو اس خِطہ ہند میں چراغِ مصطفوی کی بقاء کی کوئی اُمید نہ ہوتی۔ تثلیث پرست انگریز کی اسلام مخالف سازشوں سے اسلام کو بچانے کے لیے اگر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی تعلیمات نہ ہوتیں تو کون کہہ سکتا ہے کہ اس خِطہ ہند میں چراغِ مصطفوی ﷺ کا تحفظ ممکن ہوتا۔ حقیقی درویشوں اور سچے صوفی و مشائخ کہلانے والی مقدس جماعت کے وجودِ مسعود سے وابستہ فوائد کی یہ جھلکیاں مشتے نمونہ از خروارے ہیں ورنہ جس کی بدولت مذہبی رونقیں قائم ہیں، حلال وحرام کی تمیز باقی ہے اور اسلام وکفر کی تفریق کا کچھ احساس کیا جا رہا ہے اور اِن کی تعلیمات پر غور کرنے سے اس بات پر بھی یقین ہو رہا ہے کہ ان حضرات نے اپنے کردار و گفتار کو مؤثر بنانے کے لیے اور اپنی تبلیغی کاوشوں کو مفید بنانے کے لیے توبہ سے لے کر رضا تک مذکورہ اسلامی احکام کو نصاب تربیت بنا کر باطل کی سرکوبی کے لیے رجال کار تیار کیے اور بعد والے صوفیاء کرام نے نصاب تربیت کے ان ہی احکام کو منازل سلوک کا نام دے کر تزکیہ وتربیت کے اس اندازِ عمل کا نام تصوّف رکھا اور اس کے تربیتی مراکز خانقاہوں کے نام سے مشہور ہوئے۔ زمانہ کی گردش کے تقاضوں کے مطابق انسانی زندگی کے دوسرے شعبوں میں تبدیلیاں آنے کی طرح سلوک فی الدین کی ان تربیت گاہوں میں بھی نمایاں تبدیلیاں آچکی ہیں، نام وہی ہے لیکن کام وہ نہیں ہے۔ تصوّف کا جو اصل موضوع و مقصد تھا موجودہ خانقاہوں کی غالب اکثریت کا اُس کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں رہا۔

حقیقی صوفیاء کرام و مشائخ کا جو بنیادی نصب العین تھا موجودہ مشائخ کی غالب اکثریت کی اُس کی طرف پشت ہو چکی ہے، شاہینوں کے نشیمنوں پر زاغوں کا ڈیرہ ہو چکا ہے، اصل کی جگہ نقل نے لی ہوئی

ہے، عوام کی جہالت وتو ہم پرستی یا خوش اعتقادی سے ناجائز فائدہ اُٹھایا جارہا ہے۔ صوفیاء کرام نے تاریخ کے مختلف ادوار میں جن باتوں کا ذکر کیا تھا وہ اُس ماحول کی مناسب اور مقتضائے وقت تھیں کیوں کہ اولیاء اللہ اور حقیقی مشائخ وقت کے حکم ہوتے ہیں جوانسانوں کی اُن کے ماحول اور تقاضائے وقت کے مطابق تربیت کرتے ہیں جبکہ حقیقت تک رسائی سے محروم ناقص پیر اور بے مصرف مشائخ مقتضائے وقت اور نامناسب باتوں میں تمیز کرنے سے قاصر ہوتے ہیں نہ صرف اتنا بلکہ بزرگوں کی تعلیمات اور اُن کے فرمودات کے پسِ منظر سے ہی ناآشنا ہوتے ہیں۔ تصوّف کو چوں چوں کا ملغوبہ بنا کر پیش کرنے والے بے حقیقتوں کے اس عمل کو اور پیری مریدی کو کھیل تماشا بنانے والے ناقص پیروں کے اس قابلِ نفرت کردار کو دیکھ کر حقیقی تصوّف کو بھی بے فائدہ کہنا قرین انصاف نہیں ہے۔ لہٰذا تصوّف کے حقیقی مقاصد پر عمل کیا جائے تو وہ گزشتہ کی طرح موجودہ دور میں بھی ملک وملت کے لیے مفید ہوسکتا ہے اور یہ تصور بھی غلط ہے کہ خانقاہی نظام موجودہ دور میں مفقود ہے یا حقیقی مشائخ اور منازلِ سلوک کی تربیت دے کر خلق خدا کی اصلاح کرنے والے حقیقی پیر ومرشد کا ملنا ممکن نہیں ہے بلکہ اہل اللہ کی اس مقدس جماعت کا تسلسل غیر منقطع ہے۔ جیسے مرفوع حدیث میں ارشاد ہوا؛

''لَنْ تَزَالَ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِی عَلَی الْحَقِّ لَایَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰی یَاْتِیَ اَمْرُ اللّٰهِ''(1)

یعنی اہل حق کی ایک جماعت قیامت تک ہمیشہ قائم ودائم رہے گی مخالفین اُن کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ہیں۔

اسی مقدس طبقہ کی علامات وپہچان کے سلسلہ میں فرمایا ''یَنْفُوْنَ عَنْهُ تَحْرِیْفَ الْغَالِیْنَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِیْنَ وَتَاوِیْلَ الْجَاهِلِیْنَ ''(2) یعنی خواہش پرست غالی گمراہوں کی طرف سے کی جانے والی

(1) بخاری شریف کتاب العلم، ج1، ص16۔
(2) مشکوٰۃ شریف کتاب العلم فصل ثانی، ص36۔

تحریف فی الدین اور باطل پرستوں کی جانب سے دین اسلام کی طرف نسبت کی جانی والی کمی بیشی کی نسبتوں کے خلاف تبلیغ کر کے اُس کی تطہیر کرتے ہیں۔ اِن علامات کی حامل اِس مقدس جماعت کے سعادت مند افراد مسلمانوں کے مختلف رنگ ونسل اور مختلف زبانیں بولنے والے قبائل واقوام پر مشتمل کرۂ ارضی کے مختلف خطوں میں آباد ہیں۔ ایک دوسرے سے زبانیں مختلف، رنگ ونسل مختلف اور رہن سہن کے طور وطریقے مختلف ہونے کے باوجود نظام مصطفیٰ ﷺ پر کامل ایمان وعمل میں سب کا اشتراک ہے اور اللہ کے فرمان "اَلْآمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ" (1) کا جوہر کمال اِن سب میں قدرِ مشترک ہے اور "لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ" (2) کی اسلامی حمیت اِن سب کی پہچان ہے اور مذکورہ شرعی احکام کی شکل میں منازلِ عشرۂ سلوک اِن سب کے مشترکہ نظام تربیت ونظام تعلیم ہیں جو اپنی جامعیت کی بنا پر پورے نظامِ مصطفیٰ ﷺ کو محیط ہیں۔ ایسے میں انسانیت کے لیے اس باعثِ فخر مقدس طبقہ کے وجود کو قصۂ پارینہ قرار دے کر موجودہ دور میں اُن کے وجودِ مسعود اور اُن کے طریقۂ کار کو نایاب کہنا افسردہ دلی کے سوا اور کچھ نہیں ہے بلکہ حق یہ ہے کہ موجودہ دور میں کرۂ ارض کے جن جن مقامات پر دینی مدارس کی شکل میں حقیقی تعلیم وتربیت دے کر رجال کار پیدا کیے جاتے ہیں، "تَحْرِيْفَ الْغَالِيْنَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِيْنَ" کے مرض کا علاج کیا جا رہا ہے۔ یہی مراکز ماضی بعید کے خانقاہی نظام کے مظاہر ہیں اور حقیقی صوفیاء کہلانے کے قابل ہیں ایسے مدارس اگرچہ اقل قلیل ہیں، آٹے میں نمک کے برابر ہیں اور دُنیا کی نگاہ میں کچھ نہیں ہیں تاہم اپنی معنویت و روحانیت اور مقصدیت کے اعتبار سے سب پر بھاری، سب پر فائق اور سب سے زیادہ بامقصد ہیں۔ ایسے میں پیش نظر سوال کے مرتب کا تصوف پڑھنے اور پڑھانے والوں کو بے سود سمجھنا بے محل ہے۔ اپنے گرد وپیش جعل سازوں کے جھتوں کی کارستانیوں کو دیکھ کر حقیقت سے انکار کرنا انصاف کے منافی ہے۔ کیوں کہ حقیقی تصوف قرآن وسنت کی تربیت گاہ ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ بزرگانِ دین

(1) التوبہ، 112۔ (2) المائدہ، 54۔

نے فرمایا کہ حقیقی تصوف کتاب وسنت پر عمل کرنے کا نام ہے۔ جیسے الطبقات الکبریٰ للشعرانی میں ہے؛

''اَلتَّصَوُّفُ مُلَازَمَةُ الْكِتٰبِ وَالسُّنَّةِ''(1)

اور اسی کتاب کے مقدمہ میں فرمایا؛

''اَلتَّصَوُّفُ اِنَّمَا هُوَ زُبْدَةُ عَمَلِ الْعَبْدِ بِاَحْكَامِ الشَّرِيْعَةِ''(4)

یعنی شریعت مقدسہ کے احکام پر اخلاص کے ساتھ عمل کرنے کے علاوہ اور کسی چیز کا نام تصوف نہیں ہے۔

تصوف نہ کوئی ناقابل فہم معمہ ہے نہ ضیاع وقت بلکہ قرآن وسنت پر اخلاص کے ساتھ عمل کرنے کے لیے کامیاب تربیت گاہ ہے۔ جس کے تربیت یافتہ رجال کار نے تاریخ کے ہر دور میں اسلام کے تحفظ واشاعت کا فریضہ انجام دیا اور دے رہے ہیں۔ لیکن جعلی مشائخ اور بغیر واجبی شرائط کے پیر بننے والے گمراہوں کو دیکھ کر اگر کوئی اسے معمہ سمجھے یا ضیاع وقت کہے تو اس کے ذمہ دار غیر معیاری مشائخ کے یہ جتھے ہیں جن کا تصوف سے کوئی واسطہ ہے نہ سلوک فی الدین کے فریضہ سے اِس لیے فرق مراتب کو سمجھنا ضروری ہے۔ اِس کے بعد حضرت مجدد الف ثانی کے مذکور فی السوال کلام کے حوالہ سے متعلقہ سوال کا جواب یہ ہے کہ یقین کی یہ قسمیں تصوف کے ساتھ خاص نہیں ہیں بلکہ ہر علم وفن اور ہر جگہ پائے جانے والے حقائق ہیں تصوف کی حقیقی کتابوں میں بھی اُن ہی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں جن معنوں میں قرآن شریف کے اندر استعمال ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر علم الیقین اور عین الیقین سورۃ التکاثر میں آئے ہیں۔ اور حق الیقین سورۃ الواقعہ آیت 95 اور سورۃ الحاقہ، آیت 51 میں مذکور ہوا ہے۔ اِن کے حقائق اِس طرح ہیں کہ عام لوگوں کے لیے علم حاصل کرنے کے ذرائع تین ہیں؛

پہلا:۔ عقل۔ دوسرا:۔ حواس۔ تیسرا:۔ واقعی خبر۔

---

(1) الطبقات الکبریٰ للشعرانی، ج1، ص123۔

(2) الطبقات الکبریٰ للشعرانی، مقدمہ، ص4۔

یعنی اِن تینوں میں سے کسی ایک کے ذریعہ جس چیز کا علم انسان کو حاصل ہوتا ہے وہ حقیقی علم کہلاتا ہے۔ حقیقی مدرِک اگرچہ ہر جگہ عقل ہی ہے تاہم واقعی خبر کے متعلقات کو اور حواس کے متعلقات کو اِن کے بغیر اِدراک کرنے سے قاصر ہے تو عقل کے مُدرکات یعنی معقولات میں کچھ ایسی چیزوں کا علم بھی ہوتا ہے جن کا بار بار تجربہ کرنے سے یقین حاصل ہوتا ہے تو اس تجربہ سے حاصل ہونیوالے یقین کو عربی زبان میں حق الیقین کہتے ہیں اِس کی وجہ تسمیہ شاید یہ ہو کہ حق کسی چیز کے ثابت ہونے اور واقعہ کے مطابق ہونے کو کہا جاتا ہے اور تجربہ سے ثابت ہونے والی چیز کا ثبوت بھی واقعہ کے مطابق ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے علم کو حق الیقین کہنا اسم بامسمّٰی قرار پاتا ہے۔ قرآن شریف کی تعریف میں اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے سورۃ الحاقہ آیت نمبر 51 میں اور سورۃ الواقعہ آیت نمبر 95 میں حق الیقین اِس لیے فرمایا ہے کہ؛

''وہ اپنے ثبوت اور واقعیت میں اتنا راسخ اور کسی شک وشبہ سے پاک ولاریب ہونے میں اتنا قوی ہے کہ گویا اُس کا تجربہ ہو چکا ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ دُنیا کو اُس کی حقانیت کا تجربہ ہوتا جارہا ہے اور عین الیقین اُس واقعی علم کو کہتے ہیں جو حواس کے مشاہدہ کے ذریعہ حاصل ہو جائے اس کی وجہ تسمیہ شاید یہ ہو کہ عین عربی زبان میں آنکھ کو کہتے ہیں تو عین الیقین کے معنی ہوئے آنکھوں دیکھا علم۔ اِس کی بھی تصوّف کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں ہے اور علم الیقین اُس یقین کو کہا جاتا ہے جو خبرِ صادق یعنی واقعی خبر کے ذریعہ حاصل ہو یا معلول سے علت پر اِستدلال کرنے سے حاصل ہو، جس میں حواس اور تجربہ پر انحصار نہیں ہوتا۔ تصوّف میں بھی اِسے ویسے ہی استعمال کیا جاتا ہے جیسے قرآن شریف میں استعمال ہوا ہے اور مسلمانوں کے لیے جو تصدیق ویقین ضروری ہے یا ایمانیات میں جو معتبر ہے وہ صرف یہی علم الیقین ہے یعنی جو شخص اللہ کے معصوم پیغمبر کی خبر صادق پر یقین کرنے کے بجائے اپنے تجربہ اور مشاہدہ پر یقین کر کے ایمان لاتا ہے تو وہ شریعت کی نگاہ میں معتبر نہیں ہوتا۔

ایسے میں یقین کی اِن قسموں کو ان کے خصوصی مواد میں استعمال کرنے میں حضرت مجدد الف ثانی

سمیت تمام صوفیاء کرام ایسے ہی حق بجانب ہیں۔ جیسے قرآن شریف کے محولہ بالا مقامات پر اِن کا مذکور ہونا برحق ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی (نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف) نے مذکورہ مکتوب نمبر (43) میں وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے الگ الگ مسائل کو واضح کرتے ہوئے جو فرمایا ہے کہ؛

"پس توحیدِ وجودی از قبیل علم الیقین آمد و شہودی از قسم عین الیقین"

وہ اِن دونوں کو اُن کے لغوی معنوں پر محمول کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت نے اس سے قبل توحید وجودی یعنی وحدۃ الوجود کے معنی بتاتے ہوئے فرمایا ہے؛

"توحید وجودی یك موجود دانستن است"

اور توحید شہودی یعنی وحدۃ الشہود کے معنی بتاتے ہوئے فرمایا ہے؛

"توحید شہودی یکی دیدن است"

اس کے بعد بطور نتیجہ یہ کہنا کہ "پس توحید وجودی از قبیل علم الیقین آمد و شہودی از قسم عین الیقین" اِن کو لغوی وقرآنی معنوں پر محمول کرنے میں صریح نہیں تو اور کیا ہے، ایسے میں حضرت مجدّد الف ثانی جیسے صوفیائے عظام کے کلام کو معمّہ کہہ کر خیالی دُنیا کی بے حقیقت تصویر قرار دینا سوءِ فہم کے سِوا اور کچھ نہیں ہے۔

اِس سوال نامہ کے مرتّب جناب انجنیئر رحمت کبیر صاحب کو چاہئے تھا کہ حقیقی صوفیاء کرام کے ایسے پُر مغز تحقیقی کلام کو خیالی دُنیا کی بے حقیقت تصویر کہنے کی بجائے موجودہ دور کے اُن منہ زور جعلی مشائخ کی خبر لیتے جو تصوّف کے ابجد سے بھی ناواقف ہوتے ہوئے خود کو ماہر تصوّف ظاہر کرتے ہیں۔ تصوّف کے چند اصطلاحی الفاظ یاد کر کے نیم خواندہ حضرات کو بیوقوف بناتے ہیں اور تصوّف کے ساتھ حقیقی اہل تصوّف کی بدنامی کا سامان بنتے ہیں یا تصوّف کے حوالہ سے لکھی گئی اور لکھوائی گئی اُن کتابوں سے مسلمانوں کو بچانے کے لیے قدم اُٹھاتے جو محض جھوٹ ہیں جن کا شرح تناسب عوارف المعارف،

کشف المحجوب، مکتوبات امام ربانی اور فتوح الغیب اور التحفۃ المرسلہ الشیخ المشائخ عبد القادر جیلانی، صد میدان اور منازل السائرین لخواجہ عبد اللہ الانصاری۔ فصوص الحکم والفتوحات المکیۃ اور المناقب للشیخ الاکبر محی الدین ابن العربی، الفلوک للشیخ الکبیر صدر الدین القونوی، مثنوی لجلال الدین الرومی دیوان لشاہ نعمت اللہ ولی جیسی حقیقی کتب تصوف کے مقابلہ میں چھ سو فیصد سے بھی زیادہ ہے۔ جن کے غیر حقیقی مندرجات کی ایک مثال وحدۃ الوجود کی غلط تعبیر بھی ہے جس کے نتیجہ میں رام ورحمان کو ایک کہہ کر غیر معیاری مشائخ خلق خدا کو گمراہ کر رہے تھے۔ جس کا رد کرتے ہوئے حضرت نے مذکورہ مکتوب میں وحدۃ الوجود کی حقیقی صورت واضح کرنے کے ساتھ اُسی کا دوسرا پہلو وحدۃ الشہود کے نام سے بھی پیش کیا ہے، جس کے مطابق حضرت کے اس کلام سے تین مقاصد وفوائد کا استفادہ ہو رہا ہے۔

پہلا استفادہ:۔ جن ناقص الفہم لوگوں نے وحدۃ الوجود کا مطلب خالق ومخلوق کا ایک ہونا سمجھا تھا اور رام ورحمان کو ایک کہہ کر ضعیف العقیدہ لوگوں کو گمراہ کر رہے تھے۔ اُن کا رد کیا کہ وحدۃ الوجود کا یہ مفہوم شریعت میں ہے نہ لغت میں بلکہ شریعت میں بھی اس کا وہی مفہوم معتبر ہے جو لغت سے پہچانا جا رہا ہے۔ لغت میں یہ مصدر ہے یعنی وجود کا ایک ہونا۔ قرآن وسنت کی روشنی میں اہل شرع اور بزرگانِ دین نے اس مفہوم کا مصداق متعین کیا ہے کہ وہ وہی ہے جس کا ہونا ضروری ہے اور نہ ہونا محال ہے، جو خود بخود موجود ہے کسی کا محتاج نہیں ہے، وہ اگر نہ ہو تو خلائق بھی نہ ہو۔ جیسے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

"یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ" (1)

اے لوگو تم اللہ کے محتاج ہو اور اللہ ہی سب سے بے نیاز ہے۔

تو ظاہر ہے کہ اس آیت کریمہ میں خلائق کی محتاجی اور اللہ کی بے نیازی کا جو ذکر آیا ہے۔ اُس سے کوئی خاص احتیاجی یا کسی خاص ضرورت سے بے نیازی مذکور نہیں ہے بلکہ یہ دونوں ایک دوسرے

(1) فاطر، 10۔

کے مقابلہ میں مطلقاً مذکور ہونے کی بنا پر بالترتیب مخلوق کی ہمہ جہت احتیاجی اور اللہ تعالیٰ کی ہمہ جہت اور مطلق بے نیازی پر دلالت کررہے ہیں جن میں اصل الاصول اور سب سے اہم ترین چیز وجود ہے جس کے مطابق یہ کہنا عین حقیقت ہے کہ خلائق اپنے وجود میں اُس کے محتاج ہیں کہ اِن کا وجود اُس کے وجود کے ساتھ مربوط اور اُس کا ثمرہ وفرع ہے اور اُس کے مختلف اعتبارات و شئون کا عکس اور سایہ ہے جس کے بغیر اِس کا نام ونشان بھی ممکن نہیں ہوگا۔ جبکہ وہ اپنے وجود میں بے نیاز ہے جب اپنے وجود میں بے نیاز ہے تو اُس کے جملہ لوازمات میں بھی بے نیاز وغنی اور بے احتیاج ہوگا۔ اور لوازمات وجود کا سلسلہ غیر متناہی و مطلق ہے۔ لہٰذا وحدۃ الوجود کے مصداق جل جلالہٗ وعم نوالہٗ کی بے نیازی وغنیٰ بھی لا بدایہ ولا نہایہ بلکہ مطلق ہی مطلق ہوگا۔ جبکہ انسانوں سمیت جملہ خلائق کا مسئلہ اِس کے برعکس ہے کیوں کہ جب اس کا وجود ہی مختلف قیودات میں مقید ہے اور محتاج ہی محتاج ہے تو پھر اس کے جملہ لوازمات بھی ایسے ہی ہوں گے۔ جس کے مطابق آیت کریمہ میں وحدۃ الوجود کے مصداق جل جلالہٗ وعم نوالہٗ کی بے نیازی و بے احتیاجی اور انسان کی احتیاجی کا تقابل اس طرح ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنے وجود میں بے نیاز ہونے کی بنا پر اپنے ہر فعل، ہر صفت، ہر اسم، ہر حکم اور ہر شان واعتبار میں علی الاطلاق بے نیاز وغنی ہے جبکہ انسان سمیت جملہ خلائق اپنے وجود میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہونے کی بنا پر اپنے تمام شئون واعتبارات میں اللہ تعالیٰ کی طرف محتاج علی الاطلاق ہیں۔ یعنی جیسے اللہ کی بے نیازی کی کوئی حد نہیں ہے ویسے انسانوں کا اللہ تعالیٰ کی طرف محتاج ہونے کی بھی کوئی حد نہیں ہے۔ اِس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ اس آیت کریمہ کے مطابق جیسے وحدۃ الوجود کا یہ عقیدہ توحید الٰہی کے اسلامی عقیدہ کے لیے اوّلین سیڑھی ہے۔

اسی طرح اِس کے یہ لوازمات یعنی وحدۃ الوجود کے مصداق جل جلالہٗ وعم نوالہٗ کا علی الاطلاق بے نیاز اور خلائق کا علی الاطلاق اُس کی طرف محتاج ہونا بھی مسئلہ توحید کی بنیاد ہے۔ جس کے بغیر

توحیدِ الٰہی کی قسموں کو اور اُن کے لوازمات و احکام کو جاننا ممکن نہیں ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ نے اپنے اس کلام "توحید وجودی یك موجود دانستن است وغیر اورا معدوم انگاشتن وباوُجود عدمیت مَجَالِی ومظاہر آن یکی پنداشتن" کہہ کر "کَلِمَۃُ حَقٍّ اُرِیْدَ بِھَا الْبَاطِلُ" کرنے والوں کا رد کیا ہے کہ مسئلہ وحدۃ الوجود اپنے لغوی اور شرعی دونوں معنوں کے اعتبار سے درست ہے لیکن اُس کی غلط تعبیر کرنے والوں نے وحدۃ الوجود کو بمعنی اتحاد الوجود میں لے کر رام ورحمان کو متحد فی الوجود کہہ کر گمراہ ہوئے۔

دوسرا استفادہ:۔ حضرت نے اِس کلام میں "توحید یکہ درائنا راہ این طائفہ علیہ رادست می دیہ دو قسم است توحید شہودی وتوحید وجودی" کہہ کر صاف صاف بتادیا کہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود جیسے مسائل کا عوام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے یہ عوامی سٹیج کے مسائل نہیں ہیں بلکہ خواص کے مسائل ہیں۔ یعنی سلوک فی الدین کی استقامت میں کامیاب ہونے والے خاص اہل بصیرت کو ہی اُن کے روحانی مجاہدہ کی بدولت معلوم ہو سکتے ہیں۔ ہر درست بات کو ہر جگہ بیان کرنا جائز نہیں ہوتا بالخصوص اصحاب محراب ومنبر حضرات کو عوام کے سامنے اس قسم کے مسائل کو موضوع بیان بنانا اُنہیں گمراہ کرنے کے مترادف ہے۔ جو مذہبی فتنہ اور حرام ہے جیسے مسلم شریف کی روایت میں اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا؛

"مَا اَنْتَ بِمُحَدِّثٍ قَوْمًا حَدِیْثًا لَا تَبْلُغُہُ عُقُوْلُھُمْ اِلَّا کَانَ لِبَعْضِھِمْ فِتْنَۃً" (1)

تو کسی قوم کو ایسا مسئلہ بیان نہیں کرے گا جس کی حقیقت تک اُن کی فہم کی رسائی نہ ہو مگر اُن میں سے بعض کے لیے فتنہ ہوگا۔

---

(1) مسلم شریف، ج1، ص9۔

بخاری شریف کی روایت کے مطابق حضرت مولیٰ علی نَوَّرَاللّٰهُ وَجْهَهُ الْمُنِيرَ نے فرمایا؛

''حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُوْنَ اَتُحِبُّوْنَ اَنْ يُّكَذَّبَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ''(1)

لوگوں کے ساتھ اُن کی فہم کے مطابق بات کرو کیا تم اللہ جل جلالہٗ اور اُس کے رسول ﷺ کی طرف جھوٹ نسبت کیے جانے کو پسند کرو گے؟

محدثین کرام نے اِس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جب عوام کی سمجھ سے بالاتر باتوں کی اُنہیں تبلیغ کی جائے گی تو وہ اپنی نارسائی کی وجہ سے اُس سے انکار کریں گے جو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کو جھٹلانے کو مستلزم ہوگا، کیوں کہ جس بات کی اُنہیں تبلیغ کی جارہی ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی بات ہے جو عوام سے نہیں بلکہ خواص سے متعلق ہے، محراب و منبر سے نہیں بلکہ مخصوص مسائل کی بابت ہے اور عمل سے متعلق نہیں بلکہ خاص علم کا اشارہ ہے۔ ایسے میں اُسے بے محل و بے مصرف کر کے عوامی سٹیج میں لانے کا نتیجہ نااہلوں کے لیے فتنہ کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا۔ جو کبھی اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کو جھٹلانے کی شکل میں ظاہر ہوگا اور کبھی عوام کی گمراہی و کج فہمی کی صورت میں۔ شارح کرمانی نے حضرت کے اس فرمان ''حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُوْنَ'' کا مقصد بتاتے ہوئے لکھا ہے؛

''اَیْ كَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ'' یعنی لوگوں کی فہم کے مطابق باتیں کرو۔

اِس کے ایک سطر بعد اس کی وجہ بتاتے ہوئے لکھا ہے؛

''وَذٰلِكَ اَنَّ الشَّخْصَ اِذَا سَمِعَ مَالَايَفْهَمُهٗ اَوْمَالَايَتَصَوَّرُ اِمْكَانَهٗ وَيَعْتَقِدُ اِسْتِحَالَتَهٗ جَهْلًا لَايُصَدِّقُ وُجُوْدَهٗ فَاِذَا اُسْنِدَ اِلَى اللّٰهِ وَاِلٰى رَسُوْلِهٖ يَلْزَمُ تَكْذِيْبُهُمَا''(2)

---

(1) بخاری شریف، کتاب العلم، ج1، ص120۔

(2) کرمانی شرح بخاری، ج2، ص153۔

اسلامی تعلیمات کی ان تصریحات کے برعکس وحدۃ الوجود کے برحق مسئلہ سے مغالطہ کھا کر رام ورحمان کو ایک قرار دینے والے گمراہ میلاد النبی شریف جیسی عظیم النسبت اور رفیع المرتبت محفلوں میں بھی مندرجہ ذیل مغالطہ پھیلا رہے ہیں۔

میم کی چادر مکھ پر ڈالے احمد بن کر آیا
شب وصل خدا نے نبی سے کہا تو اور نہیں میں اور نہیں
میم کا پردہ کیا پردہ تو اور نہیں میں اور نہیں
کہیں لیلیٰ بنا، کہیں مجنون، کہیں شیرین بنا کہیں فرہاد

اِس طرح گمراہیوں کی کڑیاں مسئلہ وحدۃ الوجود کی غلط تعبیر وتشریح کرنے سے ملتی ہیں جس پر مطلع ہونے والے اہل حق پر لازم ہے کہ اس کا شرعی حکم ظاہر کر کے خلق خدا کو گمراہی سے بچانے کے ساتھ اصل مسئلہ کی حقیقی تشریح ومفہوم سے لوگوں کو آگاہ کریں۔ کیوں کہ یہ حدیث نبوی ﷺ ''مَنْ رَأی مِنكُمْ مُنكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ'' کے حکم کے تحت آتا ہے۔ حضرت مجدّد الف ثانی نے مذکورہ مکتوب میں ایسا ہی کیا ہے۔ (فَجَزَاهُ اللّٰهُ خَيْرَ الْجَزَاء)

تیسرا استفادہ:۔ توحید وجودی یعنی وحدۃ الوجود پر اہل بصیرت کے دلوں میں جو اسلامی عقیدہ موجود ہے وہ قرآن وسنت سے مستفاد ہے۔ اور اس کیساتھ جو تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان حاصل ہے وہ براہین خبری پر مبنی ہے مثال کے طور پر وحدۃ الوجود کے ساتھ بطور؛

مدّعا:۔ اسلامی عقیدہ اُس ایک غیبی طاقت یعنی اللہ جل جلالہٗ کو احتیاج اِلی الغیر سے بے نیاز وجود کے ساتھ موجود اور اُس کے سوا جملہ خلائق کو اُس کے ثمرات وفروع اور اُس کے شئون واعتبارات کے مظاہر جاننا درست ہے۔

صغریٰ:۔ کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ''يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ'' جیسے اخبارات صادقہ کا مفاد ہے۔

کبریٰ:۔ اخبارات صادقہ کا ہر مفاد درست ہے۔

اسلامی عقیدہ بطور نتیجہ:۔ لہٰذا اُس ایک غیبی طاقت یعنی اللہ تعالیٰ کو احتیاج الی الغیر سے بے نیاز وجود کے ساتھ موجود اور اُس کے سوا جملہ خلائق کو اُس کے ثمرات و فروع اور اُس کے شئون و اعتبارات کے مظاہر جاننا درست ہے۔

وحدۃ الوجود کے ساتھ اہل بصیرت کو حاصل ہونے والے اس عقیدہ کا برہان خبری پر مبنی اور اُس کے مفاد ہونے کا استفادہ حضرت کے مذکورہ کلام کے اُس حصّہ سے ہو رہا ہے جہاں پر فرمایا ہے؛

"پس توحیدِ وُجودی از قبیل علم الیقین آمد" یہ اِس لیے کہ علم الیقین الٰہیات کے حوالہ سے اکثر و بیشتر برہان خبری کا مفاد ہوتا ہے۔ جس میں آثار و ثمرات اور معلول سے اُس کی علت پر استدلال کیا جاتا ہے۔

اس کے ساتھ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے مابین فرق اور اِن کا ایک دوسرے کے ساتھ تعلق و ارتباط کا بھی پتہ چل گیا کہ عربی لغت میں وحدۃ الوجود کے معنی وجود کا ایک ہونا ہے۔ جبکہ شرعی مفہوم اس کا اُسی ایک ماوراء العقل والحواس طاقت یعنی اللہ کو احتیاج اِلی الغیر سے بے نیاز وجود کے ساتھ موجود جاننے اور اُس کے ماسوا جملہ خلائق کو اُس کے اسماء حُسنیٰ کے مختلف اعتبارات و شئون کے مظاہر جاننے کا عقیدہ ہے جبکہ وحدۃ الشہود کا لغوی معنی حضور کا ایک ہونا ہے۔ یہ اس لیے کہ شہود بمعنی حضور کے ہیں جیسے مفردات امام راغب اصفہانی میں ہے؛

"اَلشُّهُوْدُ وَالشَّهَادَةُ اَلْحُضُوْرُ مَعَ الْمُشَاهَدَةِ اِمَّا بِالْبَصَرِ اَوْ بِالْبَصِيْرَةِ"

یعنی شہود و شہادۃ کے لغوی مفہوم مشاہدہ بالبصارت یا بالبصیرۃ کے ساتھ حاضر ہونے کے ہیں۔

اور حضرت مجدد الف ثانی کی تعبیر کے مطابق شرعی مفہوم اس کے یہ ہیں کہ احتیاج اِلی الغیر سے بے نیاز وجود کے ساتھ موجود جل جلالہٗ وعم نوالہٗ کو مشاہدہ بالبصیرت کی بینائی سے ایک دیکھنا ہے کہ سالک کی نگاہِ بصیرت میں اُس کے سوا کوئی اور قطعاً نہ آئے یعنی وحدۃ الوجود کے شرعی مفہوم پر اتنا راسخ العقیدہ ہو چکا

ہوتا ہے کہ چاہے حواس کے ذریعہ محسوسات کا ادراک کرے یا محض عقل کے ذریعہ معنویات کا ادراک کرے، بہر تقدیر اپنے ہر معلوم میں اُسی ایک غیبی طاقت یعنی اللہ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ کو جملہ خلائق سے بے نیاز و بے محتاج وجود کے ساتھ موجود جانے اور اِن تمام معلومات کو اُسی ایک وحدہٗ لاشریک کی بے کیف شئون واعتبارات کے مظاہر جانے۔ وحدۃ الشہود کے حوالہ سے حضرت مجدّد الف ثانی کی مذکورہ عبارت کے اس واضح اور اسلامی مفہوم سے صرفِ نظر کر کے اُس کے متعلق یہ مشہور کرنا کہ اُنہوں نے دُنیا کی ہر چیز میں اللہ کی ذات کو دیکھنا بتایا ہے نہ صرف اُن کی بے گناہ ذات پر تہمت ہے بلکہ وحدۃ الشہود کے اسلامی مسئلہ کی غیر اسلامی تعبیر ہونے کے ساتھ عوام کو گمراہ کرنے کا بھی سبب ہے۔ کیوں کہ اللہ کی وحدہٗ لاشریک ذات کسی کی آنکھوں کے احاطہ میں آنے سے پاک وماوراء ہے۔

نیز اُنہوں نے اپنے بعض مکتوبات میں پہلے وحدۃ الوجود کے قائل ہونے اور عرصۂ دراز تک اُس پر کاربند رہنے کے بعد انجام کار وحدۃ الشہود کو حق سمجھنے اور اس کے عقیدہ پر دل کے مطمئن ہونے کا جو قول کیا ہے اُس کو دیکھ کر یہ کہنا کہ ''اُنہوں نے اپنے سے پہلے کے صوفیائے کرام کے نظریہ وحدۃ الوجود کو غلط قرار دے کر اُس کے مقابلہ میں وحدۃ الشہود یعنی ہر چیز میں صرف اللہ کو ہی دیکھنے کے نظریہ کو حق ثابت کیا ہے۔'' یہ بھی حقائق سے منہ پھیرنے والی بات ہے کیوں کہ وحدۃ الوجود کے نظریہ کو غلط قرار دینے یا اُس سے انکار کرنے کے بعد وحدۃ الشہود کا قول کرنا ایسا ہی غیر معقول وغلط ہے جیسے کوئی ماؤف العقل شخص اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک تسلیم کئے بغیر بلاشرکت غیر اس کو خالق کائنات تسلیم کرے یا کسی گھر کے مالک شخص کو اُس کے بیٹوں کا بلاشرکت غیر باپ تسلیم کرنے سے انکار کرنے کے باوجود اُن میں سے ہر بیٹے کو اُسی کا بیٹا قرار دے۔ (حَاشَا وَ کَلَّا) کسی بھی معقول انسان کی طرف ایسی نامعقول بات منسوب کرنے کو روا نہیں سمجھا جا سکتا چہ جائیکہ حضرت امام سرہندی مجدّد الف ثانی جیسی جامع السبیلین ہستی کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے۔ حضرت موصوف کی طرف نسبت کی جانے والی یہ دونوں باتیں بے بنیاد اور نیم خواندہ دماغ کی کج فہمی کے سوا اور کچھ نہیں ہیں حضرت نے نہ اپنے کسی مکتوب میں وحدۃ

الوجود کے اسلامی عقیدہ سے انکار کیا ہے نہ اُسے غلط قرار دیا ہے اور نہ ہی وحدۃ الشہود کا مقصد و مفہوم ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی وحدۂ لاشریک ذات کو آنکھوں سے دیکھنا بتایا ہے بلکہ یہ سب کچھ حضرت موصوف کے پُر مغز کلام کی حقیقت تک نہ پہنچنے کے غلط نتائج ہیں۔ اِس لیے کہ حضرت نے اس موضوع پر لکھے گئے مستقل رسالہ بنام وحدۃ الوجود میں بھی اور اُس کے علاوہ مکتوبات کے متعدد مقامات پر بھی اِس حوالہ سے جو کچھ فرمایا ہے اُس کا مفہوم و مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ سالکینِ طریقت کو منازل سلوک طے کرنے کے سفر کے جذبی حالات میں کبھی وحدۃ الوجود کے ساتھ واسطہ پڑتا ہے۔ جس میں سالک جملہ خلائق کو مستقل اور احتیاج اِلَی اللہ سے بے نیاز وجود سے معدوم سمجھنے کے ساتھ صرف اللہ وحدۂ لاشریک کو مستقل اور بے احتیاج وجود کے ساتھ موجود سمجھتا ہے اور ساتھ ہی تمام خلائق کو اُس وحدۂ لاشریک کے اسماء حسنٰی وصفات کمالیہ کے مختلف اعتبارات وشئون کے مظاہر سمجھتا ہے۔ اُس کے بعد روحانیت میں مزید ترقی کرتے ہوئے تمام خلائق کو اسماء اللہ کے مختلف اعتبارات وشئون کا ظل سمجھتا ہے۔ اُس کے بعد روحانیت کے سفر میں مزید ترقی کرتے کرتے جب تمام منازل سلوک طے کر کے مقام عبدیت پر پہنچتا ہے تب وحدۃ الشہود کی بصیرت اُسے حاصل ہو جاتی ہے۔ جس کے مطابق اللہ تعالیٰ کی وحدۂ لاشریک ذات کے سوا کوئی اور اُس کے مشاہدۂ بصیرت اور کشف وفراست میں نہیں آتا۔ حضرت کی اِس تحقیق میں وحدۃ الوجود سے انکار یا اُسے مسترد کر کے اُس کے مقابلہ میں وحدۃ الشہود کے قول کرنے کا کوئی ذکر نہیں ملتا، کوئی شاہد یا قرینہ اس پر نہیں ہے بلکہ اس کا صریح مفاد و مفہوم اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ اُنہوں نے اپنی اس تحقیق میں وحدۃ الوجود کی غلط تعبیر کرنے والوں پر رد کیا ہے جو اس برحق مسئلہ کا صحیح مفہوم نہ سمجھنے کی وجہ سے واجب الوجود اور ممکن الوجود کو ایک کہہ رہے تھے، فی ذاتہٖ وجودِ محض اور معدوم الاصل کا اتحاد بتا کر خود بھی گمراہ ہو رہے تھے دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے تھے۔ نیز یہ بھی بتایا ہے کہ فرضی سلوک کے بعد نفلی سلوک کی راہ میں کامیاب ہونے والے اہل طریقت کو منازل سلوک طے کرنے کے دوران جو جذب اِلَی اللہ حاصل ہوتا ہے اُس کی بدولت وحدۃ الوجود کے اعتقادی مسئلہ

کے ساتھ واسطہ پڑتا ہے۔ اُس کے بعد وحدۃ ظلّی کے ساتھ فکری طبع آزمائی کرنی ہوتی ہے اور تمام منازل سلوک کے اختتام پر عبدیت مطلقہ کے اعلیٰ ترین رُتبے پر فائز المرام ہونے کے بعد وحدۃ الشہود کا منظر آتا ہے۔ گویا حضرت نے اپنی اِس تحقیق میں وحدۃ الوجود اور وحدۃ ظلّی کے مراحل کو وحدۃ الشہود کے مرحلہ تک پہنچنے کے لیے ضروری قرار دیا ہے اور ساتھ ہی خود اپنے سفرِ سلوک کے بصیرتی و فراستی مشاہدہ کو اِس پر دلیل کے طور پر ذکر فرمایا، جیسے مکتوبات میں لکھا ہے؛

''اگر گویند کہ در عبارات اکثر مشائخ چہ نقشبندیہ و چہ غیر ایشان واقع شدہ است کہ صریح است در وحدت وجود و اِحاطہ وقرب و معیّت ذاتیہ و در شہودِ وحدت در کثرت و اَحدیت در کثرت جواب گوئیم کہ این احوال و شہود در توسّطِ اَحوالِ ایشاں را روئے دادہ باشد وبعد ازاں ازیں مقام گذرانیدہ باشد چنانچہ اِن فقیر از احوال خود در ماتقدّم نوشتہ است''(1)

اگر یہ سوال کیا جائے کہ نقشبندیہ کے بھی اور غیر نقشبندیہ کے بھی اکثر مشائخ کے کلام میں وحدۃ الوجود اور اللہ تعالیٰ کا خلائق پر محیط ہونے اور قریب ہونے اور اُن کے ساتھ ذاتی معیت اور خلائق کی کثرت میں اُس واحد کے مشاہدہ کرنے کی صریح عبارات واقع ہوئی ہیں۔ اِس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ انہیں منازل سلوک کے درمیانی حالات میں پیش آئے ہیں جس کے بعد روحانیت میں ترقی کر کے آگے گئے ہیں جیسے کہ اِس سے پہلے خود اپنے حالات کے حوالہ سے میں لکھ چکا ہوں۔

ایک دوسرے مکتوب میں وحدۃ الشہود اور وحدۃ ظلّی سے پہلے وحدۃ الوجود کی حقانیت سے متعلق فرمایا؛

''باید دانست کہ منشاء تفاوتِ علوم و معارف در مکتوبات و

---

(1) مکتوب نمبر 31، حصّہ در المعرفت دفتر اوّل، حصّہ اوّل۔

رسائل کہ ازین درویش بلکہ از ہر سالک کہ صادر شدہ است همین تفاوت حصول مقاماتِ متفاوتہ است ہر مقام را علوم و معارف جدا است وہر حال را قال علٰحدہ پس فی الحقیقت تدافع وتناقض در علوم در رنگ نسخ احکام شرعیہ است"(1)

سمجھنا چاہئے کہ علوم ومعارف کا تفاوت مکتوبات میں اور میرے دوسرے رسائل میں بھی جو موجود ہے بلکہ میرے علاوہ بھی جن سالکوں سے اس طرح کا تفاوت صادر ہوا ہے یہ ایک دوسرے سے متفاوت مقامات کے تفاوت کا نتیجہ ہے کیوں کہ سالک راہ طریقت کے مقاماتِ متفاوِت ہیں اور ہر مقام کے علوم ومعارف بھی جدا جدا ہیں اور ہر حال سے متعلق کلام بھی ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ لہٰذا یہ تدافع وتناقض جو علوم ومعارف میں ہے ایسا ہے جیسے شرعی احکام کے منسوخ ہونے میں ناسخ ومنسوخ کے اعتبار سے ہوتا ہے جس میں ناسخ ومنسوخ کے مابین جو تدافع واختلاف ہوتا ہے وہ اُن دونوں کے حالات اور حکمتوں کے مختلف ہونے کی بنا پر ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی نے یہاں پر بھی وحدۃ الشہود کی حقانیت کی طرح ہی وحدۃ الوجود کو بھی حق قرار دیا ہے کیوں کہ اُن کے مقامات ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں اس لیے کہ وحدۃ الوجود منازل سلوک طے کرنے کے درمیانی حالات ومقام کا تقاضا ہے جبکہ وحدۃ الشہود تمام منازل سلوک طے کر کے مقام عبدیت مطلقہ میں پہنچنے کے بعد کا تقاضا ہے۔ اِسی طرح سالکین کے طبقۂ محبوبین کے لیے جذب قبل السلوک کو اور طبقۂ مُحِبّین کے لیے جذب بعد السلوک کو ناگزیر قرار دینے کے بعد فرمایا ہے؛

"علم بوحدۃ الوجود ومانند آن از احاطہ وسریان ومعیّت ذاتیہ بجذبہ مُقدّم یا مُتوسّط وابستہ است"(2)

---

(1) مکتوب نمبر 160، دفتر 1، حصّہ 3، ص 47۔

(2) مکتوب نمبر 287، دفتر 1، حصّہ 5۔

اِس کا مفہوم یہ ہے کہ سالکین راہ طریقت کو وحدۃ الوجود اور اِس جیسی دوسری چیزوں جیسے احاطہ اور اللہ تعالیٰ کی ذات کا خلائق میں ساری ہونے اور ذاتی طور پر خلائق کے ساتھ اُس کی معیت کا جو علم حاصل ہوتا ہے اس کا رُتبہ و مقام جذب سے یا پہلے ہے یا سلوک کے درمیان ہے۔

اہل انصاف کو دعوتِ فکر:۔ ہم اہلِ انصاف کو دعوتِ فکر دیتے ہیں کہ مکتوباتؑ کے اندر وحدۃ الوجود اور اُس کے ساتھ ملے جلے دوسرے مسائل کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مجدّ دالف ثانی نے وحدۃ الوجود کی حقانیت اور بجائے خود اُسے درست بتانے کے ساتھ اُس کا سالکین راہِ طریقت پر منکشف ہونے کا مقام ورُتبہ بھی بتایا اور یہ بھی بتایا ہے کہ وحدۃ الوجود اور وحدت ِظلّی کے منکشف ہونے کے مقام ورُتبے سے پہلے بھی وحدۃ الشہود کے مقام ورُتبے پر پہنچنا ممکن نہیں ہے اور اُس کے بعد بھی مقام عبدیت مطلقہ تک پہنچنے سے قبل یا بالفاظ دیگر تمام منازل سلوک کے تقاضوں کو طے کرنے کی سعادت پانے سے پہلے بھی اِس مقام ورُتبے تک پہنچنا ممکن نہیں ہے۔ گویا مکتوبات کے اِن محولہ مقامات کے مطابق حضرت مجد دالف ثانیؒ وحدۃ الوجود کے انکشاف اور اُس کی حقانیت کو اور اُس کے لیے مقرّرہ مقام ورُتبے کو تمام منازل سلوک کو طے کر کے سفرِ روحانیت میں آگے نکلنے کو وحدۃ الشہود کے انکشاف ہونے کے لیے موقوف علیہ و ناگزیر شرط بتا رہے ہیں۔ ایسے میں اہل انصاف غور کریں کہ حضرت نے کہاں پر وحدۃ الشہود کو وحدۃ الوجود کے منافی کہا ہے یا وحدۃ الوجود کو غلط قرار دیکر اُس کے حقیقی مفہوم سے انکار کیا ہے؟

اُنہوں نے تو اپنے وقت کے ناقص صوفیوں اور واجبی شرائط کے بغیر مشائخ طریقت ہونے کے دعویٰ کرنے والوں کی طرف سے وحدۃ الوجود کی غلط تعبیر کر کے خالق و مخلوق کو ایک کہنے کی گمراہی پھیلانے والوں پر رد کرنے کے ساتھ اِس کی حقیقی تشریح اور حقانیت کو بیان کیا ہے اور ساتھ ہی اُس کا مقام ورُتبہ بھی بتا دیا ہے کہ جذب قبل السلوک کے طبقہ محبوبوں کو سلوک سے پہلے حاصل ہوتا ہے جبکہ جذب بعد السلوک کے مُحبّوں کو منازل سلوک طے کرنے کے وسطانی عرصہ میں حاصل ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ وحدۃ الشہود کا مقام ورُتبہ جدا بتا دیا کہ یہ تمام منازل سلوک طے کر کے یعنی توبہ، زہد، فقر، صبر،

شکر، توکل، خوف، رجاء، حُب اور رضا کے تمام تر تقاضوں کو انسانوں کی عملی و سماجی زندگی میں طے کر کے مقام عبدیت مطلقہ میں پہنچنے کے بعد حاصل ہوتا ہے اور ساتھ ہی اپنے والد نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہٗ کے رُتبہ ولایت اور نوعیت سلوک سے متعلق بھی ضمناً انکشاف کیا کہ وہ اولیاء اللہ کے جذب بعد السلوک کے طبقہ میں تھے اور سلوک طریقت کے درمیانی سفر و مقام پر فائز تھے جس کے مطابق وحدۃ الوجود کے علم پر ہمیشہ فائز رہے۔ اس کے ساتھ خود اپنے متعلق بھی وضاحت کے ساتھ بتادیا کہ کچھ والد صاحب کا وحدۃ الوجود سے متعلق اہل طریقت کے سامنے وقتاً فوقتاً اظہارِ خیال کرنے سے منفعل ہو کر اور کچھ خود جذب بعد السلوک کے درمیانی حالات میں وحدت الوجود اور اُس کے جملہ لوازمات پر عقیدہ رکھتا رہا۔ اس کے ساتھ یہ بھی بتادیا کہ وحدۃ الوجود کے انکشاف کے مقام تک یعنی منازل سلوک طے کرنے کے درمیانِ سفر میں اُس وقت تک مقیم و پابند و کار بند رہا جب تک حضرت باقی باللہ نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہٗ کی صحبت میں نہ پہنچا تھا۔ جب اُن کی صحبت میں پہنچ کر اُن کی روحانی توجہات اور اُن کی تعلیمات و تربیت سے فائدہ اُٹھانے کے لیے خوب محنت کی تو اُن کی کامیاب تعلیم و تربیت کی بدولت اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے دروازے ہر طرف سے مجھ پر کھل گئے۔ اس کے بعد بھی کافی عرصہ تک سفرِ سلوک کے اُسی مقام اور اُسی حال میں ہی وحدۃ الوجود کے مسائل جیسے بے پناہ علوم و معارف کا انکشاف ہوتا رہا۔ حضرت باقی باللہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کی صحبت و تربیت اور توجہ تام کے اِن فیوضات و ترقیات کا یہ سلسلہ بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچا کہ جملہ منازل سلوک کے تقاضوں کو طے کر کے مقام عبدیت مطلقہ کے ساتھ مشرف ہوا۔ جس سے اعلیٰ و اشرف مقام دُنیاء سلوک میں ممکن نہیں ہے۔

حضرت مجدّد الف ثانی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ نے وحدۃ الوجود کے مقام سے وحدۃ الشہود کے مقام تک ترقی کرنے، توبہ سے لے کر مقام رضا تک دس کے دس منازل سلوک کو طے کر کے مقام عبدیت مطلقہ تک پہنچنے اور وحدۃ الوجود کے عقیدہ سے وحدۃ الشہود کے عقیدہ کی طرف ترقی کرنے کے اِن تمام واقعات کا تذکرہ مکتوب نمبر 31 میں کافی تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ جس کی ایک جھلک حضرت کی اس عبارت میں

دیکھی جاسکتی ہے؛

"بحکم ابن الفقیه نصف الفقیه فقیر را ازین مشرب از روئے علم حصّه وافر بود ولذتِ عظیم داشت تا آنکه حق سبحانه وتعالیٰ به محض کرم خویش بخدمت ارشاد پناهی حقائق ومعارف آگاهی مؤید الدین الرضی شیخُنا ومولٰنا وقبلتُنا محمد الباقی قدسنا الله بِسِرّہٖ رسانید و ایشان به فقیر طریقۂ عَلَیّه نقشبندیه تعلیم فرمودند وَتَوَجُّه بلیغ بحال این مسکین مرعی داشتند بعد از ممارسه این طریقه علّیه دراندك مدت توحید وجودی منکشف گشت وغُلُو درین کشف پیدا شد علوم و معارف این مقام فراوان ظاهر گشتند وکم دقیقه از دقائق این مرتبه مانده باشد که آن را منکشف نه گردانیدند ودقائق معارف شیخ محی الدین ابن عربی را کماینبغی لائح ساختند وتجلی ذاتی که صاحب فصوص آن را بیان فرموده است ونهایت عروج جز آن رانه میداند و درشان آن تجلی میگوید ومابعد هٰذا اِلا العدمُ المحضُ بآن تجلی ذاتی مشرف گشت وعلوم ومعارف آن تجلی را که شیخ مخصوص بخاتم الولایت میداند نیز بتفصیل معلوم شدند"(1)

ابن الفقیہ نصف الفقیہ کے مقولہ کے مطابق اپنے والد کے ماحول میں رہنے کی وجہ سے اس فقیر کو بھی وحدۃ الوجود سے کافی حصّہ تھا اور میں اُس کے ساتھ محظوظ ہوتا رہا۔ یہ سلسلہ اُس وقت

---

(1) مکتوب نمبر 31، دفتر اول، حصہ اول۔

تک رہا جبکہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت سے علوم و معارف کے حامل اور دینِ مصطفوی ﷺ کے مؤیّد حضرت الشیخ قبلہ مولانا محمد الباقی باللہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کی خدمت میں پہنچا اور اُنہوں نے مجھے طریقہ نقشبندیہ کی کمال توجہ کے ساتھ تعلیم و تربیت دی تو اس عالی شان طریقہ میں حضرت کی رہنمائی کے مطابق پوری محنت و لگن سے استفادہ کیا تو مجھ پر وحدۃ الوجود کے معارف پہلے سے زیادہ منکشف ہونے لگے اور کشف کی مزید ترقی ہونے لگی اور اس مقام کے تقاضوں کے مطابق بہت کم دقائقِ علوم و معارف ایسے رہ گئے ہوں گے جن کا انکشاف مجھ پر نہ ہوا ہو۔ اِسی مقام پر شیخ محی الدین ابن عربی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کے باریک علمی نکتوں کا بھی انکشاف ہوا اور شیخ محی الدین ابن عربی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ نے جس تجلی ذاتی کا ذکر فرمایا ہے جس سے آگے سالکِ راہ طریقت کے لیے روحانی و علمی عروج کے وہ قائل نہیں ہیں جس کے متعلق اُنہوں نے کہا ہے کہ تجلی ذاتی کے اس کمال کے بعد عدم محض کے سوا اور کچھ نہیں ہے مجھے اُس تجلی ذاتی کے معارف سے بھی نوازا گیا اور اس سے متعلقہ جن علوم و معارف کو شیخ محی الدین ابن عربی نے خاتم الولایت کا خاصہ سمجھا ہے اُنہیں بھی تفصیل کے ساتھ جاننا مجھے نصیب ہوا۔

اِس کے علاوہ اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کے متعلق بھی لکھا ہے کہ وہ بھی جذب بعد السلوک کے محبین اولیاء اللہ کے زمرہ میں تھے اور وفات سے کچھ عرصہ قبل تک وحدۃ الوجود کے مقام پر ہی تھے انجام کار اُس مقام سے روحانی ترقی کرتے ہوئے وحدۃ الشہود کے شاہراہ پر پہنچ گئے تھے۔ اِس سلسلہ میں اُن کی عبارت یہ ہے؛

”معرفت پناہی قبلہ گاہی حضرت خواجۂ ما قدس اللہ سرہ چند گاہ مشرب توحید وجودی داشتند ودر مسائل و مکتوبات خود آن را اظہار می فرمودند اَمّا آخر کار حق سبحانہ وتعالیٰ بکمالِ عنایت خویش ازاں مقام ترقی ارزانی فرمودہ بشاہراہ

انداختہ از ضیق این معرفت خلاصی داد"(1)

الغرض وحدۃ الوجود کا جذب بعد السلوک کے طبقہ محبین اولیاء اللہ کے لیے دوران سلوک حاصل ہونے کے برحق ہونے پر حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات میں اِن تصریحات کے ہوتے ہوئے بھی اُن کے متعلق یہ مشہور کرنا کہ اُنہوں نے وحدۃ الشہود کے مقابلہ میں وحدۃ الوجود کو مسترد کیا ہے یا اُس کی حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے ہماری فہم کے مطابق یہ سب کچھ کج فہمی یا ہٹ دھرمی یا تعصب کی بدانجامی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ جس کی وجہ حضرت کے مکتوبات کے چند مقامات سے اِن حضرات کا مغالطہ کھانا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی کے کلام کا مصرف:۔

ان میں سے اوّل موضعِ اشتباہ مکتوب نمبر 287 کی وہ عبارت ہے، جس میں حضرت نے صوفیاء کرام کی اصطلاح کے مطابق فناء و بقاء کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے؛

'' این جا دقیقہ انست باید دانست کہ مراد از زوالِ عین واثر زوال شہودی است نہ وجودی چہ قول بزوال وجودی مستلزم الحاد و زندقہ است"(2)

سطحی ذہن والے حضرات نے سیاق وسباق سے قطع نظر کر کے اِس عبارت کو وحدۃ الوجود سے انکار اور اُسے مستلزم الحاد ہونے پر محمول سمجھا جو بالیقین مغالطہ واشتباہ ہے کیوں کہ اِس کے سیاق وسباق کو دیکھنے سے اس کے سوا کچھ اور معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت نے اس عبارت میں اُن ناقص مشائخ و نیم خواندہ علماء پر رد کیا ہے جو صوفی اصطلاح یعنی فناء فی اللہ، مقام فنا اور وصول الی الفناء جیسے الفاظ کا مفہوم و مقصد صوفی کا اپنی ذات وصفات کو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا عین سمجھ کر دُنیا کی ہر شے کو اللہ تعالیٰ کا عین ہونا

---

(1) مکتوبات، دفتر 1، حصّہ 2، مکتوب نمبر 43۔

(2) مکتوب نمبر 287، دفتر 1، حصّہ 5۔

مشہور کر رہے تھے، خالق ومخلوق کو ایک ہی وجود قرار دے رہے تھے اور رام ورحمان ایک چیز کے دو نام بتا رہے تھے، جو تصوّف وطریقت کے نام پر زندیقیت کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ جیسے دوسرے حقیقی اولیاء اللہ نے تاریخ کے ہر دور میں روحانیت ومذہب اور تصوّف وطریقت کے پردہ میں اُٹھنے والی گمراہیوں کا رد کیا ہے ویسے ہی حضرت مجدد الف ثانی نے بھی اپنے دور کے اُن غیر معیاری مشائخ اور نیم خواندہ علماءِ سُوء کے ہاتھوں پھیلنے والی گمراہی سے لوگوں کو بچانے کی غرض سے اِن اصطلاحات کے حقیقی مفہوم واضح کیے جن کی غلط تعبیر مشہور کر کے وہ گمراہ دین اسلام میں اشتباہ پیدا کرنے کیساتھ طریقت وتصوّف کو بھی مشکوک کر رہے تھے، حقیقی بزرگان دین کی عظمت کو مجروح ومشکوک کرنے کے ساتھ التباس الحق بالباطل کر رہے تھے اور مسئلہ وحدۃ الوجود کی آڑ میں کلمۃ حق اُرید بھا الباطل کی گمراہی پھیلا رہے تھے۔ اگر ایسے حالات کا سامنا نہ ہوتا تو عوام کی سمجھ سے بالاتر اس قسم خالصۃً علمی مسائل پر قلم اُٹھانے کی وہ کبھی ضرورت محسوس نہ کرتے۔

مرفوع حدیث نبوی ﷺ ''مَا اَنْتَ بِمُحَدِّثٍ قَوْمًا حَدِيْثًا لَا تَبْلُغه عُقُوْلُهُمْ اِلَّا كَانَ لِبَعْضِهِمْ فِتْنَةً'' (1) کی بظاہر مخالفت نہ کرتے اور منبع العلوم والمعارف مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی تعلیم ''حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُوْنَ اَتُحِبُّوْنَ اَنْ يُّكَذَّبَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ'' (2) کے منطوق سے کبھی تجاوز نہ کرتے غیر ضروری اور نا قابل فہم مسائل سے گفتگو کرنے سے متعلق مناہی شرعیہ کی اِس قسم نصوص پیش نظر ہوتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانی کا وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود جیسے مسائل پر قلم اُٹھانے کی ایسی مثال ہے جیسے حضرت پیران پیر شیخ عبد القادر جیلانی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ نے اپنے وقت سے پہلے گزرے ہوئے صوفیاء کرام کی عملی زندگی سے لوگوں کو آگاہ کرتے ہوئے فرمایا؛

''اَلْقَوْمُ تَفَقَّهُوْا ثُمَّ اعْتَزَلُوْا عَنِ الْخَلْقِ بِقُلُوْبِهِمْ ظَوَاهِرُهُمْ مَعَ الْخَلْقِ

---

(1) مسلم شریف، ج1، ص9۔

(2) بخاری شریف کتاب العلم، ص120۔

لِاِصْلَاحِهِمْ وَبَوَاطِنُهُمْ مَعَ الْحَقِّ "(1)

گزشتہ زمانے کے بزرگوں کی عملی زندگی ایسی تھی کہ پہلے اُنہوں نے قرآن وسنت کی تربیت حاصل کی اُس کے بعد قلبی طور پر اُنہوں نے لوگوں سے جدائی اختیار کی جبکہ ظاہری طور پر لوگوں کے ساتھ ہی رہے کہ اُن کی روحانی اصلاح کرسکیں۔

حضرت پیران پیر کے اِس اندازِ تبلیغ کی بظاہر مندرجہ ذیل نصوص "تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ "(2)، "وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ "(3)، "كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ "(4) اور فرمانِ مولیٰ علی نور اللہ وجہہ الکریم "اَلنَّاسُ مَجْزِيُّوْنَ بِاَعْمَالِهِمْ اِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ وَاِنْ شَرًّا فَشَرٌّ " کے ساتھ بظاہر کوئی مناسبت نہیں ہے تو پھر اتنے عظیم مبلّغ اسلام کا قرآن وسنت کے مطابق اپنے زمانہ کے لوگوں کو تبلیغ کر کے دعوت عمل دینے کے بجائے گزشتہ زمانہ کے گزرے ہوئے بزرگوں کی عملی زندگی کا نقشہ اُن کے سامنے پیش کرنے کا کیا مطلب ہے؟ ظاہر ہے کہ اِس کا فلسفہ سمجھنے کے لیے بھی ہمیں اُن ہی کی طرف رجوع کرنا ہوتا ہے اور اُن کی تعلیمات سے ہمیں یہی جواب ملتا ہے کہ اُنہوں نے اپنے وقت کے اُن گمراہوں کے دجل وفریب سے لوگوں کو بچانے کے لیے ایسا کیا ہے جو گزشتہ کے حقیقی بزرگان دین کے اقوال سے غلط مطلب مشہور کر کے گمراہی پھیلا رہے تھے، اپنی گمراہیوں کو تصوّف وطریقت کے نام سے اُن بے گناہوں کی طرف منسوب کر کے خلق خدا کو دھوکہ دینے کیساتھ التباس الحق بالباطل کر رہے تھے اور اُن سے منقول مخصوص اصطلاحی الفاظ کے مقاصد کو بگاڑ کر پیش کر کے راہ طریقت میں شکوک وشبہات پیدا کر رہے تھے۔ جیسے ایک جگہ میں اپنے وقت کے ناقص مشائخ کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا؛

"زُهْدُكَ عَلٰى ظَاهِرِكَ وَبَاطِنِكَ خَرَابٌ كَبَيَاضِ عَلٰى بَيْتِ الْمَاءِ "(5)

بظاہر تو عابد وزاہد ہے جبکہ باطن میں ایسا گندہ ہے جیسے باہر سے سفیدی کیا ہوا بیت الخلاء۔

---

(1) الفتح الربانی، ص 199۔ (2) البقرہ، 134۔ (3) الحشر، 18۔

(4) المدثر، 38۔ (5) الفتح الربانی، ص 32، مطبوعہ مصر۔

ایک اور موقع پر اُن گندم نما جو فروشوں کو اِس دجل کاری سے منع کرتے ہوئے فرمایا؛

''اِذَا اَخذْتَ کَلَامَ غَیْرِکَ وَتَکَلَّمْتَ بِہٖ وَادَّعَیْتَہٗ مَقَتَکَ قُلُوْبُ الصّٰلِحِیْنَ''(1)

جب تو دوسرے بزرگوں کا کلام لے کر اپنے لیے اُس کا دعویٰ کرے گا تو اُن کے دل تجھ سے بیزار ہوں گے۔

ایک اور مقام پر جعلی مشائخ کی گوشمالی کرتے ہوئے فرماتے ہیں؛

''اِخْلَعْ ثِیَابَ الشَّھْوَاتِ وَالرُّعُوْنَاتِ وَالْعُجْبِ وَالنِّفَاقِ وَحُبِّکَ لِلْقَبُوْلِ عِنْدَالْخَلْقِ''(2)

خواہش اور غرور و تکبر اور نفاق و ریاکاری کا یہ لباس اتار پھینک۔

ایک اور جگہ میں فرمایا؛

''کَمْ مِنْ شَیْخٍ لَا یَجُوْزُ اِحْتِرَامُہٗ وَلَا السَّلَامُ عَلَیْہِ وَلَیْسَ فِی رُؤْیَتِہٖ بَرَکَۃٌ''

کتنے ہی مشائخ کہلانے والے ایسے ہوں گے جن کی عزت و احترام کرنا جائز ہے نہ اُن کو سلام کرنا اور اُن کو دیکھنے میں بھی کوئی برکت نہیں ہے۔

فتوح الغیب میں فرمایا؛

''لَا تَدَّعُ حَالَتَ الْقَوْمِ یَاصَاحِبَ الْھَوٰی اَنْتَ تَعْبُدُ الْھَوٰی وھُمْ یَعْبُدُوْنَ الْمَوْلٰی اَنْتَ رَغْبَتُکَ فِی الدُّنْیَا وَرَغْبَۃُ الْقَوْمِ فِی الْعُقْبٰی''(3)

الغرض مسند ارشاد کے قابل اولیاء اللہ چونکہ معلمینِ دین و مبلغینِ اسلام ہوتے ہیں، قرآن و سنت کے محافظ و اسلامی اقدار کے من جانب اللہ نگران ہوتے ہیں اور شریعت کے احکام و رموزِ طریقت کے پاسبان ہوتے ہیں تو جس مسئلہ کے حوالہ سے بھی اسلام کے نام پر غیر اسلامی تبلیغ کی جارہی ہو یا

---

(1) الفتح الربانی، ص203، مطبوعہ مصر۔

(2) الفتح الربانی، ص31، مطبوعہ مصر۔ (3) فتوح الغیب، مقالہ نمبر41۔

طریقت کے نام سے یا مسلمہ بزرگان دین و اولیاء اللہ کی طرف خلاف حقیقت باتیں منسوب کر کے التباس الحق بالباطل کی گمراہی پھیلائی جارہی ہو چاہے وہ مسئلہ عوام کی سمجھ کے مطابق ہو یا اُن کی رسائی فہم سے ماوراء بہر تقدیر نظام مصطفیٰ ﷺ کی پاسبانی کرنے والے اولیاء اللہ کا یہ مقدس طبقہ اُس کے خلاف تبلیغ کئے بغیر نہیں رہ سکتا، حدود اللہ کی پامالی برداشت نہیں کر سکتا اور فرمان نبوی ﷺ "مَنْ رَأى مِنكُمْ مُنكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ "(1) کے فریضہ سے غافل نہیں رہ سکتا۔

☆☆☆☆☆

(1) مشکوٰۃ شریف، ص 436، بحوالہ مسلم۔

تکفیر سے متعلق سوال کا جواب

6/7 سالوں سے چند مسائل میراث کے بارے میں علماء چترال، دارالعلوم کراچی، دارالعلوم سرحد پشاور، دارالعلوم اشرفیہ (مسجد مہابت خان) پشاور کے ساتھ رابطہ رکھا۔ مگر کوئی بھی زبان اور قلم کو حرکت دینے پر تیار نہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے جو پریشان کن اور تشویشناک بھی ہے کہ؛

1 جو فرد میراث سے عورتوں کو محروم رکھتا ہے وہ ظالم، غاصب اور حرام خور ہے کہ نہیں؟

2 جو فرد اس حرام مال کو بسم اللہ کر کے کھاتا ہے (صرف حرام خور نہیں) وہ کافر ہے کہ نہیں؟

3 جو اس بسم اللہ کر کے حرام خور کو کافر نہ کہے یا اس کے کفر میں شک کرے وہ کافر ہے کہ نہیں؟

4 جو سنتِ رسول ﷺ (داڑھی) کو پسند نہ کرے، اگر پسند کرتا تو روز و شب اس کو نیست و نابود کرنے میں اپنا وقت اور مال ضائع نہ کرتا یا حد شرعی ایک قبضہ سے کم داڑھی رکھے اور اس کو بھی سنتِ رسول ﷺ قرار دے وہ کافر ہے کہ نہیں؟

5 جو ان موجبات کفر کے مرتکب شخص کو کافر نہ کہے وہ کافر ہے کہ نہیں؟

6 جو حرام مال سے صدقہ بہ نیت ثواب کرے وہ کافر ہے کہ نہیں؟ جبکہ شرعی حکم اس بارے میں یہ ہیں؛

1 ''اگر مردی بِسْمِ اللّٰہ گفتہ شراب خورد یا زنا کرد کافر شود، ہم چنین اگر بِسْمِ اللّٰہ گفتہ حرام خورد''(1)

2 ''اگر مردی صدقہ کرد از مال حرام بہ امیدواری ثواب کافر شود''()

3 ''اگر کوئی شخص حرام مال کسی فقیر کو ثواب کی نیت سے دے اور ثواب کی نیت رکھے تو وہ

---

(1) فتاویٰ عالمگیری بحوالہ مالا بدمنہ، ص 156۔ (2) مالا بد منہ، ص 154۔

کافر ہو جاتا ہے"۔(1)

❹ "تمام اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ جس نے کسی سنت کا انکار کیا یا اس کی تحقیر کی تو وہ کافر ہے"۔(2)

❺ "ھر کہ پسند نہ کند یکی سنت را از سنن مرسلین بد رستی کہ آن کس کافر است"(3)

❻ "اہانت حکم شرعی کی کفر ہے"(4)

حکمِ رسول ﷺ ہے: "خُذُوا شَوَارِبَكُمْ وَاعْفُوا لُحَاكُم"

حکمِ خُداوندی ہے: "وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ج وَمَانَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا"(5)

"دین کے ساتھ قصداً استہزاء خواہ بداعتقادی سے ہو یا بدون بداعتقادی کے ہو کفر ہے۔ اور "اِسْتِهْزَاء بِاللّٰهِ وَاٰيَاتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ" باہم تینوں متلازم ہیں۔" (اشرف علی تھانوی)

❼ اسی طرح درمختار باب المرتدین میں اس شخص کے متعلق جس نے کسی نبی کی توہین کی ہو تصریح کرتے ہیں "اور جو شخص اس کے کفر اور معذب ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے"۔(6)

❽ "اور ایسے ہی ہم اس شخص کے کفر کا یقین رکھتے ہیں جو کوئی ایسا قول اختیار کرے جس سے تمام اُمت مرحومہ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر لازم آتی ہو"۔(7)

❾ "موجبات کفر کے ہوتے ہوئے بعض کا دعوئے اسلام، صلوٰۃ وصیام اور استقبال بیت

---

(1) مظاہر حق جدید، ج3، ص 522۔

(2) مظاہر حق جدید، ج1، ص436۔ (3) مالابدمنہ، ص148۔

(4) امداد الفتاویٰ، ج1، ص550۔ (5) الحشر، 7۔

(6) جواھر الفقہ، ج1، ص58۔ (7) جواھر الفقہ، ج1، ص 57۔

الحرام ترتیبِ احکام اسلام کے لیے کافی نہیں جب تک ان موجبات سے تائب نہ ہو۔"(1)

۱۰ "اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ اہلِ قبلہ میں سے اس شخص کو کافر کہا جائے گا جو اگر چہ تمام عمر اطاعات وعبادات میں گزارے مگر عالم کے قدیم ہونیکا اعتقاد رکھے یا قیامت وحشر کا یا اللہ تعالیٰ کے عالم جزئیات ہونیکا انکار کرے۔ اسی طرح جس سے موجبات کفر صادر ہوں۔"(2)

۱۱ "پس جب کسی کافر کو جس کا کفر کھلا ہوا اور صاف ہو نہ صرف مسلمان کہنا بلکہ اس کے کفر میں شک کرنا بھی کفر ہے۔"(3)

۱۲ "اہل سنت کے نزدیک اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرنے سے مراد یہی ہے کہ ان میں کسی شخص کو اس وقت تک کافر نہ کہیں جب تک اس سے کوئی ایسی چیز سرزد نہ ہو جو علامات یا موجبات کفر میں سے ہے۔"(4)

۱۳ "خطرناک اور تشویشناک بات یہ ہے کہ ایک آدمی نہ حرام خور ہے نہ شراب خور مگر ایک بسم اللہ کر کے حرام خور کو کافر نہ کہتا ہے تو وہ خود کافر ہوتا ہے۔" "جو منکر ضروریات دین کو معظم دینی جانے یا کافر نہ کہے خود کافر ہے۔"(5)

ازروئے شریعت ان "بِسْمِ اللّٰهِ" کر کے حرام کھانے والوں کی حیثیت کیا ہے؟ جو کہ خود کو اہل سنت والجماعت کہتے اور کہلواتے ہیں؟ اور جو اُن کو ایسا ہی سمجھے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اندریں بارہ شرعی احکام سے مشکور فرمادیں۔ والسلام

قاضی عبدالرؤف D.S.P(R)، معرفت فراز میڈیکل سٹور ڈسٹرکٹ ہیڈکوارٹر ہسپتال روز ضلع چترال

☆☆☆☆☆☆

---

(1) جواھر الفقه، ج1، ص69۔ (2) جواھر الفقه، ج1، ص33۔

(3) جواھر الفقه، ج1، ص57۔ (4) جواھر الفقه، ج1، ص33۔

(5) نظام شریعت از امام اھل سنت مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی، ص182۔

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

الجواب:۔ اس سوال نامہ کو دیکھنے سے محسوس ہو رہا ہے کہ اس کے مرتّب کو صرف اس وجہ سے تشویش والجھن کا سامنا ہو رہا ہے کہ اُسے التزام کفر اور لزوم کفر کا فرق معلوم نہیں ہے، حقیقی کفر اور فقہی کفر میں تمیز نہیں ہے ورنہ نظامِ شریعت، مظاہر حق فتاویٰ درمختار کے مذکورہ فی السوال حوالہ جات جو خالصۃً التزام کفر کے خواص واحکام سے متعلق ہیں کو لزوم کفر کا حکم سمجھ کر اپنے لیے ذہنی الجھن نہ بناتے۔

نیز سائل ہٰذا نے حلال کے ساتھ مخلوط حرام کو شرعی حرام ٹھہرانے کی غلطی کر کے بناء الغلط علی الغلط کا ارتکاب کیا ہے۔ ورنہ مذکور فی السوال حرام کو شراب وزنا جیسے قطعی و یقینی اور خالص محرمات پر قیاس کر کے اُن جیسے احکام اِس پر چسپاں نہ کرتے سائل ہٰذا کی مذکورہ فی السوال مسئلہ کے حوالہ سے چھ سات سالوں پر محیط تشویش والجھن کی اصل بنیاد ونکتۂ آغاز یہی دو غلطیاں ہیں جس کے نتیجہ میں بناء الغلط علی الغلط کے طور پر مذکور فی السوال حوالہ جات کے مندرجات اور اُن کے مواقع کو یکساں سمجھا جو سراسر غلط ہے۔

فقہ کی درجنوں کتابوں میں لکھے ہوئے اس قسم فتویٰ ہائے کفر کو دیکھ کر نہ صرف سائل ہٰذا کو مغالطہ ہو رہا ہے بلکہ ہزاروں نیم خواندہ علماء بھی اس اشتباہ میں مبتلا ہیں۔ بالخصوص موجودہ دور کے ہمارے مدارس ہائے اسلامیہ سے فارغ تحصیل ہونے والوں کی غالب اکثریت ایسے ہی جزئیات کو دیکھ کر بات پر اُٹھتے بیٹھتے کفر کی مشین چلاتی نظر آ رہی ہے، جس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔

پیشِ نظر سوالنامہ میں جس حرام پر بسم اللہ پڑھ کر کھانے والوں کو کافر قرار دے کر اُن پر ''مَنْ شَکَّ فِیْ کُفْرِہٖ وَعَذَابِہٖ فَقَدْ کَفَرَ'' جیسے فقہی احکام جاری کرنیکی کوشش کی گئی ہے مذکورہ حوالہ جات سے ایسا کفر ہرگز ثابت نہیں ہو رہا کیوں کہ ''مَنْ شَکَّ فِیْ کُفْرِہٖ وَعَذَابِہٖ فَقَدْ کَفَرَ'' جیسے احکام صرف اُس کفر کے خواص ہیں جو التزامی ہو۔ جبکہ مذکورہ حوالہ جات ماسوا نظام شریعت اور فتاویٰ درالمختار و مظاہر حق کے باقی سب کے سب لزومی کفر سے متعلق ہیں اور اہل بصیرت جانتے ہیں کہ کفر التزامی و کفر لزومی کے مابین زمین وآسمان کا فرق ہے۔ جسکی مکمل تفصیل آگے چل کر ہم پیش کریں گے۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

اِس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ عورتوں کو اُن کی جائز میراث سے محروم کر کے اُن کے حاصلات سے تیار ہونے والے طعام پر بسم اللہ پڑھ کر کھانے والوں پر کفرِ لزومی بھی صرف اُس وقت لاگو ہوسکتا ہے جبکہ اِس کے ساتھ حلال کی آمیزش نہ ہو ورنہ کسی حلال کا اس میں شامل ہونے کی صورت میں فقہاءِ اسلام اس طعام کو حرام نہیں بلکہ حلال ہی قرار دیتے ہیں۔ جیسے فتاویٰ عالمگیری میں حلال وحرام سے مخلوط خوراکوں کے حلال یا حرام یا مکروہ ہونے سے متعلق تفصیلی گفتگو کرنے کے بعد حضرت امام محمد (رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعالٰی عَلَیْهِ) کا فتویٰ نقل کرتے ہوئے لکھا ہے؛

''بِهٖ نَاْ خُذُ مَالَمْ نَعْرِفْ شَيْئًا حَرَامًا بِعَيْنِهٖ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِيْفَةَ وَاَصْحَابِهٖ''(1)

جب تک کسی چیز کے خالص حرام ہونے کا ہمیں یقین نہ ہو جائے اُس وقت تک ہم اُسے حلال ہی سمجھیں گے۔ یہی امام ابوحنیفہ اور اُن کے ساتھیوں کا مذہب ہے۔

یہ الگ مسئلہ ہے کہ علماء کرام اور روحانی شخصیات کو ایسے ظالم وغاصب کے ہاں کھانا نہیں کھانا چاہئے ورنہ اِن حضرات کی بے قدری اور اُس ظالم کی حوصلہ افزائی ہونے کا اندیشہ ہے جو بجائے خود گناہ ہے۔ جیسے فتاویٰ عالمگیری میں فتاویٰ الملتقط کے حوالہ سے موجود ہے؛

''عَنِ الْمُلْتَقَطِ يُكْرَهُ لِلْمَشْهُوْرِ الْمُقْتَدٰى بِهِ الْاِخْتِلَاطُ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْ اَهْلِ الْبَاطِلِ وَالشَّرِ اِلَّا بِقَدْرِ الضَّرُوْرَةِ لِاَنَّهٗ يَعْظُمُ امرهٗ بَيْنَ اَيْدِی النَّاسِ''(2)

فتاویٰ الملتقط سے نقل کیا جاتا ہے کہ کسی مشہور روحانی پیشوا کے لیے اہل باطل کے ہاں ضرورت کے بغیر آمد ورفت رکھنا مکروہ ہے کیوں کہ اِس کی وجہ سے لوگوں کے سامنے اُس ظالم کا حوصلہ بڑھے گا۔

لیکن خواص کے لیے تقاضاً احتیاط ہونا اور چیز ہے اور کسی طعام کا حق غیر غصب، رشوت، مال ربویٰ،

---

(1) فتاویٰ عالمگیری، ج5، ص342 کتاب الکراھتہ۔

(2) فتاویٰ عالمگیری، ج5، ص346۔

حرام کاری کی اُجرت اور مال سرقہ جیسے کسی بھی واقعی حرام کا حصّہ ہونے کی بنا پر حرام نہ ہونا اور چیز ہے۔ جب اُس کا خالص حرام ہونا یقینی نہیں ہے تو پھر بسم اللہ پڑھ کر اُسے کھانے والے کو بھی حرام خور کہنا از روئے شرع درست نہیں ہے چہ جائیکہ التزام کفر کا مورد ٹھہرانا جائز ہو سکے۔ جب اُس پر لُزُومِ کفر بھی نہیں ہے تو پھر التزام کفر کے احکام اُس پر لاگو سمجھنا انصاف کے منافی ہونے کے ساتھ بجائے خود ظلم ہے۔ کیوں کہ جس شخص کے قول و فعل سے لُزُومِ کفر ثابت ہو رہا ہو اُس پر بھی التزام کفر کے احکام جاری کرنا جائز نہیں ہے۔ چہ جائے کہ حرام کی آمیزش والے طعام کو بسم اللہ پڑھ کر کھانے والوں پر ایسے احکام لاگو کرنے کا تصور اسلام میں ہو سکے۔ بلکہ التزام کفر اور لزوم کفر کی حقیقتیں ایک دوسرے سے جدا جدا ہونے کی طرح ہی اِن کے احکام بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

1. مِن جملہ اُن میں سے یہ کہ التزام کفر کرنے والے شخص کو کافر کہنا اُس کے کفر کا فتویٰ دینا اور اُس کے ساتھ غیر مسلموں والا معاملہ کرنے کے واجب ہونے پر تمام اہل اسلام کا اتفاق و اجماع ہے۔ جس میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بخلاف لزوم کفر کے کہ اِن احکام کو اُس پر لاگو کرنے کا قول چند علماء احناف کے سوا کسی اور نے نہیں کیا۔

2. التزام کفر کرنے والے کے کفر و عذاب میں شک و توقف کرنے والا بھی کافر ہو جاتا ہے۔ بخلاف لزوم کفر کے کہ اِس کے مرتکب کو کافر نہ جاننے یا اُس کے کفر میں شک کرنے والوں پر کسی قسم کی ملامتی و گناہ بھی نہیں ہے چہ جائے کہ کفر جیسی لعنت اُن کی طرف منسوب کرنا جائز ہو سکے۔

3. خود کو مسلمان کہلاتے ہوئے التزام کفر کرنے والا شخص بالیقین مرتد ہو جاتا ہے جس کے لیے اصلی کافر پر لاگو ہونے والے احکام کے علاوہ کچھ اور شدید احکام بھی مقرر ہیں۔ مِن جملہ اُن میں سے واجب القتل ہونا اور حرمت غسل و حرمت تکفین بھی ہیں جبکہ اصلی کافر کے مسلم عزیز و اقرباء اُس کی فوتگی کی صورت میں اُس کے لیے قبر کھودنے، غسل دینے، کفن پہنانے اور چارپائی پر ڈال کر لے جا کر قبر میں اُتارنے جیسے احکام کے شرعاً پابند ہیں جبکہ لزوم کفر کے موجب کسی قول و عمل کے مرتکب سے متعلق مرتد

ہونے یا مرتد کے احکام کے حامل ہونے کا تصور بھی اسلام میں نہیں ہے۔

4 التزام کفر کرنیوالے کو غیر مسلم کہنے کا جو شرعی اور قطعی حکم ہے وہ ضروریاتِ دینیہ کے قبیل سے ہے کہ اُس پر دلیل طلب کرنیکی ضرورت ہی نہیں ہے۔ جبکہ لُزوم کفر کے مرتکب کو غیر مسلم کہنا محض چند علماء احناف کا قولِ مرجوح اور ظنی ہونیکے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ چہ جائیکہ ضروریاتِ دینیہ کے قبیل سے ہو۔

اِن حقائق کی روشنی میں حرام کی آمیزش والی خوراک پر بسم اللہ پڑھنے والوں کو اسلام سے نکالنے کا قطعاً کوئی تصور اسلام میں نہیں ہوسکتا چہ جائے کہ ''مَنْ شَکَّ فِی کُفْرِہٖ وَعَذَابِہٖ فَقَدْ کَفَرَ'' جیسے احکام اُن پر چسپاں کرنا جائز ہوسکے۔ ہاں صرف ایک صورت میں اُن پر صرف لُزوم کفر کا قول بعض علماء احناف کے مرجوح قول کے مطابق کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ جس خوراک پر بسم اللہ پڑھ کر کھایا جارہا ہے وہ خالص حرام ہو یعنی حلال کی اُس میں آمیزش تک نہ ہو اور کھانے والے کو اُس کے خالص حرام ہونے پر یقین ہونے کے باوجود اِرادَتاً بسم اللہ پڑھ کر اُسے کھا رہا ہو جبکہ اِس کا بسم اللہ کے محل نہ ہونے کا بھی اُسے علم ہو تو اِس صورت میں لُزوم کفر یقینی امر ہے کیوں کہ اِس کے مستلزم کفر ہونے پر اس طرح فقہی استدلال کیا جاسکتا ہے کہ؛

مدّعا و فقہی مسئلہ:۔ بسم اللہ پڑھ کر خالص حرام کو کھانا اِسم اللہ کی توہین ہے جو کفر ہے۔

صغریٰ:۔ کیوں کہ یہ جان بوجھ کر اسم اللہ کو بے محل استعمال کرنا ہے۔

کبریٰ:۔ جان بوجھ کر اسم اللہ کو بے محل استعمال کرنا اسم اللہ کی توہین و کفر ہے۔

حاصل نتیجہ:۔ لہٰذا جان بوجھ کر بسم اللہ پڑھ کر خالص حرام کھانا بھی اسم اللہ کی توہین ہے۔

پیشِ نظر سوال نامہ میں مالابُدَّ منہ اور عالمگیری کے حوالہ سے جس حرام پر بسم اللہ پڑھنے والے کو کافر کہا گیا ہے اُس سے بھی یہی خالص حرام مراد ہے۔ جیسے فتاویٰ عالمگیری سے معلوم ہورہا ہے۔

نیز اِن کتابوں میں اس مسئلہ کو بسم اللہ پڑھ کر شراب پینے اور زنا کرنے والے کے حکم میں ذکر کیا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ زنا کاری اور شراب خوری خالص حرام ہیں جس میں حلال کی آمیزش نہیں ہے اور اُس کے

حرام ہونے میں شک کی بھی گنجائش نہیں ہے لہٰذا زناکاری وشراب نوشی جیسے قطعی ویقینی حرامِ خالص کو جان بوجھ کر بسم اللہ پڑھ کر کھانے والے پر بھی اُسی اندازِ استدلال سے کفر لازم آتا ہے۔ جس طرح خالص حرام پر بسم اللہ کرنے کے حوالہ سے ابھی ہم بیان کر چکے ہیں اور حرام مال صدقہ کر کے اُس پر ثواب کی اُمید کرنے والے پر مالابدّ منہ کے حوالہ سے جو حکم کفر لگایا گیا ہے اُس کا بھی یہی حال ہے کہ خالص حرام ہونے پر یقین ہونے کے باوجود اُسے اُٹھا کر صدقہ کر کے اُمیدوار ثواب ہو جاتا ہے۔ اس میں لزوم کفر پر استدلال اِس طرح ہے:

مدّعا و شرعی حکم:۔ جانتے ہوئے خالص حرام کو صدقہ کر کے اُمیدوار ثواب ہونا ضرورت دینی کی تکذیب ہے جو کفر ہے۔

صغریٰ:۔ کیوں کہ یہ جان بوجھ کر حلال وحرام میں عدم تمیز ہے۔

کبریٰ:۔ جان بوجھ کر حلال وحرام میں عدم تمیز ضرورت دینی کی تکذیب ہے جو کفر ہے۔

نتیجہ:۔ لہٰذا جان بوجھ کر خالص حرام کو صدقہ کر کے اُس پر اُمیدوار ثواب ہونا بھی ضرورت دینی کی تکذیب ہے جو کفر ہے۔

اِس سے یہ بھی واضح ہوا کہ جن علماء احناف نے لزوم کفر کی صورتوں میں حکم کفر کیا ہے اُنہوں نے واسطہ فی الاثبات کا لحاظ کئے بغیر انجام کار کو دیکھا ہے۔ مثال کے طور پر شراب نوشی یا زناکاری یا خالص حرام خوری کرنے پر جان بوجھ کر بسم اللہ پڑھنے کو اسم اللہ کی توہین کو مستلزم ثابت کرنے کے لیے حلال وحرام میں عدم تمیز کو جو واسطہ بنایا گیا ہے یہ حضرات اُس کا لحاظ نہیں کرتے بلکہ صرف اور صرف انجام کو دیکھ کر ایسے لوگوں کے کافر ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں جبکہ کل متکلمین اسلام وجمہور فقہاء دین اِس واسطے کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایسے لوگوں کی تکفیر کرنے میں احتیاط کرتے ہیں اور بالواسطہ کے بجائے بلاواسطہ کسی ضرورت دینی سے صریح انکار یا تکذیب وغیرہ کو معیار قرار دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر شراب نوشی، زناکاری، حرام خوری جیسے کسی بھی عمل سے متعلق حرام ہونے کے شرعی حکم سے آگاہی کے باوجود اُس کو

حرام تسلیم کرنے سے انکار کو یا اُس کی تکذیب کو، بحیثیتِ شرعی حکم اُس پر استہزا کرنے کو، اُس کی توہین کرنے کو یا ان میں سے کسی کی یقینی علامت کے ارتکاب کرنے کو کفر کہتے ہیں اور یہی التزام کفر ہے۔

التزامِ کفر اور لزومِ کفر کی تفریق:۔ ہمارے اس بیان سے التزام کفر اور لزوم کفر کے مابین فرق کا بھی پتہ چل گیا کہ التزام کفر میں بلاواسطہ کسی ضرورت دینی سے انکار یا تکذیب یا توہین یا استہزاء یا اِن میں سے کسی ایک کی یقینی علامت کا ارتکاب ہوتا ہے جبکہ لزوم کفر میں یہ سب کچھ بالواسطہ ہوتا ہے۔ اس واسطہ سے مراد وہی واسطہ ہے جس کو فلسفہ و منطق میں واسطہ فی الاثبات اور حدِ اوسط کہتے ہیں۔ تاہم اِن دونوں کی مکمل تعریف اور علی وجہ البصیرت فرق کو تفصیلی طور پر جاننے کے لیے بطور تمہید مندرجہ ذیل باتوں کا سمجھنا ضروری ہے۔

پہلی بات:۔ متکلمین اسلام اور فقہاء کرام کی اصطلاح میں اہل قبلہ صرف اُن ہی لوگوں کو کہا جاتا ہے جو الف سے لے کر یا تک تمام ضروریات دینیہ کو بطور نظام مصطفیٰ ﷺ تسلیم کرے۔ جو ایمان مجمل یعنی ''اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَاهُوَ بِاَسْمَائِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَقَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ'' کا حاصل مقصد ہے تمام متکلمین اسلام و جمہور فقہاء عظام کی زبان میں بیک آواز اہل قبلہ سے یہی کچھ مراد ہے۔ اِسی چیز کو دوسرے لفظوں میں اہل ایمان بھی کہتے ہیں۔ اہل قبلہ کے اِس اصطلاحی و شرعی معنی میں جملہ متکلمین اسلام و فقہاء کرام کے ساتھ مفسرین و محدثین اور صوفیاء کرام بھی متفق ہیں۔ جس کے نتیجہ میں اسلامی کتابوں میں جہاں پر بھی اہل قبلہ کا لفظ بولا جاتا ہے اُس سے مراد صرف یہی مفہوم مراد ہوتا ہے۔ جیسے شرح فقہ اکبر میں ہے؛

''اَلْمُرَادُ بِاَهْلِ الْقِبْلَةِ الَّذِيْنَ اتَّفَقُوْا عَلٰى مَاهُوَ مِنْ ضَرُوْرِيَاتِ الدِّيْنِ''

اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو تمام ضروریاتِ دین کو تسلیم کرنے پر متفق ہیں۔

شرح عقائد کی شرح نبراس میں ہے؛

''مَعْنَاهُ اللُّغَوِى مَنْ يُصَلِّى اِلَى الْكَعْبَةِ اَوْيَعْتَقِدُهَا قِبْلَةً وَفِى اِصْطِلَاحِ

اَلْمُتَکَلِّمِیْنَ مَنْ یُصَدِّقُ بِضَرُوْرِیَاتِ الدِّیْنِ"

اہل قبلہ کے لغت میں دو معنی ہیں ایک قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے والا اور دوسرا کعبہ کو قبلہ سمجھنے والا جبکہ متکلمین اسلام کی اصطلاح میں اِس سے مراد صرف وہی لوگ ہیں جو تمام ضروریاتِ دین کی تصدیق کرتے ہیں۔

دوسری بات:۔ ضروریاتِ دین متکلمین اسلام اور فقہاء کرام کی متفقہ اصطلاح کے مطابق اُن مسائل و احکام کو کہا جاتا ہے جن کا نظام مصطفی ﷺ کا حصّہ ہونا اہل علم کے خواص وعوام کی نگاہ میں مسلّمہ، غیر متنازعہ اور قطعی ویقینی طور مشہور ومعروف اور متواتر ہو۔ چاہے اوامر سے متعلق ہو یا نواہی سے یعنی مطلوب الفعل ہو یا مطلوب الترک۔ نیز فرائض کے قبیل سے ہو یا واجبات ومستحبات یا مباح کے قبیل سے۔ نیز محرمات کے قبیل سے ہو یا اسائت ومکروہات کے قبیل سے یعنی نظام مصطفی ﷺ کا حصّہ ہونے میں محتاج دلیل نہ ہونے کی حدتک مسلّمہ ومشہور اور غیر متنازعہ ہونے کے بعد اپنے دلائل اور اصل ثبوت کے اعتبار سے قطعی ہونے پر موقوف نہیں ہیں۔ جیسے شرح مقاصد میں ہے؛

"اَیْ فِیْمَا اشْتَھَرَ کَوْنُہٗ مِنَ الدِّیْنِ بِحَیْثُ یَعْلَمُہُ الْعَامَّۃُ مِنْ غَیْرِ افْتِقَارٍ اِلٰی نَظْرٍ وَاسْتِدْلَالٍ"

یعنی ضرورتِ دینی سے مراد وہ احکام ہیں جن کا دین اسلام کا حصّہ ہونا اِس حدتک مشہور ہو کہ عوام وخواص کسی نظر وفکر اور استدلال کے محتاج ہوئے بغیر اُسے سمجھتے ہوں۔

اِسی طرح نبراس میں ہے؛

"اَیِ الْاُمُوْرُ الَّتِیْ عُلِمَ ثُبُوْتُھَا فِی الشَّرْعِ وَاشْتَھَرَ"(1)

ضرورت دینی سے مراد وہ احکام ہیں جن کا ثبوت فی الشرع نظام مصطفی ﷺ کا حصّہ ہونے کے طور پر مشہور ہو۔

---

(1) نبراس، ص 572۔

شرح شفاء ملا علی القاری میں ہے؛

''مِمَّا عُلِمَ مِنَ الدِّیْنِ بِالضَّرُوْرَۃِ عِنْدَالْخَاصِ وَ الْعَامِ''(1)

ضرورتِ دینی سے مراد وہ احکام ہیں جن کا حصّہ دین ہونا ہر خاص وعام کو معلوم ہو اور اس پر دلیل دینے کی ضرورت پیش نہ آئے۔

ضروریاتِ دین کا خواص وعوام کے نزدیک مسلمہ، غیر متنازعہ اور بداہت کی حد تک حصّہ دین مشہور ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مذہبی اقدار سے لاتعلق عوام بھی اُنہیں سمجھتے ہوں، نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ اسلاف کی کتابوں میں موجود اس خواص وعوام سے مراد بالترتیب علماء دین اور اُن کی صحبت پانے والے عوام ہیں۔ جیسے المستند المعتمد میں لکھا ہوا ہے؛

''وَمَایُقَالُ لَبِعْضِهَا اِنَّهَا مِنْ ضَرُوْرِیَاتِ الدِّیْنِ فَمَعْنَاهُ اَنَّهُ اشْتَرَکَ فِی مَعْرِفَةِ اِضَافَتِهِ اِلَی الدِّیْنِ خَوَاصُ اَهْلِ الدِّیْنِ وَعَوَامُهُمْ مَعَ عَدَمِ قَبُوْلِ التَّشْکِیْکِ''(2)

بعض احکام کو جو ضروریات الدین کہا جاتا ہے اُس کا مطلب یہ ہے کہ دین کے حصّہ کے طور پر اُن کی اضافت اِلی الدین کو جاننے میں اہل دِین کے خواص اور اُن کے ساتھ مربوط عوام کسی شک وتردد کے بغیر شریک ہوں۔

تیسری بات:۔ ضرورت بمعنی بداہۃ جو علم کی صفت ہے اور علم استدلالی کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے ہر وقت اور ہر شخص کے لیے یکساں نہیں ہوتی بلکہ انسانوں کی قوّت فہم اور ماحول وحالات کے مختلف ہونے کی بنیاد پر اس میں بھی اختلاف ہوسکتا ہے۔ جس کے مطابق ایک حکم کا علم ایک شخص کے نزدیک بدیہی اور غیر محتاجِ دلیل ہوسکتا ہے۔ جبکہ دوسرے شخص کو نامساعد ماحول یا ذہنی کمزوری کی وجہ سے استدلال کی کلفت اُٹھائے بغیر اُس کا علم نہیں آسکتا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

(1) شرح شفاء ملا علی القاری، ج2، ص 522۔ (2) المستند المعتمد، ص16۔

''اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ کُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا یَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَااَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ''(1)

اِس بنیاد پر تکفیر کے لیے مقررہ اسلامی اُصول میں یہ بات بھی ضروری ہے کہ اسلامی ماحول اور اہل علم کی صحبت سے محروم کوئی شخص اگر کسی ضرورتِ دینی سے اُس کو نہ سمجھنے اور بے خبری یا غفلت کی وجہ سے انکار کرے تو ایسی صورت میں اُس کی تکفیر جائز نہیں ہے۔ کیوں کہ اُس کا یہ انکار بظاہر کفر لگنے کے باوجود حقیقت میں ضرورتِ دینی سے انکار نہیں ہے بلکہ جہالت و بے خبری کا مظہر ہے اور ''اَلْاِنْسَانُ عَدُوٌّ لِمَا جَهِلَ'' کا عکس ہے۔ جس وجہ سے علماء دین پر فرض بنتا ہے کہ اُس کی تکفیر کر کے گناہ کمانے کے بجائے اُسے تبلیغ کر کے جہالت سے نکال کر ضروریاتِ دینی سے آشنا کریں۔ اس نکتہ سے غفلت کے نتیجہ میں اچھے خاصے علماء بھی ایسے قابلِ رحم جاہل مسلمانوں کی تکفیر کا بوجھ اپنے سر اُٹھاتے ہیں۔ ایسے مواقع پر اِن حضرات کو ایمان مجمل اور ایمان مفصل کی تفریق کا شرعی مفاد بھی بھول جاتا ہے۔ جس پر ہم افسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے ہیں۔ اُصولِ تکفیر سے متعلق اس اہم نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے امام تفتازانی (نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہُ الشَّرِیْف) نے شرح مقاصد میں فرمایا؛

''اِنَّ التَّصْدِیْقَ بِجَمِیْعِ مَاجَآءَ بِہٖ النَّبِی ﷺ اِجْمَالًا کَافٍ فِیْ صِحَّۃِ الْاِیْمَانِ وَ اِنَّمَا یُحْتَاجُ اِلٰی بَیَانِ الْحَقِّ فِی التَّفَاصِیْلِ عِنْدَ مُلَاحَظَتِہَا وَاِنْ کَانَتْ مِمَّا لَاخِلَافَ فِیْ تَکْفِیْرِ الْمُخَالِفِ فِیْہَا کَحُدُوْثِ الْعَالَمِ فَکَمْ مِنْ مُؤْمِنٍ لَمْ یَعْرِفْ مَعْنَی الْحَادِثِ وَالْقَدِیْمِ اَصْلًا وَلَمْ یَخْطُرْ بِبَالِہٖ حَدِیْثُ حَشْرِ الْاَجْسَادِ قَطْعًا لٰکِنْ اِذَالَاحَظَ ذٰلِکَ فَلَوْلَمْ یُصَدِّقْ کَانَ کَافِرًا''(2)

اِس کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے تمام احکام پر اجمالی تصدیق صحت ایمان کے لیے کافی ہے اور تفصیلی طور سے ایک ایک حکم پر تصدیق ظاہر کرنے کی ضرورت صرف اُس

---

(1) التوبہ، 97۔ (2) شرح مقاصد، ج2، ص 270۔

وقت پیش آتی ہے جب اُن میں سے ایک ایک کو جدا جدا سمجھنے کا مسئلہ درپیش ہو۔ اگر چہ یہ تفصیلی احکام اُن مسائل کے قبیل سے ہوں جن کے منکر کے کفر میں اختلاف نہ ہو جیسے حُدوثِ عالم اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے قدیم ہونے کے ساتھ تصدیق ایمان مجمل کا حصّہ ہے۔ اِس کے باوجود کتنے مؤمن مسلمان ایسے ہیں جو حادث وقدیم ہونے کے معنوں کو جانتے ہی نہیں ہیں۔ اِسی طرح آخرت میں انسانوں کے جسمانی حشر کا تصور بھی اُنہیں نہیں ہوتا لیکن اِن میں سے جس کو وہ نہیں جانتا اُسے مستقل طور پر سمجھنے کا موقع اُسے دینے کے بعد بھی اگر اُسے نہیں مانے گا تب کافر ہوگا۔

فتاویٰ ردالمحتار میں بعض فقہاء کرام کے نزدیک جن مسائل کے انکار وتکذیب یا تحقیر واستخفاف کی وجہ سے اکفار ضروری ہوتا ہے۔ یعنی فتویٰ کفر دینا فرض ہوجاتا ہے اُن کو ذکر کرنے کے بعد اِس انکار وتکذیب کے مبنی بر غفلت وبے خبری نہ ہونے کو شرط بتاتے ہوئے لکھا ہے؛

”وَيَجِبُ حَمْلُهُ عَلٰى مَااِذَاعَلِمَ الْمُنْكِرُثُبُوْتَهٗ قَطْعًا لِاَنَّ مَنَاطَ التَّكْفِيْرِهُوَ التَّكْذِيْبُ اَوِالْاِسْتِخْفَافُ عِنْدَذٰلِكَ يَكُوْنُ اَمَّااِذَالَمْ يَعْلَم فَلَااِلَّااَنْ يُذَكِّرَ لَهٗ اَهْلُ الْعِلْمِ ذٰلِكَ فَيَلُجَّ“(1)

اِس کا مفہوم یہ ہے کہ جس جگہ میں بھی فقہاء نے کفر کا حکم کیا ہے وہیں پر اُسے اُس صورت پر حمل کرنا واجب ہے جب انکار کرنے والے کو اُس کے ثبوت کا قطعی علم ہو۔ کیوں کہ تکفیر کا دارومدار جو تکذیب یا تخفیف پر ہے اِسی صورت میں ثابت ہوسکتا ہے اگر وہ اسے جانتا ہی نہ ہو تو پھر تکفیر کا جواز نہیں ہے۔ مگر یہ کہ اہل علم کے سمجھانے کے باوجود وہ تسلیم کرنے کے بجائے ضد پکڑے تو اُس وقت اُس کی تکفیر لازم ہوگی۔

ابن ہمام کے حوالہ سے یہ سب کچھ بیان کرنے کے بعد حضرت ابن عابدین (نَوَّرَاللّٰهُ مَرْقَدَهٗ

(1) فتاویٰ ردالمحتار، ج3، ص 311۔

الشَّرِیْف) نے اپنی طرف سے اِس کے متصلاً بعد لکھا ہے؛

''وَھٰذَا مُوَافِقٌ لِمَا قَدَّمْنَاه عَنْهُ مِنْ اَنَّه یَکْفُرُ بِاِنْکَارِ مَااُجْمِعَ عَلَیْهِ بَعْدَ الْعِلْمِ بِه''(1)

الغرض تکفیر کے اُصول عند بعض الفقہاء ہو یا عند جمہور الفقہاء والمتکلمین بہر تقدیر اور ہر فریق کے نزدیک اِس انکار و تکذیب کا مبنی بر غفلت نہ ہونا بھی شرطِ جواز تکفیر ہے۔ جس کو سمجھنا ہر مفتی کے لیے ناگزیر ہے۔

چوتھی بات:۔ ایمان کے شرعی مفہوم میں جو تصدیق ہے یعنی ''ھُوَ تَصْدِیْقُ النَّبِیِّ ﷺ فِیْ جَمِیْعِ مَا عُلِمَ بِالضَّرُوْرَةِ مَجِیْئُهُ بِه'' کے اندر جو تصدیق معتبر ہے وہ صرف علم ہی نہیں ہے جو تصور کے مقابلہ میں ہوتا ہے بلکہ اُس سے مراد شرعی تصدیق ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِه اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ''(2)

جو یہ سچا دین لے کر آئے اور جنہوں نے اُن کی تصدیق کی وہی اہل تقویٰ ہیں۔

یعنی جملہ ضروریاتِ دین کو بطور نظام مصطفیٰ ﷺ اس طرح ماننا ہے کہ جس میں جذبۂ عمل کے ساتھ مکمل تسلیم ورضاء اور تعظیم بھی موجود ہو اور جملہ کفری مذہبوں سے بیزاری بھی۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا''(3)

اور فرمایا؛''اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْکُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ''(4)

اور فرمایا؛''وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ''(5)

شرعی ایمان میں اِن چیزوں کے معتبر ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اِن کے منافی کسی قول و عمل کے پائے جانیکی صورت میں تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان کالعدام قرار پا کر ایسے شخص کا کفر

---

(1) فتاویٰ ردالمحتار، ج3،ص 311۔ (2) الزمر،33۔

(3) النساء،65۔ (4) الممتحنہ ،4۔ (5) الحج،32۔

یقینی ہوجاتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی شخص خود کو مؤمن مسلمان کہلاتے ہوئے ذات اللہ، افعال اللہ، صفات اللہ، اسماء اللہ اور احکام اللہ میں سے کسی کی جان بوجھ کر توہین کرے یا اُس پر استہزاء وتضحیک کرے یا نفس امارہ کے ہاتھوں مغلوب ہو کر اُس کی جان بوجھ کر بے ادبی وتخفیف کرے یا کسی بھی شعائر اللہ کی تعظیم کے منافی کردار کا جان بوجھ کر ارتکاب کرے یا کسی غیر اسلامی مذہب کے مخصوص و مشہور شعار پر عمل کرے تو اِس قسم تمام صورتوں میں اُس کا کفر یقینی ہوجاتا ہے۔ ایسی صورتوں میں اُس کا اقرار باللسان وتصدیق بالقلب کا دعویٰ کرنا ہرگز اُسے کفر سے نہیں بچاسکتا، جیسے سرکش بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبروں پر ایمان بمعنی اقرار باللسان وتصدیق بالقلب کے دعویدار ہونے کے باوجود محض نفس لمارہ کے ہاتھوں مغلوب ہونے کی بنا پر اُنہیں قتل کیا تو جہنمی قرار پائے، اُن کا اقرار باللسان وتصدیق بالقلب کی ظاہری صورت اُن کے کام نہ آئی کیوں کہ تسلیم ورضا اور تعظیم کے منافی کردار کی موجودگی میں نفس اقرار باللسان وتصدیق بالقلب کا دعویٰ کسی بھی دورِ تاریخ میں اور کسی بھی پیغمبر کی شریعت میں قابل اعتبار نہیں سمجھا گیا ہے۔ اِسی لیے اللہ تعالیٰ نے اُنکے دعویٰ ایمان کو کالعدم قرار دیتے ہوئے فرمایا؛

"قُلْ بِئْسَمَا یَأْمُرُكُمْ بِهِ إِيمَانُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ"(1)

یہ سب کچھ اِس لیے کہ کسی چیز کی ضد کا وجود مشاہدہ کی حد تک یقینی ہونے کی صورت میں اُس کی دوسری ضد یا نقیض کی موجودگی کا دعویٰ کرنا صرف اِس مسئلہ میں بلکہ ہر جگہ فضول وکالعدم ہوتا ہے۔

جب ایمان کے معنی تصدیق کے ہیں یعنی "اَلْإِيمَانُ هُوَ التَّصْدِيقُ بِجَمِيعِ مَا عُلِمَ بِالضَّرُورَةِ مَجِيئُهُ ﷺ بِهِ" اور یہ تصدیق چونکہ لغوی اور منطقی تصدیق سے بچند وجوہ مختلف اور خاص ہے۔

پہلی وجہ:۔ اِس کا متعلق صرف اور صرف ضروریاتِ دینیہ ہیں جبکہ لغوی اور منطقی تصدیق کا متعلق کوئی بھی نسبت تامہ خبریہ ہوسکتی ہے۔

دوسری وجہ:۔ اس تصدیق سے مراد علم الیقین ہے جس میں مخبر صادق ﷺ کے حکم وخبر کو دخل ہوتا ہے،

---

(1) البقرۃ، 93۔

جبکہ لغوی اور منطقی تصدیق ظن سے لے کر تقلید مخطی و مصیب عین الیقین وحق الیقین تک متعدد شکلوں کو شامل ہے۔

تیسری وجہ:۔ شریعت کی زبان میں اس کے وجود کا اعتبار تب ممکن ہوسکتا ہے جبکہ اِس میں جذبۂ عمل کے ساتھ مکمل تسلیم و رضا اور تعظیم بھی موجود ہو یعنی جملہ ضروریاتِ دین کو بطور نظامِ مصطفیٰ ﷺ اس طرح ماننا کہ جس میں جذبۂ عمل کے ساتھ مکمل تسلیم و رضا اور تعظیم بھی موجود ہو اور جملہ کفری مذاہب سے بیزاری بھی جبکہ تصدیق لغوی و منطقی میں اِن قیودات کی ضرورت نہیں ہے۔

تو ایسے میں ایمان وتصدیق کو منقولِ شرعی کہے بغیر چارہ نہیں رہتا۔ جیسے لفظ صلوٰۃ کو اُس کے لغوی معنی (دُعا) سے منقول کر کے شریعت کی زبان میں مخصوص قیودات میں محصور بدنی عبادت کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ اور زکوٰۃ کو اُس کے لغوی معنی (پاکیزگی) سے منقول کر کے شریعت کی زبان میں مخصوص قیودات میں محصور مالی عبادت کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ اِسی طرح شریعت مقدسہ کی زبان میں ایمان وتصدیق کو بھی اُس کے لغوی معنی (عمومی تصدیق) سے منقول کر کے مذکورہ شرعی معنی کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ یعنی تمام ضروریات دینیہ کو بطور نظام مصطفیٰ ﷺ اِس طرح ماننا کہ جس میں مکمل تسلیم و رضا کے ساتھ تعظیم بھی موجود ہو اور جملہ کفری مذاہب سے بیزاری بھی۔

ایمان وتصدیق کا اس مخصوص معنی میں منقول شرعی ہونے کے لیے اِن قیودات کا ایمان کے لیے اجزاء ہونا ضروری نہیں کہ ایمان اِن سب سے مجموع مرکب ہو بلکہ اس کے شرعی وجود کے لیے شرط ہونا بھی کافی ہے۔ ان کے مابین جو فرق ہے اُس سے ایمان وتصدیق کا مذکورہ مخصوص معنی میں منقول شرعی ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ مثال کے طور پر اِن چیزوں کا ایمان کے اجزاء وابعاض ہونے کی صورت میں اِن میں سے کسی ایک کا معدوم ہونا ایمان کے معدوم ہونے کو مستلزم ہے کیوں کہ کل کا وجود بغیر جزء کے ناممکن ہے اور شرط ہونے کی صورت میں بھی اِن میں سے کسی ایک کا معدوم ہونا ایمان کے معدوم ہونے کو مستلزم ہے۔ کیوں کہ شرط کے بغیر مشروط کا وجود ناممکن ہے۔ جیسے المسایرہ میں فرمایا؛

''فَیُمْکِنُ اِعْتِبَارُ هٰذِهِ الْاُمُوْرِ اَجْزَاءً لِمَفْهُوْمِ الْاِیْمَانِ فَیَکُوْنُ اِنْتِفَاءُ ذٰلِکَ الْاَزْمِ عِنْدَ اِنْتِفَائِهَا لِانْتِفَاءِ الْاِیْمَانِ وَاِنْ وُجِدَ التَّصْدِیْقُ وَغَایَةُ مَافِیْهِ اَنَّهٗ نُقِلَ عَنْ مَفْهُوْمِهٖ اللُّغَوِیِّ الَّذِیْ هُوَ مُجَرَّدُ التَّصْدِیْقِ اِلٰی مَجْمُوْعٍ هُوَ مِنْهَا''(1)

پس اِن چیزوں کا ایمان کے مفہوم کے لیے اجزاء معتبر قرار دینا بھی ممکن ہے تو اِس صورت میں اِن کے منتفی ہونیکے وقت ایمان کے لوازمات کا منتفی ہونا اس بنیاد پر ہوگا کہ ایمان منتفی ہے اگرچہ تصدیق پائی جاتی ہے اور اِسکا آخری نتیجہ یہ ہے کہ ایمان اپنے لغوی مفہوم جو مجرد تصدیق ہے سے مجموع مرکب کی طرف منقول کیا گیا ہے جن میں سے ایک جز وتصدیق بھی ہے۔

حضرت ابن ہمام (نَوَّرَاللّٰهُ مَرْقَدَهُ الشَّرِیْف) کی اِس آخری عبارت ''اِلٰی مَجْمُوْعٍ'' کی تشریح کرتے ہوئے اُس کی شرح (المسامرہ) کے مصنف امام کمال الدین محمد ابن محمد نے لکھا ہے؛

''اَیْ اُمُوْر اعْتُبِرَتْ جُمْلَتُهَا وَوُضِعَ بِاِزَائِهَا لَفْظُ الْاِیْمَانِ''(2)

اس کے بعد حضرت امام ابن ہمام نے فرمایا؛

''وَیُمْکِنُ اِعْتِبَارُهَا شُرُوْطًا لِاِعْتِبَارِهٖ شَرْعًا فَیَنْتَفِیْ اَیْضًا لِانْتِفَائِهَا الْاِیْمَان مَعَ وُجُوْدِ التَّصْدِیْقِ بِمَحَلَّیْهِ''(3)

شریعت میں ایمان کے معتبر ہونے کے لیے اِن چیزوں کو شروط قرار دینا بھی ممکن ہے۔ تو اِس صورت میں بھی ان کے منتفی ہوتے وقت ایمان کے لوازمات کا منتفی ہونا اس بنیاد پر ہوگا کہ ایمان ہی منتفی ہے جبکہ تصدیق اپنے دونوں محلوں میں موجود ہے۔

اسلاف کی یہ عبارات صاف صاف بتارہی ہیں کہ تصدیق قلبی ولسانی دونوں کی موجودگی میں ایمان کے لوازمات کا منتفی ہوکر کفر کے لوازمات کا ثابت ہونا اِس کے سوا کوئی اور پس منظر نہیں رکھتا کہ اِن چیزوں

---

(1) المسایرہ، ص283۔ (2) المسامرہ شرح المسایرہ، ص284۔

(3) المسامرہ شرح المسایرہ، ص284۔

کے منتفی ہونے کی بنا پر اصل ایمان ہی منتفی ہو چکا ہوتا ہے۔ چاہے انتفاء شرط کی وجہ سے ہو یا انتفاء جزو کی وجہ سے۔

مفتیانِ اسلام کے لیے قابلِ توجہ:۔ علماء کرام کی توجہ کے لیے مزید تاکید ہے کہ تکفیر کے لیے اصول مقررہ فی الاسلام کو سمجھنے کے لیے سلسلۂ تمہیدات کا یہ حصّہ سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ جس سے غفلت کی بنا پر بسا اوقات علماءِ کرام و مفتیان عظام ذہنی اضطراب میں مبتلا ہوتے ہیں۔ جس سے بچنے کے لیے اِسے پیش نظر رکھنا ہر مفتی کے لیے ناگزیر ہے۔

پانچویں بات:۔ ایمان و کفر کا تعلق ضروریاتِ دین کے ساتھ ہونے کی وجہ سے یہ ایک دوسرے کے متناقض یا متضادِ خاص ہیں کہ ایمان کا ضد کفر کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔ اسی طرح کفر کی ضد میں اسلام کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہے۔ لہٰذا اِن میں سے ایک کا وجود آپ ہی دوسرے کی نفی ہے۔ جس پر کوئی اور دلیل تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

چھٹی بات:۔ کفر ایمان کی نقیض ہو یا ضد بہر تقدیر وہ بجائے خود ایک جنس ہے جو اعتقادی نفاق، الحاد، زندیقیت وارتداد اور اصلی و عارضی جیسے کسی بھی نوع کی شکل میں ظاہر ہو سکتا ہے۔

ساتویں بات:۔ خیر القرون کے بعد سے لے کر اب تک بلکہ قیامت تک شرعی احکام کی تین قسمیں ہیں؛

پہلی قسم:۔ اُن کا دین محمدی ﷺ کا حصّہ ہونے میں اہل قبلہ کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یعنی متفقہ فیما بین اہل الاسلام ہیں۔ جیسے نماز پنجگانہ کی فرضیت اور حج و روزہ کی فرضیت جیسے ہزاروں مسائل۔ اس قسم مسائل واحکام کو ضروریاتِ دین کہا جاتا ہے۔

دوسری قسم:۔ اُن کا دین محمدی ﷺ کا حصّہ ہونا اہل قبلہ کے مابین اختلافی ہے۔ جس کے بعد ہر فریق کے پیروکار نسلاً بعد نسل اپنے اسلاف کے موقف کو آپس میں کسی اختلاف کے بغیر متفقہ طور پر آگے منتقل

کرتے رہے تو وہ بطور مذہب اتنے مشہور ہوئے کہ مذہب کے خواص وعوام کو اُنہیں مذہب کا حصہ سمجھنا بالبداہتہ معلوم ہو رہا ہے۔جس کے بعد اُنہیں حصہ مذہب ثابت کرنے کے لیے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔جیسے اہل سنت کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا برحق خلیفۃ الرسول بلافصل ہونا اور اہل تشیع کے نزدیک حضرت مولیٰ علی نور اللہ وجہہ الکریم کا برحق خلیفۃ الرسول بلافصل ہونا۔اسی طرح اہل سنت کے نزدیک خلافۃ الرسول ﷺ کا فرشی مسئلہ ہونا کہ مسلمانوں کے اہل حل وعقد کے شوریٰ سے ہوسکتا ہے۔اور اہل تشیع کے نزدیک اس کا عرشی مسئلہ ہونا جس کے مطابق اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی طرف سے مخصوص شخص کی تعین ضروری ہے۔

عہدِ صحابہ میں ظاہر ہونے والے اِس اختلاف کو ہر دو مذہبوں کے پیروکاروں نے اپنے اپنے دائرہ اثر میں نسلاً بعد نسلٍ اور قرناً بعد قرنٍ اتنا مشہور کیا کہ مسئلہ خلافت کا عرشی فیصلہ ہونا اور مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا خلیفۃ الرسول بلافصل ہونا ضروریاتِ مذہب اہل تشیع قرار پایا جس کے نتیجہ میں اب کسی شیعہ کو اپنے دائرہ اثر میں اس کو ثابت کرنے کے لیے دلیل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔اسی طرح خلافت الرسول ﷺ کا فرشی مسئلہ ہونا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بلافصل برحق خلیفۃ الرسول ہونا ضروریاتِ مذہب اہل سنت قرار پایا ہے۔جس کے نتیجہ میں اہل سنت حلقہ اثر میں اس کو ثابت کرنے کے لیے دلیل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔کیوں کہ وہ بجائے خود ضروریاتِ مذہبیہ کے قبیل سے ہے۔

تیسری بات:۔ وہ خالصتاً فقہی واجتہادی ہیں جن کے جواز وعدم جواز اور حلال وحرام وغیرہ نوعیتوں سے متعلق متضاد آراء مجتہدین کرام کے مابین پائی جاتی ہیں جو عین مقتضائے فطرت ہونے کے ساتھ اصل مسئلہ کی حقانیت اور اہل اجتہاد حضرات کی فی سبیل اللہ مجاہدہ کے مظاہر ہیں۔جس کی روشنی میں حنفی ،شافعی ،مالکی ،حنبلی وجعفری وغیرہ مذاہب وجود میں آئے ہوئے ہیں۔

شرعی احکام کی اِن تینوں قسموں میں سے ہر ایک کے احکام ونتائج ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔مثال

کے طور پر تیسری قسم میں اپنے کسی فقہی مخالف کی تضلیل و تفسیق کرنا بجائے خود فسق و گناہ ہے کیوں کہ اس قسم میں اپنے مسلک کے حق ہونے پر راجح گمان اور مد مخالف کے ناحق ہونے پر راجح گمان ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا، جس کے مطابق ایک دوسرے کے خلاف منفی پروپیگنڈا کرنے کا قطعاً کوئی جواز نہیں ہے۔ اور دوسری قسم میں دائرہ تہذیب کے اندر رہتے ہوئے علمی زبان میں ایک دوسرے کی صرف اور صرف تضلیل کا جواز ہے تکفیر کا ہرگز نہیں۔ اور پہلی قسم کی مخالفت کرنے والے چونکہ التزام کفر یا لزوم کفر سے خالی نہیں ہو سکتے لہٰذا ان مسلمات کو سمجھنے کے بعد اب لزوم کفر اور التزام کفر کی جدا جدا حقیقتوں کو مع مثالوں کے سمجھنا چاہئے۔

☆☆☆☆☆

اتحاد بین المسلمین فرضِ عین کیوں؟

میرا سوال یہ ہے کہ ماہنامہ آوازِ حق شمارہ 32، سال 2004ء میں ''اَسبابِ زوالِ اُمت'' کے مضمون میں لکھا ہے کہ؛

''اتحاد بین المسلمین کے لیے کوشش کرنا ہر مسلمان پر فرضِ عین ہے جس کے خلاف کرنا کبیرہ گناہ ہے۔''

آوازِ حق کے سرپرستِ اعلیٰ شیخ الحدیث مولانا پیر محمد چشتی کے اس فتویٰ کے مطابق دنیا بھر کے مسلمانوں کا کبیرہ گناہ میں مبتلا ہونا لازم آتا ہے کیوں کہ اکثر مسلمانوں کو اتحاد بین المسلمین کے مفہوم کا بھی علم نہیں ہے چہ جائیکہ اس پر عمل کرے۔ بالخصوص علماء کرام کے طبقوں میں ہر مکتبہ فکر کے حضرات اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد آباد رکھنے کے لیے دوسرے مکاتب فکر کو نقصان پہنچانے، اُنہیں نیچا دکھانے اور اُن کی دل آزاری کرنے کو ہی اسلام کی سب سے بڑی خدمت سمجھتے ہیں اور اُن کے حلقہ اثر سے متاثر عوام میں اس مرض کی پختگی اور بھی زیادہ ہے۔ یہ ہوا مذہب شناس اور دین دار کہلانے والوں کا حال جبکہ مذہبی تعلیم سے ناآشنا برائے نام مسلمانوں کی اکثریت کو تو ''اتحاد بین المسلمین'' کے شرعی حکم ہونے کا کوئی احساس ہی نہیں ہے۔ ان حالات میں، کیا ان سب کا فرضِ عین کا تارک ہونے کی وجہ سے گناہ کبیرہ کے مرتکب ہونا لازم نہیں آتا؟

دوسرا سوال:۔ کیا اتنی زیادہ تعداد میں مسلمانوں کا مرتکب گناہ کبیرہ ہونا فرمانِ نبوی ﷺ ''لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِی عَلَی الضَّلَالَۃِ'' حدیث کی مخالفت نہیں ہے؟

تیسرا سوال:۔ آوازِ حق کے محولہ بالا فتویٰ کی بجائے کیا مسلمانوں کو ایک سیاسی پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی کوشش زیادہ مناسب نہیں ہے؟ مہربانی کر کے قرآن و حدیث کے دلائل سے مدلل جواب آوازِ حق

میں شائع کر کے ثوابِ دارین حاصل کریں۔......والسلام

السائل...... (مولانا) محمد یعقوب، خطیب جامع مسجد ملت اسلامیہ، متصل گورنمنٹ ہائی سکول نمبر۲، ہشت نگری پشاور شہر

''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ''

مذکورہ سوالات سے ہر ایک کے دو دو جوابات دیئے جاتے ہیں۔

پہلے سوال کا اجمالی جواب یہ ہے کہ ہاں ''اتحاد بین المسلمین'' کے لیے حسب استطاعت جدوجہد کرنے کے اسلامی حکم پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے اکثر مسلمان گناہ گار ہو رہے ہیں۔

دوسرے سوال کا اجمالی جواب یہ ہے کہ ''اتحاد بین المسلمین'' کے برعکس سرگرمیاں دکھانے والوں کا مرتکب کبیرہ ہونے سے مذکورہ حدیث کی مخالفت اِس لیے لازم نہیں آ رہی ہے کہ اس پر عمل کرنے والے سعادت مندوں کا سلسلہ منقطع نہیں ہے بلکہ اس کے داعی اور اس پر عمل کرنے والوں کا وجود مسعود رہتی دنیا تک موجود رہے گا جیسے مرفوع حدیث میں اللہ کے رسول علیہ السلام نے فرمایا؛

''لَنۡ تَزَالَ طَائِفَةٌ مِنۡ اُمَّتِی ظَاھِرِیۡنَ عَلَی الۡحَقِّ حَتّٰی یَاۡتِیَ اَمۡرُ اللّٰہِ''

تیسرے سوال کا اجمالی جواب یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایک سیاسی پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی کوشش بجائے خود ''اتحاد بین المسلمین'' کی ایک صورت ہے۔جس کی کامیابی کے لیے اتحاد کا عمل مبنی بر اخلاص اور مستحکم اصولوں پر ہونا ضروری ہے۔جس کے بغیر اتحاد کی بقاء اور اس کے ثمرات کا حصول ممکن نہیں رہتا ۔قرآن وسنت نے ''اتحاد بین المسلمین'' کی جس شکل کو تمام مسلمانوں پر فرض عین قرار دیا ہے اس سے مراد یہی اتحاد ہے جو مستحکم اُصولوں کے ساتھ مبنی بر اخلاص ہو۔جس کے لیے حسبِ استطاعت قدم اُٹھانا ہر مومن مسلمان پر فرض عین ہے، جس کے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی ۔جس کی فرضیت ایسی ہی قطعی ہے جیسے کلمہ توحید کو گلے لگانے کا فریضہ قطعی ہے یعنی کلمہ توحید پر یقین رکھنے والے تمام مسلمانوں پر توحید کلمہ کا التزام کرنا بھی قطعی فریضہ ہے کیوں کہ کلمہ توحید پر یقین کیے بغیر دائرہ اسلام میں داخل ہونا ممکن

نہیں ہے اور توحید کلمہ کی فرضیت پر عمل کیے بغیر غلبہ اسلام کے حوالہ سے مقصد رسالت کی تکمیل ممکن نہیں ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''هُوَ الَّذِیٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ''(1)

اِس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ ہی نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ اسے انسانوں کے بنائے ہوئے ہر قانون پر غالب کرے۔

قرآن شریف کے متعدد مقامات پر مختلف سیاق وسباق کے ساتھ مذکور اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مقصدِ رسالت یہی بتایا ہے کہ دینِ اسلام کی ہدایت کو بطور ضابطہ حیات دنیا کے تمام دساتیر وقوانین پر غالب کرے۔ قرآن شریف کے اِن مقامات پر غور کرنے والے حضرات سے مخفی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ہی اس مقصد کی تکمیل کا تقاضا فرمایا ہے جو باہمی اتحاد کے بغیر ناممکن ہے۔ اُمتِ مسلمہ کا اقوام عالم کی صف میں غالب وسر بلند ہونے کے لیے سیاسی استحکام ضروری ہے جو اتحاد کے بغیر ممکن نہیں ہے جب اتحاد کے بغیر سیاسی استحکام ممکن نہیں ہے تو پھر بغیر اتحاد کے اقوام عالم کی صف میں غالب وسر بلند ہونا بھی ممکن نہیں ہوگا ایسے میں مسلکی انفرادیات وخصوصیات کو چھیڑے بغیر محض مشترکہ اقدار پر متحد ہونے کے لیے حسب استطاعت قدم اُٹھانے کی فرضیت کو سیاسی پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی فرضیت پر اولیت حاصل ہے کہ جب تک یہ نہ ہوگا تب تک سیاسی اتحاد پایہ دار و مستحکم نہیں ہو سکتا جبکہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیات میں بعثتِ نبوی ﷺ کا مقصد پائیدار و مستحکم غلبہ وسر بلندی کا حصول بتایا ہے۔ لہٰذا آوازِ حق کی محولہ بالا تحقیق زیادہ مناسب اور تقاضائے فطرت کے زیادہ قریب ہے۔

پہلے سوال کے مذکورہ اجمالی جواب کی تفصیل یہ ہے کہ ''اتحاد بین المسلمین'' کی فرضیت کا عقیدہ تمام مکاتبِ فکر اہلِ اسلام کے مابین قدر مشترک ہے یعنی مسلمانوں کے کسی بھی فقہی مسلک میں اس کیساتھ اختلاف نہیں ہے اگر اختلاف ہے تو وہ صرف عمل کا ہے کہ طوائف المذہبی میں مبتلا اصحاب محراب ومنبر

---

(1) التوبہ، 33۔

حضرات اس سے بے اعتنائی برت رہے ہیں۔ من حیث القوم مسلمانوں کی سربلندی کے موجب اس فریضہ پر عمل کرنیکی بجائے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کو بلند کرنے دوسرے مسالک کو گرانے، خود کو بنانے اور اس اہم ترین فریضہ اسلام کو چھوڑ کر مسلکی شعائر وغیر ضروری باتوں کو موضوع بحث بنا کر نہ صرف معکوس العملی کا شکار ہو رہے ہیں بلکہ اپنے حلقہ اثر کو بھی اس مسلّمہ فریضہ اسلام سے بیگانہ کر رہے ہیں ایسے میں مسلم آبادی کی اکثریت کا اس حوالہ سے گناہ کبیرہ میں مبتلا ہونا تعجب کی کوئی بات نہیں ہے بلکہ ناقص رہنمائی کا نتیجہ بد ہے جس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔ ''اتحاد بین المسلمین'' کے شرعی فریضہ کے خلاف اس معکوس العملی میں مبتلا عوام کی نسبت اس کے ذمہ دار اصحاب محراب ومنبر حضرات کا گناہ بھی اس حوالہ سے دوچند ہے کیوں کہ ان کا یہ معکوسی عمل دو حال سے خالی نہیں ہے۔ اس فریضہ کو جانتے ہوئے اس سے بے اعتنائی کر رہے ہیں یا انجانے میں، بہر تقدیر عوام کے مقابلہ میں انکا جرم دوچند ہے۔

اوّل صورت میں اِسلیے کہ جاننے کے باوجود خلاف ورزی کرنے والوں کو دوچند عذاب ہونا شریعت کا مسلّمہ حکم ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کے فرمان ''يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ''(1) سے معلوم ہو رہا ہے۔ اسی کے مطابق حضرت امام علی ابن موسیٰ الرضا نور اللہ وجھہ و وجوہ ابائہ الکرام و ابنائہ العظام نے فرمایا؛

''لِمُحْسِنِنَا ضِعْفَانِ مِنَ الثَّوَابِ وَلِمُسِيئِنَا كِفْلَانِ مِنَ الْعَذَابِ''(2)

دوسری صورت میں اِسلیے کہ الٰہیات اور مذہبی اقدار کے حوالہ سے امت کے رہبر ورہنما کے منصب پر فائز ہوتے ہوئے اتنے اہم فریضہ سے غافل وجاہل رہنا بجائے خود ظلم ہے جس کی رو سے اسے اس منصب کا استحقاق ہی نہیں ہے اور بغیر استحاق کے محراب ومنبر پر براجمان ہونا ''وَضْعُ الشَّيْئِ فِي غَيْرِ مَوْضِعِهِ'' ہونے کی بنا پر ظلم عظیم وجرم کبیر ہے۔ شاید ایسے ہی نااہلوں کے متعلق کہا گیا ہے؛

إِذَا كَانَ الْغُرَابُ دَلِيلَ قَوْمٍ...... سَيَهْدِيهِمْ طَرِيقَ الْهَالِكِينَ

---

(1) الاحزاب، 30۔ (2) نبراس شرح العقائد السنفی، ص 562۔

اِس کے علاوہ میرا ذاتی مشاہدہ دینی مدارس کا تجربہ اور اصحاب محراب و منبر حضرات کی غالب اکثریت کے ماحول کا مطالعہ جو بتا رہا ہے۔ اس کے مطابق دوسری صورت مشخص ہے یعنی اکثر حضرات کو ''اتحاد بین المسلمین'' کے لیے حسب استطاعت جدوجہد کرنے کے فرض عین ہونے کا علم ہی نہیں ہے کیوں کہ مسلکی ترجیحات کے خول میں محبوس ہونے کی وجہ سے ان حضرات کو اسلام کے عظیم مفاد میں سوچنا نصیب ہی نہیں ہوتا۔ فقہی مسالک کی بقاء وترقی کو ملت اسلام کی بقاء وترقی کے مرہون منت ہونے کا تصور نہیں ہوتا تو ملت اسلام کے نقصان کو فقہی مسالک کا نقصان کہنے پر متحد ہونے کی فرضیت کا احساس کہاں سے آئے؟

چاہئے تو یہ تھا کہ تعلیمی مراکز میں نوجوانوں کو اول اسلام بعد میں مذہب کی تعلیم دی جاتی، اسلام کو بمنزلہ دریا اور فقہی مسالک کو اس سے نکلنے والی نہریں بتایا جاتا، اسلام کو درخت کا تنا اور مذاہب کو اس کی شاخیں ہونے کی تعلیم دی جاتی اور کلمہ توحید کی فرضیت واہمیت کے ساتھ توحید کلمہ کی اہمیت وفرضیت بھی بتائی جاتی تو مذہبی منافرت وتنگ نظری کے منحوس نتائج دیکھنا کبھی نصیب نہ ہوتے، اِفتراق بین المسلمین کی عفریت کے ہاتھوں مسلمانوں کی جگ ہنسائی کبھی دیکھنے میں نہ آتی۔ ''اتحاد بین المسلمین'' کے شرعی حکم کو پامال کرنے کے کبیرہ گناہ میں مسلمانوں کی اکثریت کے مبتلا ہونے کے اصل ذمہ دار ہمارے یہی مراکز ہیں جن میں اول اسلام بعد میں مذہب کی تعلیم دے کر ''اتحاد بین المسلمین'' کے لیے ماحول بنانے کی بجائے صرف اپنے مخصوص نظریہ کی تعلیم دے کر دوسرے مسالک والوں کے واجب القتل ہونے کا تاثر دیا جاتا ہے اپنی مسلکی ترجیحات کو اصل اسلام کہہ کر دوسروں کو خارج از اسلام کہا جاتا ہے اور نوجوانوں کو مذہبی تنگ نظری، تعصب اور فرقہ واریت کی آگ سلگانے کی تربیت دیکر فساد فی الارض کا سامان تیار کیا جاتا ہے زمینی حقائق کے ان شواہد کے ہوتے ہوئے ''اتحاد بین المسلمین'' کی فرضیت کا احساس کہاں سے آئے گا ایسے میں مسلمانوں کی اکثریت کا بیضۃ الاسلام کی حفاظت کے لیے ملت اسلام کی سربلندی کے لیے اور مقصد رسالت کی تکمیل کے لیے ''اتحاد بین المسلمین'' کے شرعی احکام پر

عمل کرنے سے محروم ہوکر کبیرہ گناہ میں مبتلا ہونا بعید از قیاس ہے نہ بعید از شرع اور نہ ہی باعث تعجب۔

اتحاد بین المسلمین کے لیے حسب استطاعت قدم اٹھانا عملی فرض ہے۔ اس کی فرضیت پر عقیدہ رکھنا اعتقادی فرض ہے اور مسلم معاشرہ میں اس کی ترغیب دینے کے ساتھ اس کے منافی قول وعمل سے ترہیب کرنا تبلیغی فرض ہے یہ تینوں فرائض نماز جنازہ پڑھنے یا مردہ کو دفنانے کی طرح کفائی فرض نہیں ہیں کہ معاشرہ میں موجود کچھ اشخاص کا اس پر عمل کرنے سے دوسروں کی گلوخلاصی ہوسکے ایسا تصور اسلام میں قطعاً نہیں ہے بلکہ بلاتفریق تمام مکاتب فکر اہل اسلام کے نزدیک یہ تینوں احکام فرض عین کے قبیل سے ہیں کہ ہر مومن مسلمان کہلانے والے پر اس کی ذمہ داری ہے۔ ایک بھائی کے کرنے سے دوسرے بھائی کی ذمہ داری ختم نہیں ہوتی، باپ کے کرنے سے بیٹے یا بیٹے کے کرنے سے باپ کی مسئولیت ختم نہیں ہوتی اور ایک ہمسائے کے کرنے سے دوسرے ہمسایہ کی گلوخلاصی ہرگز نہیں ہوتی بلکہ مسلم کہلانے والا ہر مرد و زن اس دنیا میں بھی اس کا ذمہ دار ہے اور آخرت میں بھی اس کا جواب دہ ہے علمائے کرام کی رہنمائی اور مذہبی طلباء و قارئین کرام کی سہولت فہم کے لیے ان احکام پر فقہی دلائل کی نشان دہی کرنا ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس کے فرض عین ہونے کی فقہی دلیل نماز پنجگانہ کے فرض عین ہونے کی فقہی دلیل سے مختلف نہیں ہے۔ مثال کے طور پر فقہ کی ہر کتاب اور ہر مسلک کے فتاوی میں نماز کے فرض عین ہونے پر بطور قیاس مضمر یہی کہا جاتا ہے کہ:

"لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی...... اَقِیْمُو االصَّلٰوۃَ"(1)

کسی بھی اہل علم سے مخفی نہیں ہے کہ اصول فقہ کے مسلمہ اصول "اَلْاَمْرُ الْمُطْلَقُ لِلْوُجُوبِ" کو اس کے ساتھ فقہی دلیل کے دوسرے جزو کے طور پر ملانے کے بعد مکمل اور تفصیلی دلیل وجود پاتی ہے۔ جس کا حاصل اور قابلِ اطمینان توضیح اس طرح ہوتی ہے۔

فقہی حکم:۔ نماز پنجگانہ فرض عین ہے۔

(1) البقرہ، 43۔

صغریٰ:۔ کیوں کہ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے امر مطلق کا مفاد ہے۔

کبریٰ:۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ہر امر مطلق کا مفاد فرض عین ہوتا ہے۔

نتیجہ:۔ لہٰذا نماز پنجگانہ بھی فرض عین ہے۔

بلا تفریق و امتیاز اتحاد بین المسلمین کے حوالہ سے اعتقادی، عملی اور تبلیغی فرائض کے شرعی احکام پر فقہی دلائل بھی اسی طرح ہیں۔ مثال کے طور پر اسلام کا دعویٰ ہے کہ اتحاد بین المسلمین کی فرضیت کو تسلیم کرنا اور اس پر ناقابل شک عقیدہ رکھنا اور اس پر عمل کرنا ہر مومن مسلمان پر فرض عین ہے۔

صغریٰ:۔ کیوں کہ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے امر مطلق ''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ''(1) کا مفاد ہے۔

کبریٰ:۔ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ہر امر مطلق کا مفاد فرض عین ہوتا ہے۔

نتیجہ:۔ لہٰذا اتحاد بین المسلمین کی فرضیت کو تسلیم کرنا اور اس پر ناقابل تشکیک عقیدہ رکھنا اور عمل کرنا بھی ہر مومن مسلمان پر فرض عین ہے۔

ایک اشتباہ اور اُس کا ازالہ:۔ ہماری اس تحقیق کے خلاف کسی ناپختہ ذہن میں شاید یہ اشتباہ پیدا ہو جائے کہ نماز پنجگانہ کی فرضیت کی طرح اتحاد بین المسلمین کا جملہ مسلمانوں پر فرض عین ہونے کا تقاضا یہ تھا کہ نماز کو جان بوجھ کر چھوڑنے والوں کو کافر قرار دینے کی طرح اتحاد بین المسلمین پر عمل نہ کرنے والوں کو بھی شریعت میں کافر قرار دیا جاتا کیوں کہ نماز چھوڑنے والوں کو حدیث میں کافر کہا گیا ہے جیسے؛

''مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ فَقَدْ كَفَرَ''(2)

جیسی متعدد احادیث سے معلوم ہو رہا ہے۔ جبکہ اتحاد بین المسلمین پر عمل نہ کرنے والوں کو کافر قرار دینے کے لیے کوئی دلیل موجود نہیں ہے اور شرعی دلیل کا موجود نہ ہونا اس کا فرض عین نہ ہونے پر دلیل ہے۔

جواب:۔ اتحاد بین المسلمین کی فرضیت سے انکار کرنے والوں کو اسلام سے خارج قرار دینے کے

---

(1) آلِ عمران، 103۔ (2) مشکوۃ شریف، ص 58، کتاب الصلوۃ۔

لیے شرعی دلیل موجود نہ ہونے کا قول کرنا سراسر جہالت اور خلاف حقیقت ہے بلکہ یہاں پر تارکین صلوٰۃ کو غیر مسلم قرار دینے سے بھی زیادہ سخت دلائل موجود ہیں کیوں کہ جان بوجھ کر ترک صلوٰۃ کرنے والوں کو محض کافر کہا گیا ہے۔ جبکہ اتحاد بین المسلمین کی فرضیت کے منافی کردار والوں کو واجب القتل، مرتد قرار دیا گیا ہے۔ جیسے اللہ کے رسول علیہ السلام نے فرمایا؛

''مَنْ اَتَاکُمْ وَاَمْرُکُمْ جَمِیْعٌ عَلٰی رَجُلٍ وَاحِدٍ یُرِیْدُ اَنْ یَّشُقَّ عَصَاکُمْ اَوْ یُفَرِّقَ جَمَاعَتَکُمْ فَاقْتُلُوْہُ''(1)

یعنی جو شخص بھی اتحاد بین المسلمین کے خلاف سرگرمی دکھائے اسے قتل کرو۔

اہل علم جانتے ہیں کہ واجب القتل ہونے کا یہ حکم مرتد ہونے پر متفرع ہے جس کے مطابق اتحاد بین المسلمین کی فرضیت سے منکر کو اس حدیث میں مرتد قرار دے کر قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ الغرض جیسے وقت پر بلا عذر ترک صلوٰۃ کو کبیرہ گناہ قرار دیا گیا ہے۔ ویسے ہی اتحاد بین المسلمین کی ضرورت کے وقت بلا عذر اس کے خلاف کرنے والوں کو بھی کبیرہ گناہ کا مرتکب بتایا گیا ہے جن میں سے ثانی الذکر کا گناہ ترک نماز سے زیادہ خطرناک ہے کیوں کہ ترک صلوٰۃ کی قضا ممکن ہے جبکہ اس کی قضا نہیں ہے۔ نیز نماز کی فرضیت شب و روز میں صرف پانچ اوقات کے ساتھ خاص ہے جبکہ اس کی فرضیت ہمیشہ ہے، نیز ترک صلوٰۃ کے نتائج مشؤمہ (برے نتائج) فرد واحد پر عائد ہوتے ہیں جبکہ اتحاد بین المسلمین کے فریضہ کو چھوڑنے کے نتائج سب کے لیے مہلک و متعدی ہیں۔ فرضیت سے انکار کیے بغیر محض بے عملی کی وجہ سے کبیرہ گناہ ہونے کی طرح انکار کی صورت میں مرتد اور واجب القتل ہونے میں بھی کوئی فرق نہیں ہے کیوں کہ نماز پنجگانہ کی فرضیت کا عقیدہ و حکم ضروریاتِ دین کے قبیل سے ہونے کی طرح اتحاد بین المسلمین کی فرضیت کا عقیدہ و حکم بھی ضروریاتِ دین کے زمرہ میں شامل ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے اسلامی معاشرہ میں نماز کی فرضیت کا علم ہر خاص و عام کو حاصل ہے کہ اس پر دلیل پوچھنے کی

(1) مسلم شریف بحوالہ مشکوۃ، ص 320۔

کسی کو ضرورت محسوس نہیں ہوتی اسی طرح اتحاد بین المسلمین کی فرضیت کا علم بھی ہر اہل علم اور ان کے معاشرہ واثر میں رہنے والے تمام حضرات کو حاصل ہے ایسے میں نماز کی فرضیت سے منکر کو اسلام سے خارج سمجھنے والا کوئی شخص بھی اتحاد بین المسلمین کی فرضیت سے منکر کو اسلام میں داخل نہیں سمجھ سکتا۔

اِس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ نماز کی فرضیت سے جب تک انکار نہیں کرے گا اس وقت تک محض بے نماز ہونے کی بنیاد پر اسے جائز القتل قرار دینے کا مسئلہ یکطرفہ اور متفقہ نہیں ہے جبکہ اتحاد بین المسلمین کے صریح منافی عمل کرنے والوں کو محض عمل کی بنیاد پر واجب القتل قرار دینے کے لیے صریح احادیث موجود ہیں جیسے اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا؛

''مَنْ اَرَادَاَنْ یُّفَرِّقَ اَمْرَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَهِیَ جَمِیْعٌ فَاضْرِبُوْهُ بِالسَّیْفِ کَائِنًامَنْ کَانَ''(1)

مفہوم:۔ جو شخص بھی اتحاد بین المسلمین میں تفرقہ ڈالنا چاہے اسے قتل کرو، چاہے جو بھی ہو۔

اِس قسم احادیث سے یہی مفہوم ہو رہا ہے کہ اتحاد بین المسلمین کی فرضیت کا حکم ضروریاتِ دین کے قبیل سے ہونے کی بناء پر جہاں اس کے منکر کو واجب القتل مرتد قرار دیا گیا ہے وہاں اس کے منافی عمل کو بھی اس کی فرضیت کے عقیدہ سے انکار و تکذیب کی یقینی علامت قرار دے کر مرتد کے احکام اس پر لاگو کیے گئے ہیں۔

خلاصہ کلام:۔ اتحاد بین المسلمین کی فرضیت کا حکم قطعی اور ضروریاتِ دین کے قبیل سے ہونے میں نماز سے مختلف نہیں ہے فرق صرف اتنا ہے کہ مسلمانوں کا نماز پنج گانہ پر عمل کرنے سے کسی استعمار کو خطرہ نہیں ہے جبکہ اُمتِ مسلمہ کی طرف سے تاریخ کے ہر دور میں اتحاد بین المسلمین کے فریضہ پر عمل کرنے کو استعمار نے اپنے اقتدار کے لیے خطرہ سمجھ کر اس کے خلاف طوائف المذہبی کا جال بچھا دیا بس اسی ایک نکتہ کی بنا پر نماز اور اتحاد بین المسلمین کی فرضیت میں تفریق کا اشتباہ پیدا کیا جا رہا ہے۔

---

(1) مسلم شریف بحوالہ مشکوۃ، ص320۔

اِس کے بنیادی اسباب میں ہمارے اصحاب محراب ومنبراور دینی مدارس کے متعصبانہ ماحول کے علاوہ نا اہلوں کی حکمرانی، یہ دوایسے عناصر ہیں جن کی اصلاح یا تبدیل کیے بغیراس کی اہمیت کو اُجاگر کرنا ممکن نہیں ہے۔ان میں سے بھی اول الذکر ثانی الذکر کا جنم ہے کیوں کہ طوائف الملو کی کا طوائف المذہبی کو جنم دینے کی طرح گزشتہ ادوار کی صدیوں پر محیط شخصی حکومتوں میں بھی اتحاد بین المسلمین کے برعکس طوالف المذہبی کا افتراق بہت پھیلا ہے اور موجودہ دور جمہوریت شخصیت کے مقابلہ میں اگر چہ اسلام کے زیادہ قریب وقابل برداشت ہے تاہم غیر اسلامی اندازِ انتخاب کے نتیجہ میں اقتدار تک پہنچنے والی پارٹیوں اور شخصیات کی اولین ترجیح اپنے اقتدار کا استحکام ہوتا ہے جس کے لیے وہ مذہب پسندوں کے مابین افتراق کو عافیت سمجھ کر اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں ایسے میں اصحاب محراب ومنبر حضرات کا اتحاد بین المسلمین کے فریضہ کے برعکس افتراق بین المسلمین اور مذہبی تعصب وتنگ نظری میں مبتلا ہونا نا اہل حکمرانوں کا فطری جنم ہونے پر کس کو شک ہوسکتا ہے۔کوئی اعتراف کرے یا نہ کرے حقیقت یہ ہے کہ اُمتِ مسلمہ کے جملہ مسائل کا بنیادی سبب اتحاد بین المسلمین کے شرعی حکم سے بے اعتنائی ہے اور اس بے اعتنائی کا بنیادی سبب نا اہلوں کی حکمرانی ہے۔اُمتِ مسلمہ کے عوام کی ان دونوں طبقوں کے ساتھ وابستگی ایک فطری امر ہے کیوں کہ حکومت کے بغیر قیام امن ممکن نہیں ہے جبکہ اصحاب محراب ومنبر کے بغیر جائز وناجائز کی تمیز نہیں ہے۔

ایسے میں مسلم رعایا وعوام کا شرعی احکام کے مطابق زندگی گزارنا مذہبی اقتدار پر فائز علماء اور سیاسی اقتدار کے کرسی نشینوں کی اصلاح کے بغیر ممکن ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا گویا مسلم امت کی اجتماعی اصلاح اور شرعی احکام کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے ان دونوں طبقوں کی عملی زندگی کا قرآن و سنت کے مطابق ہونا اولین شرط ہے اگر ان کا عقیدہ وعمل قرآن وسنت کے مطابق ہوگا تو عوام ورعایا کا عقیدہ وعمل بھی اس کے مطابق ہوسکتا ہے اگر ان کے عقیدہ وعمل میں فرق ہو تو عوام ورعایا کے عقیدہ و عمل میں بھی فرق ہوگا۔ان دو میں سے سیاسی مقتدرہ، مذہبی مقتدرہ کے لیے بھی اصل الاصول کا درجہ

رکھتا ہے یعنی سیاسی اقتدار پر فائز حضرات کا دین شناس و دین دار ہونے کی صورت میں اصحاب محراب و منبر کبھی بھی طوائف المذہبی کے افتراق میں مبتلا نہیں ہوسکتے جبکہ ان کا قرآن وسنت کے احکام سے نا بلد و بے عمل اور اقتدار کے پجاری ہونے کا اولین نتیجہ طوائف المذہبی، اتحاد بین المسلمین کے فریضہ سے انحراف اور مذہبی تنگ نظری وتعصب کا دور دورہ ہوتا ہے کیوں کہ "اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوکِهِمْ" کا فطری تقاضا ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا شاید اسی نکتہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے امام المحدّثین حضرت عبد اللہ ابن مبارک المتوفی 181ھ نے اپنے مشہور زمانہ کلام میں فرمایا تھا؛

"وَهَلْ اَفْسَدَ الدِّيْنَ اِلاَّ الْمُلُوْکُ: وَ اَحْبَارُ سَوْءٍ وَرُهْبَانُهَا"(1)

یعنی دین اسلام میں بگاڑ و فساد پیدا نہیں کیا مگر نا اہل حکمران اور ان کی پیداوار درباری مشائخ و علماء سوء نے۔

اسی وجہ سے کہا گیا ہے؛اِذَا کَانَ الْغُرَابُ دَلِیْلَ قَوْمٍ......سَیَهْدِیْهِمْ طَرِیْقَ الْهَالِکِیْنَ

اِس سے بڑی ہلاکت اور کیا ہوسکتی ہے جس میں اتحاد بین المسلمین جیسے اہم ترین فریضہ اسلام سے بے اعتنائی کی وجہ سے چار درجن سے زیادہ مسلم قومی حکومتوں کا سیاسی قبلہ ایک نہیں ہے۔ان کی رعایا کے دل ایک نہیں ہیں۔ان کی گفتار و کردار ایک نہیں ہے، انجامِ کار ان کا شیرازہ بکھرا ہوا ہے۔اللہ کے دیئے ہوئے جملہ وسائل کے ہوتے ہوئے مسلم اُمہ بنیادی ضروریات زندگی کے حصول میں بھی اغیار کی محتاج ہے، ان سے لرزاں و ترساں ہے کیوں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اس وحدہ لاشریک جل جلالہ نے اجتماعی ہلاکت کے اس اندوہناک منظر سے اُمت کو بچانے کے لیے فرمایا ہے؛

"وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِیْحُکُمْ"(2)

یعنی ایسا نہ ہونے پائے کہ اتحاد بین المسلمین کی اہمیت سے غافل ہو کر باہمی جھگڑے و افتراق

---

(1) اغاثۃ اللهفان لابن القیم، ج1، ص382، مطبوعہ بیروت۔

(2) الانفال،46۔

میں پڑ کر اغیار کے مقابلہ میں بزدلی و بے ہمتی تمہارا مقدر ہو جائے۔

آج کل اُمتِ مسلمہ کا اغیار سے مرعوب ہونے کی اصل وجہ ان کا اتحاد بین المسلمین کے فریضہ سے غافل ہوکر باہمی جھگڑے و افتراق میں پڑنا ہے اور افتراق میں پڑنے کی بنیادی وجہ نا اہلوں کی حکمرانی ہے جس سے چھٹکارا پانے کا واحد ذریعہ کل مکاتب، اہل اسلام کا باہمی اتحاد و اتفاق کے سوا اور کچھ نہیں ہے تا کہ مربوط و مستحکم اصولوں پر اتحاد بین المسلمین کے اسٹیج سے مسلم اُمت کے اقتدار پر مسلط اس ام الامراض سے امت کو خلاصی دلا کر صالحین کی قیادت میں اسلامی حکومت کی تشکیل ممکن ہو سکے جب اللہ کے فرمان ''اَلَّذِیۡنَ ان مَّکَّنّٰهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوةَ وَاَمَرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَنَهَوۡا عَنِ الۡمُنۡکَرِ'' (1) کے مطابق صالحین کی حکمرانی ہوگی تو حکومتی کوششوں سے اتحاد بین المسلمین کے فریضہ پر عمل ہوگا، اُمتِ مسلمہ کو اسلامی معاشرہ و ماحول میسر ہوگا، طوائف المذہبی سے جنم پانے والے تعصب و تنگ نظری اور مذہبی قتال و جدال کا خاتمہ ہوگا، معاشرتی رواداری و امنیت قائم ہوکر ہر طرف سے ''اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَةٌ'' (2) کا دور دورہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بھی مسلم اُمت سے یہی چاہتا ہے کہ وہ اپنی قوت فکری و عملی کی کاوشوں سے اس دنیا کو انسانیت کے لیے جنت نظیر بنا دے جو صالحین کی قیادت کے بغیر ممکن ہے نہ اتحاد بین المسلمین کے فریضہ پر عمل کیے بغیر۔ اس حوالہ سے تین چیزیں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں۔

پہلی چیز:۔ اُمتِ مسلمہ کی سیاسی قیادت و حکمرانی کا صالحین کے ہاتھ میں ہونا جس کی فرضیت و اہمیت بتاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا؛

''وَلَقَدۡ کَتَبۡنَا فِی الزَّبُوۡرِ مِنۡۢ بَعۡدِ الذِّکۡرِ اَنَّ الۡاَرۡضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوۡنَ'' (3) جس کا مفہوم یہ ہے کہ زمین میں حکمرانی صالحین کی میراث ہونے کو نصیحت کے بعد ہم نے زبور میں بھی لکھا ہے۔

---

(1) الحج، 41۔ (2) الحجرات، 10۔ (3) الانبیاء، 105۔

یہ ایسا فریضہ ہے کہ تاریخ کے ہر دور کے مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ نے اسکی تکمیل کا تقاضا فرمایا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ مسلمانوں کی غالب اکثریت نے اغلب ادوار تاریخ میں اس سے بے اعتنائی برتی تو اسکی فطری سزا بھی انہیں ملتی رہی اور بہت کم سعادت مندوں نے اس کی تکمیل کر کے اللہ کے ابدی و بے مثال انعامات کا استحقاق پایا جن کے متعلق ''اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ ''(1)، ''رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ''(2)، ''وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی ''(3) جیسے الٰہی اعلانات وانعامات کا مژدہ جان فزا صحیفہ کائنات پر ہمیشہ کے لیے ثبت ہیں۔ دوسرا بیضۃ الاسلام کے تحفظ واشاعت کے ساتھ اقوام عالم کی صف میں ترقی وعروج حاصل کرنے کے لیے اتحاد بین المسلمین کی فرضیت جس کی اہمیت وفرضیت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا؛

''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا''(4)

جس کا مفہوم یہی بتا رہا ہے کہ اُمتِ مسلمہ کے تمام افراد پر باہمی اتحاد یعنی اتحاد بین المسلمین کے لیے قدم اٹھانا فرض ہے اس آیت کریمہ کی وسعت مفہوم یہ بھی بتا رہی ہے کہ زوال وانحطاط اور اغیار کے خوف سے بچاؤ وتحفظ کے لیے حبل اللہ اور بیضۃ الاسلام ونظام مصطفیٰ ﷺ کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا سب پر یکساں فرض ہے۔ تیسرا افتراق بین المسلمین کا حرام ہونا اور اس کا مسلمانوں کے زوال وانحطاط کا سبب ہونا جس کے ابدی حرام ہونے سے متعلق امتناعی حکم میں ارشاد فرمایا ''وَلَا تَفَرَّقُوْا ''(5) اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد جہاں افتراق بین المسلمین، مذہبی عصبیت اور مسلمانوں کے بین المسالک قتال وجدال کے حرام ہونے پر دلالت کر رہا ہے وہاں اپنے ماقبل والے حکم کے لیے یعنی اتحاد بین المسلمین کی فرضیت کے لیے تاکید بھی ہے الغرض اتحاد بین المسلمین کی فرضیت کا عقیدہ رکھنا، اس پر عمل کرنا اور مسلم معاشرہ میں اس کی تبلیغ کرنا بلا تفریق جملہ مسلمانوں پر ایسے ہی فرض ہیں جیسے نماز پنج گانہ اور اس کے

---

(1) الفتح، 29۔ (2) البینہ، 8۔ (3) النساء، 95۔

(4) آل عمران، 103۔ (5) آل عمران، 103۔

برعکس افتراق بین المسلمین کے موجب عمل کرنا ایسا ہی حرام ہے جیسے ترک صلوٰۃ جس پہ فقہی دلیل اس طرح ہوسکتی ہے کہ؛

شرعی حکم:۔اتحاد بین المسلمین کے منافی ہر کردار حرام ہے۔

صغریٰ:۔اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کی گئی مطلق نہی کی خلاف ورزی ہے۔

کبریٰ:۔اللہ کی مطلق نہی کی ہر خلاف ورزی حرام ہے۔

نتیجہ:۔لہٰذا اتحاد بین المسلمین کے منافی ہر کردار حرام ہے۔

اگر نااہل حکمرانوں اوران کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے طوائف المذہبی کے پیروکاروں کے رحم وکرم پر ہوتا تو اتحاد بین المسلمین کے فریضہ پر عمل کرنے والا کوئی نہیں رہتا لیکن شریعت محمدی ﷺ کا امتیازی کمال ہے کہ اس کے حقیقی پیروکاروں کی ایک جماعت ہمیشہ موجود رہتی ہے جو دوسرے احکام اسلام کی تبلیغ کرنے کی طرح اتحاد بین المسلمین کی بھی تبلیغ کرتی رہتی ہے جس کے متعلق اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا؛

"لَنْ تَزَالَ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِی عَلَی الْحَقِّ مَنْصُوْرِیْنَ لَا یَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰی یَاتِیَ اَمْرُاللّٰه"(1)

لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ پوری اُمتِ مسلمہ اتحاد بین المسلمین کے فریضہ کو ترک کر کے گناہ گار ہو رہی ہے، نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے پوری امت کسی بھی اسلامی حکم کے حوالہ سے تارک فرض نہیں ہوسکتی۔اکثریت کا تارک فرض ہوکر گناہگار ہونا اور بات ہے جبکہ پوری اُمت کا تارک فرض ہوکر گناہ گار ہونا اور بات ہے ۔مذکورہ حدیث یا اس جیسی دوسری حدیثیں ثانی الذکر میں عبارۃ النص ہونے کے ساتھ اول الذکر کے ثبوت میں اشارۃ النص بھی ہیں۔سعادت مند ہیں وہ اصحاب محراب ومنبر اور ادارے جو اتحاد بین المسلمین کے فریضہ پر عمل کر کے اہل حق کے اس مقدس زمرہ میں شامل ہو رہے ہیں۔جن کی فضیلت

(1) ابن ماجه،ص292۔

میں اللہ کے رسول ﷺ نے مندرجہ ذیل کمالات وفضائل بیان فرمائے ہیں؛

1 اہل حق ہونا جس پر مذکورہ حدیث کے الفاظ ''لَنْ تَزَالَ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِي عَلَى الْحَقِّ'' دلالت کر رہے ہیں۔

2 اپنے موقف پر دلائل کی تبلیغ و تعلیم اور اظہار حق کے حوالہ سے منجانب اللہ موید منصور اور فاتح و غالب ہونا۔ اس پر مذکورہ حدیث کے الفاظ ''مَنْصُوْرِيْنَ'' دلالت کر رہے ہیں یہ اس لئے کہ مخالفین پر حقیقی فتح مندی وغلبہ دلائل کے اعتبار سے ہی ہوتا ہے۔

3 عادل ہونا، جس پر مشکوٰۃ شریف کی وہ روایت دلالت کر رہی ہے جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے؛

''يَحْمِلُ هٰذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلَفٍ عَدُوْلُهٗ''(1)

یعنی علم دین کے حقیقی حامل ہر آئندہ نسل کے عادل لوگ ہوں گے۔

یہ حدیث جس جگہ پر بھی مذکور ہوئی ہے وہیں پر اس کی عبارت النص سے اسی مقدس طبقہ کی تعریف و فضیلت بیان کرنا معلوم ہو رہی ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ شریعت کی زبان میں جن حضرات کو عادل کہا جاتا ہے وہ ہمیشہ اولیاء اللہ ہی ہوتے ہیں کیوں کہ عدالت بغیر استقامت فی الدین کے ممکن نہیں ہے اور استقامت فی الدین اولیاء اللہ کی مخصوص صفت ہے گویا اتحاد بین المسلمین کے داعی اس مقدس طبقہ کو ان حدیثوں کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ نے اولیاء اللہ قرار دیا ہے۔

4 شریعت مقدسہ اور بیضۃ الاسلام کا پاسبان ونگران ہونا، جس پر مشکوٰۃ شریف کی محولہ بالا حدیث کے آخری الفاظ دلالت کر رہے ہیں جس میں ''يَنْفُوْنَ عَنْهُ تَحْرِيْفَ الْغَالِيْنَ وَ اِنْتِحَالَ الْمُبْطِلِيْنَ وَتَاْوِيْلَ الْجَاهِلِيْنَ'' کی شکل میں ان حضرات کے تین امتیازی کارناموں کا ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی دین اسلام میں افراط وتفریط کرنے والے گمراہ غالیوں کی تحریفات کو مٹانا، باطل پرستوں نے اپنے مفاد میں

---

(1) مشکوٰۃ شریف، کتاب العلم، ص 36۔

جن گمراہیوں کو اسلام کی طرف منسوب کر کے التباس الحق بالباطل کیا ہے، ان کا قلع قمع کرنا اور جاہلوں نے اپنی خواہشات کے مطابق جو غلط تاویلیں مشہور کر کے خلق خدا کی گمراہی کا سامان کیا ہے ان کا بطلان ظاہر کرنا۔

5 اللہ کا لگایا ہوا پودا ''شجرہ طیبہ'' ہونا، جس پر ابن ماجہ شریف کی وہ حدیث دلالت کر رہی ہے جس میں اس مقدس طبقہ کی فضیلت بتاتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا؛

''لَایَزَالُ اللّٰهُ یَغْرِسُ فِی هٰذَا الدِّیْنِ غَرْسًا یَسْتَعْمِلُهُمْ فِی طَاعَتِهٖ''(1)

6 ''لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ'' کا مظہر و مصداق ہونا، جس پر ابن ماجہ شریف کی وہ حدیث دلالت کر رہی ہے جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا؛

''لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا وَطَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِی ظَاهِرُوْنَ عَلَی النَّاسِ لَایُبَالُوْنَ مِنْ خَذَلَهُمْ وَلَامَنْ نَصَرَهُمْ''(2)

سب سے بڑھ کر یہ کہ اتحاد بین المسلمین کے فریضہ کی تبلیغ کرنے والا یہ مقدس طبقہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان ''اَلْاِسْلَامُ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی عَلَیْهِ''(3) یعنی اسلام سر بلند ہونا چاہتا ہے مغلوب و کمزور ہونا نہیں چاہتا۔ کے مطابق سب کا فریضہ انجام دینے کی فضیلت پا رہا ہے۔

اللہ کے فرمان ''لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ''(4) کے عین مطابق بعثت نبوی ﷺ سے منشاء الٰہی کی تکمیل کی شاہراہ پر رواں دواں ہے کیوں کہ اتحاد بین المسلمین کے فریضہ پر عمل کیے بغیر صالحین کی حکومت قائم کرنا ممکن نہیں ہے جب تک صالحین کی قیادت و حکومت قائم نہیں ہوگی اس وقت تک نظامِ مصطفٰی ﷺ کا نفاذ ممکن نہیں ہوگا جس کے بغیر جملہ ادیان باطلہ پر اسلام کو غالب

---

(1) ابن ماجه شريف، باب 1، ص 2۔

(2) ابن ماجه، باب اتباع سنت رسول ﷺ، ص 2۔

(3) سنن الدارقطني، ج 3، ص 252۔ (4) التوبه، 33۔

کرنے کا مقصد پورا نہیں ہوسکتا جبکہ مذکورہ آیت کریمہ کے مطابق اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ہاتھوں اسلام کو دنیا بھر کے مذاہب پر غالب ہوتا ہوا دیکھنا پسند فرما رہا ہے، اسے مقصد بعثتِ نبوی ﷺ بتا رہا ہے اور پوری مسلم اُمت سے اس کی تکمیل کا تقاضا فرما رہا ہے، اہل علم جانتے ہیں کہ یہ تینوں بالترتیب جملہ مسلمانوں پر فرض ہیں۔

یعنی اہل اسلام کے مختلف مسالک میں کوئی ایسا مذہب نہیں ہے جو صالحین کی قیادت وحکمرانی قائم کرنے کو امت مسلمہ پر فرض نہ کہتا ہو۔ نظامِ مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کو فرض نہ جانتا ہو یا بعثتِ نبوی ﷺ کے مذکورہ فلسفہ اور منشاء الٰہی کی تکمیل کی فرضیت سے انحراف کر رہا ہو۔ قرآنی تعلیمات کے عین مطابق اس بات پر بھی سب کو اتفاق ہے کہ ان تینوں فرائض کے حصول کے لیے اتحاد بین المسلمین اولین شرط اور حجر اساسی ہے۔ ایسے میں اہل اسلام کے جملہ مسالک وافراد پر اتحاد بین المسلمین کے لیے جدو جہد کرنے کی فرضیت پر گزشتہ دلائل کے علاوہ مندرجہ تین طریقوں سے بھی فقہی استدلال قائم کیا جاسکتا ہے۔

اسلامی حکم:۔ اتحاد بین المسلمین فرض ہے۔

صُغریٰ:۔ کیوں کہ یہ صالحین کی قیادت وحکومت قائم کرنے کے لیے ناگزیر ہے۔

کُبریٰ:۔ جو بھی صالحین کی قیادت وحکومت قائم کرنے کے لیے ناگزیر ہو فرض ہوتا ہے۔

نتیجہ:۔ لہٰذا اتحاد بین المسلمین بھی فرض ہے۔

اسلامی حکم:۔ اتحاد بین المسلمین فرض ہے۔

صُغریٰ:۔ کیوں کہ یہ نظام مصطفیٰ ﷺ اور قرآن کی حکمرانی کے لیے حجر اساسی ہے۔

کُبریٰ:۔ جو بھی نظام مصطفیٰ اور قرآن کی حکمرانی کے لیے حجر اساسی ہو، فرض ہوتا ہے۔

نتیجہ:۔ لہٰذا اتحاد بین المسلمین بھی فرض ہے۔

اسلامی حکم:۔ اتحاد بین المسلمین فرض ہے۔

صُغریٰ:۔ کیوں کہ یہ فلسفہ بعثت نبوی ﷺ اور منشاء الٰہی کی تکمیل کے لیے شرط وتمہید ہے۔

کبریٰ:۔ جو بھی فلسفہ بعثت نبوی ﷺ اور منشاء الٰہی کی تکمیل کے لیے شرط و تمہید ہو، فرض ہوتا ہے۔

نتیجہ:۔ لہٰذا اتحاد بین المسلمین بھی فرض ہے۔

اتحاد بین المسلمین کی فرضیت پر فقہی استدلال کی یہ تینوں صورتیں فطرت کے عین مطابق ہونے کے ساتھ ہر انسان کے لیے قابل فہم بھی ہیں اتحاد بین المسلمین کی فرضیت کے حوالہ سے قرآنی احکام کی صداقت کی عملی تفسیر بھی ہیں اور اتحاد بین المسلمین کے شرعی احکام کی صداقت کے معیار بھی ہیں اور اس حد تک محدود بھی نہیں ہیں کہ اس کی فرضیت کے عقیدہ اور اس کے ساتھ حاصل ہونے والی تصدیق کو تصدیق نظری کہنے پر اکتفا کیا جائے۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ بدیہی بھی ہے کیوں کہ اجتماع نقیضین اور ارتفاع نقیضین کے محال ہونے پر جو تصدیق سب کو حاصل ہے وہ اولیات کے قبیل سے ہے، جو محتاج دلیل نہیں ہے یہاں پر بھی ایسا ہی ہے۔ جس پر اس طرح استدلال مباشر کیا جا سکتا ہے کہ؛

''تمام اہل اسلام اتحاد بین المسلمین کے مسئول و ذمہ دار ہیں'' یہ اسلامی عقیدہ اور مدعاء اسلام ہے۔ جس کی صداقت کی دلیل یہ ہے کہ اس کی نقیض خلاف حقیقت اور جھوٹ ہے یعنی ''بعض اہل اسلام اتحاد بین المسلمین کے مسئول و ذمہ دار نہیں ہیں۔''

اہل علم جانتے ہیں ایک نقیض کا جھوٹ اور خلاف حقیقت ہونا خود ہی دوسرے کی صداقت کی دلیل ہوتا ہے کیوں کہ اجتماع نقیضین اور ارتفاع نقیضین دونوں محال ہوتے ہیں جن کے عدم جواز کے ساتھ حاصل ہونے والا علم بدیہی ہوتا ہے جو دلیل کا محتاج نہیں ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ ''بعض اہل اسلام کا اتحاد بین المسلمین کے مسئول و ذمہ دار نہ ہونا خلاف حقیقت اور جھوٹ کیوں ہے؟

اِس کا جواب واضح ہے کہ یہاں پر ہماری گفتگو الٰہیات و اسلامیات کے حوالہ سے ہے یعنی ہمارے مخاطب صرف اہل اسلام ہیں تو ظاہر ہے کہ اتحاد بین المسلمین کے حوالہ سے قرآنی احکام کا خطاب تمام اہل اسلام کو شامل ہے۔ جس کے مطابق ''وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا'' (1) کے حکم پر

(1) آل عمران، 103۔

عمل کرنے کے ساتھ مسئول وذمہ دار ہونے میں بلا تفریق جملہ اہل اسلام برابر ہیں اور مومن مسلمان اس کو کہا جاتا ہے جو تمام ضروریاتِ دین کے ساتھ یقین رکھے، ان پر جذبہ عمل رکھے، اس کی تعظیم کرے، دل وجان کے ساتھ اس پر مکمل تسلیم ورضا کا اظہار کرے اور اس کی ضد ونقیض یا مخالف کردار سے بیزار ہو۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی واضح ہے کہ مذکورہ آیت کریمہ جیسی نصوص مقدسہ کے مطابق اتحاد بین المسلمین بطور شرعی حکم ضروریاتِ دین کے قبیل سے ہے جس کا منکر مسلمان نہیں ہوسکتا اور مسلم گھرانے کا حصہ ہوتے ہوئے اس سے منکر ہونے کی صورت میں اسلام سے خارج اور مرتد قرار پاتا ہے ایسے میں کسی بھی حقیقی مسلمان کا اتحاد بین المسلمین کے مسئول وذمہ دار نہ ہونا قرآن وسنت کی رو سے ممکن نہیں ہے اس کا غیر ممکن ہونا آپ ہی مذکورہ جملہ کے جھوٹ اور خلافِ حقیقت ہونے کی دلیل ہے یعنی ''بعض اہل اسلام اتحاد بین المسلمین کے مسئول وذمہ دار نہیں ہیں'' کیوں کہ کسی کا اہل اسلام میں شامل ہونا تب ممکن ہوسکے گا جب وہ دوسرے تمام ضروریاتِ دین پر ایمان لانے کے ساتھ اس پر بھی یقین رکھے۔ اتحاد بین المسلمین کی فرضیت اور افتراق بین المسلمین کے حرام ہونے پر فطری دلائل کی اس تفصیل کے ساتھ ایک قطعی ویقینی دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اتحاد بین المسلمین کی فرضیت و اہمیت کے احکام نازل فرمانے کے بعد افتراق بین المسلمین کی آگ سلگانے والوں سے نفرت دلاتے ہوئے فرمایا؛

''اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَ کَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْھُمْ فِیْ شَیْءٍ'' (1)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کریم رحمت عالم ﷺ کو افتراق بین المسلمین کا تعصب پھیلانے والوں سے بیزار ولاتعلق بتانے کے ساتھ ان سے نفرت دلائی ہے جس پر عمل کرتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ نے بھی ایسے فسادیوں کے لیے قتل کی سزا مقرر فرمائی ہے جیسے فرمایا؛

''مَنْ اَرَادَ اَنْ یُّفَرِّقَ اَمْرَ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ وَھِیَ جَمِیْعٌ فَاضْرِبُوْہُ بِالسَّیْفِ کَائِنًا مَنْ کَانَ'' (2)

---

(1) الانعام، 259۔ (2) مشکوۃ شریف، ص 320۔

افتراق بین المسلمین، پیغمبرِ اکرم ﷺ کی بیزاری ونفرت کا سبب اور موجب قتل جرم ہونے کی بنا پر جب حرام بلکہ ''اَشَدُّالحَرَام'' قرار پایا تو اس کے ''اَشَدُّالحَرَام'' ہونے پر فقہی دلیل کی بھی ضرورت ہے۔ جو اس طرح ہے کہ؛

مُدعا:۔ افتراق بین المسلمین بدترین حرام ہے۔

صُغرٰی:۔ کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مطلق نہی ہونے کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی بیزاری و نفرت کا سبب اور موجِب قتل جرم بھی ہے۔

کُبریٰ:۔ جس جرم کی نوعیت ایسی ہو وہ بدترین حرام ہوتا ہے۔

نتیجہ:۔ لہٰذا افتراق بین المسلمین بھی بدترین حرام ہے۔

علماء کرام کی سہولت کے لیے:۔ پیش نظر مسئلہ کی شرعی تحقیق دریافت کرنے والے چونکہ عالم دین ہیں لہٰذا ان کے ساتھ دوسرے علماء دین اور دینی طلباء کی سہولت فہم کے لیے مندرجہ ذیل باتوں کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔

پہلی بات:۔ اتحاد بین المسلمین کی فرضیت اور چیز ہے جبکہ فرضیت سے قطع نظر اس کا حصہ اسلام بطور شرعی حکم ہونا اور چیز ہے۔ جن میں سے اول الذکر نفس بدیہیات کے زمرہ میں شامل ہے یعنی ضرورتِ دینی ہے، جبکہ ثانی الذکر اجلیٰ بدیہیات کے زمرہ میں ہے یعنی ضرورتِ دینی کی اعلیٰ قسم ہے۔ یہ اس لیے کہ کسی چیز کا بداھۃً معلوم ہونا بجائے خود کلی مشکک ہے۔ جس کے تمام افراد و اقسام یکساں نہیں ہوتیں۔

یہی حال افتراق بین المسلمین کے حرام ہونے اور حرمت سے قطع نظر اس کے متعلق امتناعی حکم کا حصہ اسلام بطور شرعی حکم ہونے کا ہے کہ اول الذکر نفس بدیہی اور ضرورت دینی ہے، جبکہ ثانی الذکر اجلیٰ بدیہیات اسلامیہ کے زمرہ میں شامل ہے۔

دوسری بات:۔ اتحاد بین المسلمین کی فرضیت اور اس کا حصہ اسلام ہونے پر، نیز افتراق بین المسلمین

کے حرام ہونے اور اس کے متعلق حکم امتناعی کا حصہ اسلام ہونے پر گزشتہ صفحات میں جو تفصیلی دلائل ہم بیان کر چکے ہیں۔ وہ اسلامی تعلیمات و ماحول سے دور و پسماندہ عوام و اغیار کی فہمائش کے لیے ہیں جبکہ اسلامی تعلیمات و ماحول میں رہنے والے سعادت مندوں کو ان میں سے ہر ایک کا حصہ اسلام ہونا بداهةً معلوم ہے، جن کو ثابت کرنے کے لیے یہ حضرات اپنے ماحول میں فقہی دلیل کے محتاج نہیں ہیں۔ کیوں کہ کسی چیز کے متعلق علم کا بدیہی یا نظری ہونا حالات کے بدلنے سے یا ماحول و شخصیات کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

''اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ''(1)

حقیقت یہ ہے کہ قرآن وسنت میں اتحاد بین المسلمین کے فریضہ پر عمل کرنے پر یا افتراق بین المسلمین کی حرام کاری سے بچنے کی جتنی تاکید کی گئی ہے اس کی مثال دوسرے احکام میں نہیں ملتی۔ افتراق بین المسلمین کی قباحت و مضرت اور قابل اجتناب جرم ہونے میں اس سے بڑی تاکید اور کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو شرک کے برابر قرار دے کر اس سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے جیسے فرمایا؛

''وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا''(2)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ مشرکین کے ہم وصف مت بنو جو اپنے دین کو ٹکڑوں میں بانٹ کر فرقے فرقے ہوئے۔

اتحاد بین المسلمین کی فرضیت اور افتراق بین المسلمین کے حرام ہونے کے یہ احکام جس وقت نازل ہو رہے تھے وہ مسلمانوں کے روز بروز ترقی اور کفار و مشرکین کے تنزل کا دور تھا۔ ان میں سے ہر ایک کے اسباب کو بھی لوگ جانتے تھے کہ اسلام کے غلبہ کا راز رحمت عالم ﷺ کی بے مثال قیادت و تربیت کی بدولت مسلمانوں کے اتحاد میں مضمر تھا جبکہ شکست کفار کا سب سے بڑا فلسفہ ان کا افتراق تھا جس

(1) التوبہ، 97۔ (2) الروم، 31، 32۔

کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں افتراق بین المسلمین کے جرم سے بچنے کی تاکید کے ساتھ اس کا سبب شکست و زوال ہونے کی طرف بھی توجہ مبذول کرائی دوسرے مقامات پر اس کے ساتھ تصریح بھی فرمائی ہے جیسے فرمایا؛

''وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ''(1)

یعنی ایسا نہ ہونے پائے کہ باہمی افتراق و اختلاف میں پڑ کر بزدلی و بے ہمتی تمہارا مقدر بن جائے۔

نیز فرمایا؛''وَلَاتَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَاجَآءَ هُمُ الْبَيِّنٰتُ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ''(2)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اے اہل اسلام تم ان جیسے نہ ہونا جو آپس میں پھٹ گئے اور ان میں پھوٹ پڑ گئی بعد اس کے کہ ان کے پاس واضح احکام آچکے تھے تو ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

اِفتراق بین المسلمین کی معصیت میں مبتلا فرقے نہ صرف اُخروی عذاب کے مستحق ہیں بلکہ اِن عاقبت نا اندیشوں کے دونوں جہاں خراب ہوتے ہیں۔ قربان جاؤں اللہ تعالیٰ کے اس وسیع المعنی معجز کلام کی جامعیت پر کہ اس آیت کریمہ کے''اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ'' کے الفاظ کس جامعیت کیساتھ دونوں جہانوں کے عذاب کو شامل ہیں۔ (اَعَاذَ نَااللّٰهُ مِنْهُ)

ایک متوقع اشتباہ کا ازالہ:۔ اِتحاد بین المسلمین کے لیے حسب استطاعت جدوجہد کا بلاتفریق جملہ اہل اسلام پر فرض عین ہونے کے حوالہ سے ہماری اس تحقیق کو پڑھنے کے بعد شاید کچھ حضرات کو اشتباہ ہوجائے کہ عام دنیا کی نگاہ میں یعنی اقوام عالم کی زبان میں ان تمام لوگوں کو اہل اسلام کہا جاتا ہے۔ جو خود کو اسلام کی طرف منسوب کریں اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کریں یا مسلم گھرانے کی پیدائش اور مسلم معاشرہ کا حصہ ہوں حالاں کہ ان میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو حقیقی معنی میں اہل اسلام

---

(1) الانفال،46۔ (2) آلِ عمران،105۔

کہلانے کے قابل نہیں ہیں۔ مثلاً نبی آخر الزمان رحمتِ عالم ﷺ کی نبوت کو خاتم زمانی تسلیم نہ کرنے والے یعنی وہ لوگ جو حضرت ختمی مرتبت ﷺ کے بعد کسی اور نبی کے پیدا ہونے کو جائز سمجھتے ہیں یا خاکش بدہن شیطان کو علم میں رسول ﷺ سے فائق اور وسیع العلم ہونے کا عقیدہ رکھنے والے یا عہدِ نبوی ﷺ سے لے کر اب تک تمام مسلم اُمت کو ناسمجھ اور قرآن فہمی سے محروم و جاہل سمجھنے والے۔ الغرض اسلام کا دعویٰ کرنے اور اسلام سے بیرونی دنیا و اقوام کی نگاہ میں اہل اسلام کہلانے والوں میں ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو کسی ضرورتِ دینی سے انکار کی وجہ سے اسلام کی نگاہ میں اہل اسلام کہلانے کے قابل نہیں ہیں کیوں کہ جب تک مومن و مسلمان نہ ہوگا تب تک اسے اہل اسلام کہنا ہی جائز نہیں ہے کیوں کہ حقیقی مومن و مسلمان وہی ہوسکتا ہے جو نظامِ مصطفیٰ ﷺ اور اس کے اُن تمام حصوں کی تصدیق کرے جن کا حصہ اسلام ہونا مسلم معاشرہ میں مشہور ہو۔ ایمان کے اِس معیار پر اہلِ سنت، اہلِ تشیع، اہلِ اعتزال، جبریہ و قدریہ، شوافع، حنبلی و مالکی اور احناف، اہل تقلید و اہل حدیث وغیرہم کے اتفاق و اجماع کا نتیجہ ہے کہ اہل سنت عقیدہ "اَلْاِیْمَانُ هُوَ التَّصْدِيْقُ بِجَمِيْعِ مَاعُلِمَ مَجِيْئُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِهٖ بِالضَّرُوْرَةِ" کے عین مطابق مذکور الصدر تمام اسلامی فرقوں کی کتب عقائد میں لکھا ہوا موجود ہے۔ ایمان کے شرعی معیار کے حوالہ سے اِسی نکتہ اتحاد کی بنیاد پر کسی بھی ضرورت دینی سے انکار کرنے والے کو اہل اسلام سے خارج اور غیر مسلم قرار دینے پر سب متفق ہیں یعنی مذکور الصدر اسلامی فرقوں میں کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جو کسی ضرورت دینی کی تکذیب کرنے والے کو مومن و مسلمان سمجھتا ہو۔

یہ الگ بات ہے کہ ان فرقوں میں بعض ایسے بے ضمیر، ہٹ دھرم، اخلاقی جرات سے محروم اور مغلوب التعصب بھی پائے جاتے ہیں جو معیار ایمان کے حوالہ سے مذکورہ اصول و ضابطہ کے ساتھ متفق ہونے کے باوجود عملی زندگی میں دوہرا معیار رکھتے ہیں جس کے مطابق بیرون خانہ کسی ضرورت دینی سے انکار کرنے والوں کو تو خارج از اسلام قرار دیتے ہیں جبکہ اندرون خانہ اگر کوئی کم بخت اِس جرم کا ارتکاب کرے اس سے آنکھیں چھپاتے ہیں، اسے بچانے کے لیے قابل مسخرہ تاویلیں کرتے ہیں اور ارادی و

غیر ارادی کی تفریق کو ڈوبتے ہوئے کو تنکے کا سہارا دے کر ''اِلْتِبَاس الحق بِالْبَاطِلِ'' کرتے ہیں۔
الغرض اللہ کے فرمان ''وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا'' (1) کا مصداق بن کر خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہی کی راہ پر ڈالتے ہیں۔
اس قسم کے حضرات کی الٰہیات کے حوالہ سے عملی زندگی نہایت درجہ نامعقول اور مذہبی تعصب کے خول میں محدود ہونے کی بنا پر اتحاد بین المسلمین کے فریضہ سے بھی غافل ہوتے ہیں ان کی سوچ ہمیشہ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کو آباد کرنے کی ہوتی ہے، مذہبی تعصب و تنگ نظری کا زنگ چڑھنے کی وجہ سے اپنے سوا باقی سب کو خارج از اسلام قرار دینے کی فکر میں ہوتے ہیں جس وجہ سے ان حضرات سے اتحاد بین المسلمین کے فریضہ پر عمل کرنے کی توقع ہی نہیں کی جاسکتی لیکن اتحاد بین المسلمین کو سب پر فرض عین قرار دینے سے ان لوگوں کو اہل اسلام میں شامل کرنے اور ان کے ساتھ اتحاد کو اسلامی فریضہ بتانے کا وہمہ ہوسکتا ہے جو غلط ہے کیوں کہ جیسے ایک حقیقی مومن مسلمان کو مسلمان سمجھ کر ان کے ساتھ اتحاد بین المسلمین والا معاملہ کرنا اسلامی حکم ہے اسی طرح کسی ضرورت دینی کی تکذیب کرنے والوں کو خارج اسلام سمجھ کر ان سے نفرت وجدائی اختیار کرنا بھی اسلامی حکم وفریضہ اسلام ہے۔اور یہ بھی اسلامی حکم ہے کہ مواقع تہم اور سامعین وقارئین کے لیے مغالطہ کا سبب بننے والی تقریر وتحریر سے بچنا بھی فرائض میں سے ہے ایسے میں جبکہ اسلام کی طرف منسوب اور بیرونی دنیا کی نگاہ میں اہل اسلام سمجھے جانے والوں میں غیر مسلموں کی کمی نہیں ہے تو اتحاد بین المسلمین کو فرض عین بتانے سے غیر مسلموں کے ساتھ اتحاد کو فریضہ اسلام کہنے کا مغالطہ ہوسکتا ہے جو ناجائز ہے۔

اِس کا جواب یہ ہے کہ یہ محض اشتباہ ہے جو سوئے فہم کا نتیجہ ہے کیوں کہ اتحاد بین المسلمین کو جملہ مسلمانوں پر فرض عین بتانے کے حوالہ سے اس تحقیق میں ہمارے مخاطب حقیقی اہل اسلام کے سوا اور کوئی نہیں ہیں کیوں کہ مدعی اسلام ہوتے ہوئے کسی بھی ضرورتِ دینی سے انکار کرنے والوں کے ساتھ اتحاد قرآن و

---

(1) النساء،115۔

سنت کی روشنی میں ایسا ہی حرام ہے جیسے حقیقی اہل اسلام کی صفوں میں تفرقہ ڈالنا حرام ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ کیوں کہ ایسا شخص مرتد ہوتا ہے اور مرتد کے ساتھ اتحاد کا جائز ہونا دور کی بات ہے۔اس کے ساتھ نشست و برخاست اور کلام تک حرام ہے جبکہ پیدائشی غیر مسلم یعنی غیر مسلم اقوام کے ساتھ وِدَاد محبت کے ماسوا ہر قسم کا معاملاتی و معاشرتی اتحاد بشرط عدم مضرت الاسلام جائز ہے۔ایسے میں اتحاد بین المسلمین کی فرضیت واہمیت ظاہر کرنے کے لیے پیش کی جانے والی اس تحقیق سے مذکورہ مغالطہ کھانا اور اس کھلی ہوئی واضح تحقیق سے منفی پہلو کا تصور کرنا اُسی ماحول کے لوگوں میں ممکن ہوسکتا ہے جن کو اپنی ڈیڑھ اینٹ مسجد کے سوا کوئی اور مسجد نظر نہیں آتی، جو اپنے مخصوص فقہی نظریات سے باہر نہیں نکل سکتے، جو اتحاد بین المسلمین کی فرضیت کی تبلیغ سے ناآشنا ہیں اور غیر ضروری فروعی مسائل کی بنیاد پر افتراق بین المسلمین کی معصیت میں شب و روز مبتلا ہیں۔بدقسمتی سے اُمتِ مسلمہ کی صفوں میں اس قسم کے تنگ نظروں کی کمی نہیں ہے جو غیر ضروری اور فروعی باتوں کو اصول کا درجہ دے کر اپنے فقہی مخالفین پر کفر اور ارتداد کا فتویٰ لگا کر فساد فی الارض کر رہے ہیں اُپنے حلقہ اثر کے عوام کو اتحاد بین المسلمین کی فرضیت اور افتراق بین المسلمین کے حرام ہونے کے شرعی احکام سے جاہل رکھ رہے ہیں۔

مختلف فقہی مسالک کی صفوں میں موجود کنویں کے ان مینڈکوں پر تعصب کا رنگ اتنا غالب ہو چکا ہوتا ہے کہ تنگ نظری کے اس خول سے نکل کر حقیقی اسلام کی طرف آنے کو وہ اسلام سے نکل کر کفر میں شامل ہونے سے کم گناہ نہیں سمجھتے ہیں۔جہل مرکب میں مبتلا ایسے تفرقہ بازوں سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

”مِنَ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْادِیْنَھُمْ وَکَانُوْاشِیَعًاکُلُّ حِزْبٍ بِمَالَدَیْھِمْ فَرِحُوْنَ“(1)

اتحاد بین المسلمین کی فرضیت اور افتراق بین المسلمین کے حرام ہونے کے واضح اسلامی احکام کے ہوتے ہوئے اُمتِ مسلمہ کی صفوں میں تفرقہ بازوں کے ہاتھوں فرقہ واریت کی یہ افتاد اور افتراق بین

---

(1) الروم،32۔

المسلمین کی یہ فسادکاری مسلمانوں کے سیاسی اقتدار پر قابض نااہلوں کی وجہ سے ہے کیوں کہ ان اسلام بیزاروں نے صرف اپنے اقتدار کو اولین ترجیح بنا کر جب سے مذہبی اقدار کو پسِ پشت ڈال دیا اور اتحاد بین المسلمین کے فریضہ پر عمل کو اپنے اقتدار کے لیے خطرہ اور اسلام شناسوں کے باہمی اختلاف و افتراق میں اپنے اقتدار کا دوام دیکھا تو نہ صرف یہ کہ فروعی باتوں کو اصول کا درجہ دے کر مذہبی فرقہ واریت پھیلانے والوں کو منع نہیں کیا بلکہ ان میں موجود غیر معیاری مشائخ اور علماء سُو کو مذہبی فرقہ واریت کی آگ سلگانے کا اشارہ دے کر جلتی پر تیل کا عمل کر رہے ہیں۔ اِن معروضی حالات کی روشنی میں یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ فرقہ واریت اور افتراق بین المسلمین کی موجودہ افتاد کے اصل ذمہ دار نا اہل حکمران ہی ہیں۔

اے باد صبا ایں همه آوردۂ تو ست

ان حالات میں کل مکاتب فکر اہل اسلام میں موجود معیاری مشائخ و علماء حق پر فرض بنتا ہے کہ وہ خود اتحاد بین المسلمین کے فریضہ پر عمل کرنے اور افتراق بین المسلمین کی حرام کاری سے اجتناب کرنے پر اکتفا کر کے خاموش بیٹھے رہنے کے بجائے آگے آئیں، اجتماعی طور پر اصلاح امت کے عمل کو تیز کریں اور صرف اپنے اپنے حلقہ اثر تک اصلاحی عمل کو محدود رکھنے کے بجائے انفرادیت سے نکل کر ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہو کر منظم طریقے سے اتحاد بین المسلمین کے اجتماعی فوائد اور افتراق بین المسلمین کے اجتماعی، ملکی و ملی نقصانات سے امت کو آگاہ کر کے طوائف المذہبی کی موجودہ افتاد سے نکالنے کی راہ ہموار کریں، مذہبی تعصب و فرقہ واریت کی مشرکانہ خصلتوں سے نکلنے کی سبیل کریں اور کوتاہ بینی و پست ذہنی اور محدودیت کے اندھیروں کے ٹکڑوں میں بٹی ہوئی مظلوم امت کو نظام مصطفیٰ ﷺ کی لامحدود روشنی دکھانے کا فریضہ انجام دیں تاکہ وہ اپنے جملہ مصائب کے اصل سبب کو سمجھنے کے قابل ہوسکیں۔ جس کے بعد نا اہل اور اغیار کے آلہ کار حکمرانوں کی شکل میں مسلط ام الامراض کو جڑ سے اُکھاڑ کر ان کی جگہ باغیرت، باضمیر صلحاء اُمت کی حکومت قائم کرنیکی پوزیشن میں ہوسکیں۔

مدارج العرفان فی مناہج کنز الایمان

اصولِ تکفیر

روزے کی حالت میں انجکشن لگانے کی شرعی حیثیت